سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

لسان الغیب

یعنی

اردو شرح دیوان حافظ مع مفصل سوانحعمری

جلد اول

از

میر ولی اللہ بی اے ایل ایل۔بی۔ وکیل ایبٹ آباد

سنہ ۱۹۱۶ء

[illegible]

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام حافظ مظفر الدین صاحب مینیجر طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشکش

بحضور زبدۃ العارفین۔ قدوۃ السالکین افضل مشائخ طریقت اکمل اولیائے حقیقت بزہد و تقویٰ معروف۔ بمکارم اخلاق موصوف مشہور بعلم مذکور بحلم۔ نجابت دستگاہ۔ سیادت پناہ۔ سید پیر مہر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی

گولڑہ ضلع راولپنڈی

بنامِ ساقیِ میخانۂ عشق — چراغِ لامعِ کاشانۂ عشق

کسے کز جرعہ اش شد مست و مجنون — فدائے او روانِ صد فلاطون

ز نورِ مہرِ آن شمعِ دلِ افروز — دلِ پرّانش رشکِ شمعِ پروز

آفتاب

بر عشاقِ خود قاصد فرستاد / تو گوئی مایهٔ رحمت بما داد
شه لولاک احمدؐ روحِ ایمان / امام انبیا محبوب یزدان

کلام حافظ آمد گنجِ اسرار / عزیز خاطرِ ابرار و احرار
بیانش از نکاتِ آئینه دارد / بقرآنے که اندر سینه دارد
بشرحش صرف کردم روزگارے / زبانش کرده ام پیدا بهارے
گهرهائے معارف را بسفتم / به جمع و نظم آن شب ها نخفتم

معنون کردم این دفتر بشاهے / که سازد خاک را از راز نگاهے
ولایت دستگاه مهر علیشاهٔ / که فیضش شامل از ماهی ستا ماه
نقو و علم را گنجینه آمد / ز نور معرفت پُر سینه آمد
بر ونش از شریعت هست آباد / درونش از طریقت خرم و شاد
رموزِ معرفت را محرم راز / حقیقت کرد در بر روئے او باز

اگر این پیشکش منظور گردد
مرا این سعی هم مشکور گردد

نیازمند
میر ولی اللہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

دیباچہ

خواجہ حافظ کے کلام کو ہندوستان میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے ناظرین ناآشنا نہیں - دیوان حافظ کے ترجمے اردو - فارسی - ترکی بنگالی پنجابی - انگریزی - فرانسیسی - جرمن - زبانوں میں موجود ہیں - کئی شرحیں بھی ہیں - بعض مطبوعہ دیوانوں پر حاشیہ بھی ہے - مگر دیکھا جاتا ہے - کہ بعض غیر مکمل ہیں - بعض فارسی ہیں - جن کو اردو خواں پبلک فائدہ نہیں اٹھاسکتی - اور بعض شارحین نے شرح تو درکنار ترجمہ بھی شعروں کا درست نہیں کیا - اگر کاتب کی غلطی سے کوئی شعر غلط لکھا ہوا دیکھا ہے - تو اسی کے مطابق ترجمہ کر دیا۔

اس کے علاوہ جیساکہ مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جے راجپوری لکھتے ہیں۔ "ان شارحوں سے ہم کو عام شکایت یہ ہے - کہ انہوں نے بالکل صوفیانہ مذاق کی شرحیں لکھی ہیں - ادبی خوبیاں جو خواجہ کے کلام میں ہیں - ان کو ظاہر نہیں کیا ہے - یہ صرف خانقاہوں میں پڑھی جانے کے قابل ہیں - دوسری شکایت یہ ہے کہ آسان اور غیر ضروری باتوں کی تفصیل میں تو صفحے کے صفحے سیاہ کر دیتے ہیں - لیکن تاریخی اور ادبی معلومات کا مطلق پتہ نہیں ہے - جس کے بغیر پڑھنے والے کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی" (حیات حافظ

اور اکثر مشکل اشعار کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

مروجہ شرحوں میں شارحین نے یہ کوشش کی ہے۔ کہ ہر ایک شعر کے حقیقی معنی بھی بیان کیے جائیں۔ چنانچہ جہاں خواجہ صاحب نے کسی ممدوح کا نام لیا ہے۔ اس نام کی تعبیر بھی اِن بزرگوں نے حقیقی رنگ میں کی ہے۔ اگر کہیں بادشاہ کا نام آگیا تو بجائے اسکے کہ اس شعر کی تشریح میں تاریخی پہلو اختیار کیا جائے۔ لکھدیئے ہیں کہ مراد حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ سلطان اویس سے اویس قرنی مراد لیتے ہیں۔ حتےٰ کہ تواریخی واقعات کی ایسی صورت بگاڑی جاتی ہے کہ شعر بے مزہ اور بے لطف معلوم ہونے لگتا ہے۔

لسان الغیب میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ تمام تاریخی واقعات کو تاریخی پہلو سے واضح کیا گیا ہے۔ تاریخی ناموں پر تاریخی نوٹ لکھے گئے ہیں۔ شعر کی تمام ادبی خوبیاں بیان کر دی گئی ہیں۔ رنگِ تصوف بھی موجود ہے۔ اور ادبی پہلو بھی ملحوظ۔ دوسرے شاعروں کے مختلف اور کثیر التعداد اشعار جابجا درج ہیں۔ جو خواجہ صاحب کے اشعار کے معانی واضح کرنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اگر کوئی خیال دوسرے شاعر کے کسی شعر سے لیا ہے۔ تو وہ شعر بھی لکھدیا گیا ہے۔

چونکہ خواجہ صاحب کے کلام میں قرآنی الفاظ اکثر استعمال ہوتے ہیں اور آیات قرآنی کے مضامین پر اکثر شعر دیوان میں موجود ہیں۔ اسلئے ہر مناسب موقعہ پر آیات لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ ناظرین دیکھیں گے۔ کہ لسان الغیب میں جابجا آیات اور حدیثیں موجود ہیں۔

اگر ایک مضمون خواجہ صاحب کے کلام میں کئی مختلف شعروں میں ادا ہوا ہے۔ تو ہر موقعہ پر دوسرے شعر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر آٹھ آٹھ دس دس اشعار کا حوالہ ہوگا۔ شعروں کا حوالہ ردیف۔ غزل اور شعر کے نمبر کےذریعے اسطرح دیا گیا ہے۔ کہ د ۳/۷ سے مراد ردیف د غزل (۳) شعر (۷) ہے۔ ت ۱۸/۲ سے مراد ردیف ت غزل (۱۸) شعر (۲) ہے۔ وعلےٰ ہذا القیاس۔

غزلوں اور شعروں کو کتاب میں نمبر دیئے گئے ہیں تاکہ اشعار کی تلاش میں آسانی ہو۔

خواجہ حافظ کی مفصل سوانح عمری بھی کتاب کے شروع میں دی گئی ہے۔ جس میں خواجہ حافظ کے کلام پر مختلف پہلوؤں سے تفصیلاً بحث بھی کی گئی ہے۔ چونکہ دیوان کے بعض شعروں میں شاہان وقت اور امرائے عہد کے نام بھی موجود ہیں اسلئے ان لوگوں کے حالات بھی بطریق اجمال سوانح خواجہ حافظ میں درج کئے گئے ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہوسکا ہے۔ اشعار کے معانی و مطالب کو واضح کرنے اور کتاب کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کی تیاری میں مجھے قبلہ ام جناب والد بزرگوار **مولوی محمد سلطان میر** صاحب مدظلہ نے قابلقدر امداد فرمائی۔ تمام کتاب پریس میں جانے سے پہلے اُن کی نظر سے گذری۔ جا بجا قرآن کریم سے متعلقہ آیات کے حوالے اور احادیث نبوی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مضامین کی طرف اشارے اکثر انہی کی عنایت کا نتیجہ ہیں اسکے علاوہ اردو و فارسی شعرا کے شعر جو **لسان الغیب** میں بکثرت موجود ہیں۔ ان کا معقول حصہ بھی آپ ہی کی کرم فرمائی کا ثمرہ ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے۔ کہ مؤلف کو بھی جو کم و بیش دسترس اردو و فارسی نظم اور خصوصاً نکات تصوف میں حاصل ہے وہ انہی کی صحبت کے یمن و برکت سے ہے۔ ع۔

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔

حتی المقدور کتابت کی صحت کا بہت خیال رکھا گیا۔ اور اگرچہ ایسے کاتب کا ملنا تو ناممکنات سے ہے جسکی تعریف میں مولانا جامی فرماتے ہیں۔

غلام خامۂ آن کاتبم کہ شعر مرا	چنانچہ بود رقم زد نہ ہرچہ خواست نوشت
اگرچہ شعر فروغ از دروغ میگیرد	دروغ و راست درو ہرچہ بود راست نوشت

تاہم منشی محمد اسمٰعیل صاحب مقبول رقم وزیرآبادی کو پاس بٹھا کر کتاب لکھائی گئی اور امید ہے، کہ کتاب کے ساتھ اغلاط نامہ لگانے کی ضرورت نہ ہوگی

لسان الغیب کی بدل پبلک کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے اور دعا ہے

کہ خدائے تعالے اسے قبول خاطر عطا فرمائے۔

مولف نے اپنے قانونی مشاغل اور مصروفیتوں کے باوجود لسان الغیب کے لئے اپنے وقت کا ایک معقول حصہ نکال کر کتاب لکھی ہے۔ اور اگر پبلک نے اسے قدردانی کی نگاہوں سے دیکھا تو باقی جلد و نکو بیش از پیش دلچسپ بنا کر شائقین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

غرض نقشے ست کز ما یاد ماند	کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت	کند در کار ایں مسکیں دعائے

میر ولی اللہ۔ وکیل

ایبٹ آباد

یکم فروری ۱۹۱۶ء



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح عمری خواجہ حافظ شیرازی

قدس سرہٗ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تواریخی حکایات کی نسبت افسانے زیادہ دلکش اور دلفریب ہوتے ہیں۔ اور واقعات کی نسبت روایات کا عوام الناس میں زیادہ رواج ہوجاتا ہے۔ جملہ اقوام عالم اور خاص کر ایشیائی قوموں میں بعید از عقل و قیاس افسانوں اور قصوں کو لوگ بہت غور اور دلچسپی سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ اور خشک واقعات کی برہنگی کو رنگ رنگ کے لباس اور طرح طرح کی پوشاک پہنا کر زیادہ اور زیادہ نظر فریب بناتے جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اس قدر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کہ آخر کار حقیقت بالکل آنکھوں سے پوشیدہ ہوجاتی ہے اور صرف تصنع ہی تصنع رہ جاتا ہے۔ پھر تحقیق کی دوربین لگاکر دیکھو یا تجسس کی ایکس ریز استعمال کرو۔ ان طلسماتی پردوں کے اندر سے واقعاتی خط و خال کا پتہ چلنا محال ہوجاتا ہے۔ جس شخص کا لوگوں میں چرچا ہوا

اس کے متعلق قصے کہانیاں تصنیف ہونی شروع ہو جاتی ہیں اور معمولی واقعات بڑھتے بڑھتے بڑے عظیم الشان کارنامے بن جاتے ہیں۔ رستم کو لیجیے۔ اور اس کے ہفتخوان کو۔ اور اس کی بہادری اور قوتِ بازو کے دلفریب اور دلچسپ افسانوں کو دیکھئے۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کم از کم وہ حضرت آدمؑ کی اولاد سے نہ تھا انسانی تواریخ کی بجائے عجائب المخلوقات کے کسی تذکرہ میں اس کا نام ہونا چاہئے تھا جو فعل اس سے منسوب کئے گئے ہیں وہ قوائے انسانی سے باہر اور بالاتر ہیں چنانچہ فردوسی خود لکھتا ہے۔

منش کردہ ام رستم داستاں	وگر نہ یلے بود در سیستاں

مورخ اور تذکرہ نویس عوام الناس کی رنگ آمیزیوں اور فسانہ سازیوں کو اپنی اپنی تصنیف میں جگہ دے کر اور خود اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ اور مبالغہ کر کے واقعات کو روایات کے پردہ میں بالکل چھپا دیتے ہیں۔ حتےٰ کہ آنے والی نسلوں کے لئے وہ سوائے من گھڑت قصوں اور ناممکن افسانوں کے اور کچھ نہیں چھوڑ جاتے۔

اس مضر عمل کا اثر شاعروں کے تذکروں پر خاص کر زیادہ ہوتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ جس طرح شاعرانہ تخیلات اور اصلی واقعات میں فرق ہوتا ہے۔ اور منظوم خیالات میں فرضی اور موہوم باتیں نثر کی نسبت زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح شاعروں کی سوانح عمری بھی عجیب و غریب روایات کے زیادہ زیر اثر ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے متعلق جس قدر خرافات گھڑے جا سکتے ہیں اور افسانہ سازی کی جتنی مشق ان پر ہو سکتی ہے اور کسی پر نہیں ہو سکتی۔

یہی سبب ہے۔ کہ شاعروں کے جسقدر تذکرے دیکھو گے۔ سب میں واقعات سے دوچند بلکہ دہ چند ایسی روایات ہوں گی۔ جن کو صرف بچے یا ناقص العقل لوگ ہی باور کرینگے۔ یہ روایات جسقدر کتابوں میں ہوتی ہیں۔ اس سے کئی گنا زیادہ عوام الناس میں مشہور ہوتی ہیں۔ اور سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلاً چلی جاتی ہیں۔

چنانچہ خواجہ حافظ کے متعلق بھی ایسے کئی لطیفے مشہور ہیں۔ جن کو کوئی عقل سلیم باور نہ کریگی۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ سوائے چند مستند واقعات کے خواجہ حافظ کی زندگی کے حالات کے متعلق تذکروں اور تواریخوں میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ بھی روایات ہیں۔ جن کا اعادہ کرنا صرف خواجہ حافظ کی روح کو تکلیف دینا ہے۔ ورنہ ان کے بیان سے کوئی مفید مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ صحیح واقعات بالکل تھوڑے ہیں۔ اور سوانح عمری لکھنے کا حق بالکل ادا نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ دیوان حافظ پر شرح لکھنے والے کا یہ فرض نہیں ہوسکتا کہ وہ خواجہ صاحب کی سوانح عمری بھی لکھے۔ مگر چونکہ ان کی کلام کی تشریح کے لئے ان کی زندگی کے ایسے حالات کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ جن کا اثر ان کی کلام پر ہو۔ اس لئے ہم خواجہ حافظ کے متعلق جو صحیح واقعات تذکروں سے مل سکے ہیں۔ ان کو یکجا بیان کر دیتے ہیں۔

موجودہ تذکروں کا ایک معقول حصہ خواجہ حافظ کے کلام پر رائے اور ان کے کلام کے متعلقہ واقعات کی نسبت ہے۔ یہ تمام واقعات ان کے کلام پر رائے اور ان کی کلام کا دوسرے شاعروں کے ساتھ مقابلہ وغیرہ تمام امور تفصیل کے ساتھ اپنے اپنے موقع پر دیوان کی شرح میں بیان ہو چکے ہیں۔ مفصل طور پر ان کا اعادہ محض بے سود ہے۔ اس لئے باقی ماندہ واقعات کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب کے حالات مندرجہ ذیل مشہور تذکروں اور تواریخوں میں مل سکتے ہیں۔

(۱) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

(۲) خزانہ عامرہ

(۳) میخانہ مصنفہ عبدالنبی۔

(۴) نفحات الانس مصنفہ مولانا جامی۔ صوفیائے کرام کا مشہور تذکرہ ہے۔

(۵) آتشکدہ۔

(۶) حبیب السیر - ضمناً بعض حالات ملتے ہیں۔
(۷) تاریخ فرشتہ ضمناً بعض قصے درج ہیں۔
(۸) شعرالعجم - مصنفہ شبلی نعمانی۔
(۹) حیات حافظ - مصنفہ حافظ محمد اسلم صاحب جے راجپوری - یہ کتاب ۱۳۲۳ھ کی مطبوعہ ہے۔ اور نہایت محنت اور جانفشانی سے لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور نہایت مفصل اور مفید ہے۔
(۱۰) لٹریری ہسٹری آف پرشیا مصنفہ مسٹر براؤن۔
(۱۱) انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا۔
(۱۲) تذکرہ حسینی
(۱۳) بہارستان جامی۔

ہم نے خواجہ صاحب کی زندگی کے واقعات کے متعلق جو کچھ یہاں یا شرح دیوان میں لکھا ہے اس سے زیادہ واقعات ہم کو اور کہیں سے دستیاب نہ ہو سکے۔

نام ونسب

خواجہ صاحب کا نام **محمد** ہے۔ اور لقب **شمس الدین** جو ان کو اپنے استاد نے عطا کیا تھا۔

چونکہ آپ حافظ قرآن تھے اور اسی نام سے عموماً پکارے جاتے تھے۔ اس لئے اپنا تخلص **حافظ** رکھا۔

خواجہ صاحب کے دادا مضافات اصفہان میں شہر نہاوند کے نزدیک مقام **سرکان** کے باشندے تھے۔

اتابکان شیراز کے عہد میں شیراز میں آئے اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ خواجہ صاحب کے والد کا نام شعرالعجم میں بہاؤالدین لکھا ہے اور مصنف حیات حافظ نے کمال الدین بتایا ہے۔ خواجہ صاحب کے والد نے شیراز میں تجارت

شروع کی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ آباؤ اجداد سے تجارت پیشہ تھے اور دولتمند تھے۔ خواجہ صاحب کا خاندان شیراز میں علم وفضل میں بھی ممتاز تھا۔

جب خواجہ صاحب کے والد نے انتقال کیا۔ تو خواجہ صاحب اور دو بھائی ان سے بڑے رہ گئے کچھ مدت تو باپ کے ترکے پر گذر اوقات ہوتا رہا۔ مگر تابہ کے۔ بڑے دو بھائی تو افلاس زدہ ہو کر کہیں چلے گئے۔ مگر خواجہ صاحب بوجہ صغر سنی گھر میں ہی رہے۔ آپ کی والدہ زندہ تھیں۔ جو آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتیں۔ آخر جب نہائت تنگدستی کی نوبت پہنچی تو خواجہ صاحب کی والدہ نے ان کو ایک آدمی کے حوالہ کر دیا۔ کہ وہ ان کو اپنے پاس رکھے یہ شخص بد اخلاق تھا اور خواجہ صاحب بچپن سے ہی آزاد طبع تھے۔ سن شعور کو پہنچتے ہی اسکی صحبت سے بیزار ہو کر چل دیئے۔ اور کچھ مدت تک خمیر گوندہ کر شکم پروری کرتے رہے۔ محلہ میں ایک مدرسہ تھا اس میں داخل ہو گئے۔ اور لکھنا پڑھنا وہاں سیکھا۔ اور اسی مدرسہ میں قرآن شریف بھی حفظ کیا۔

شیخ مصلح الدین سعدی علیہ الرحمتہ کی شاعری نے تمام ایران اور خصوصاً اہل شیراز کی آنکھیں کھول دی تھیں اور اس عندلیب شیراز کے نغموں نے گلستان فارس کی طوطیوں اور قمریوں بلکہ زاغ وزغن کو بھی غزل سرا کر دیا ہوا تھا۔ شیراز میں تو گھر گھر شعرو شاعری کا چرچا تھا۔ اور بازاروں کے تاجر اور سوداگر بھی اس شوق سے خالی نہ تھے خواجہ صاحب کی ولادت سے صرف بیس پچیس سال پہلے شیخ صاحب نے وفات پائی تھی۔ اور ان کی غیر فانی شاعری کی گلبانگ ابھی کانوں میں گونج رہی تھی۔ خواجہ صاحب جس مکتب میں پڑھتے تھے۔ اسکے نزدیک ہی ایک بزاز رہتا تھا۔ جس نے طبیعت موزون پائی تھی۔ اور شعرو سخن کا شائق تھا گاہ بگاہ شعر بھی کہتا تھا۔ خواجہ صاحب بھی کبھی اس کے پاس بیٹھتے۔ اور چونکہ وہ ابتدا سے ہی موزوں طبع تھے۔ ان کے سمند طبیعت پر اس بزاز کی صحبت سے ایک اور تازیانہ ہوا۔ اور خواجہ صاحب نے شاعری شروع کر دی۔

اس کے علاوہ خواجہ صاحب کے ایک چچا سعدی نام بھی تھے۔ جو صوفی مزاج شاعر اور مشہور عالم تھے۔ ان کی فیض تربیت اور تعلیم سے بھی خواجہ صاحب کو اپنی ابتدائی شاعری میں بہت مدد ملی۔

خواجہ صاحب کے چچا **سعدی** اور **شیخ سعدی** علیہ الرحمۃ مصنف **گلستان** دو علیحدہ شخص ہیں۔ عوام میں یہ غلطی سے مشہور ہو گیا ہے۔ کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اور خواجہ صاحب ہم عصر اور رشتہ دار تھے۔ اس غلطی کی یہی وجہ ہے۔ گلستاں کے مصنف شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا ۶۹۱ہجری میں انتقال ہوا۔ اور خواجہ صاحب کی پیدائش ۷۱۵ہجری سے پہلے کی نہیں ہو سکتی۔ پس یہ ظاہر ہے۔ کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ خواجہ صاحب کی ولادت سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اسلئے ان کے ہم عصر نہیں ہو سکتے۔ خواجہ صاحب کے چچا سعدی کی بجائے لوگوں نے غلطی سے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ مصنف گلستاں کو ان کا رشتہ دار اور ہم عصر سمجھ لیا۔

ایک روز خواجہ صاحب کے چچا سعدی نے ایک غزل لکھنی شروع کی اور ابھی صرف ایک مصرعہ ہی لکھا تھا۔ کہ کسی کام کے لئے باہر جانا پڑ گیا۔ وہ مصرعہ کاغذ پر لکھا ہوا چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ خواجہ صاحب نے جب وہ مصرع دیکھا تو اس پر دوسرا مصرع لگا دیا۔ اور اسی کاغذ پر لکھ کر چھوڑ دیا۔ جب سعدی واپس آئے اور اپنی غزل مکمل کرنے لگے تو دیکھا کہ ان کے مصرع پر دوسرا مصرع لکھا ہوا ہے۔ دیکھکر حیران ہو گئے اور خواجہ صاحب سے دریافت کیا کہ کیا یہ مصرع تم نے لکھا ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ ہاں میں نے لکھا ہے۔ سعدی یہ بات سنکر نہایت خوش ہوئے اور خواجہ صاحب کو فرمایا۔ کہ اب یہ غزل تم ہی مکمل کرو۔ چنانچہ خواجہ صاحب کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر میں غزل پوری کر دی۔ سعدی بہت خوش ہوئے اور خواجہ صاحب کو دعا دی اور کہا کہ جو تیرے کلام کو پڑھے گا۔ وہ سیلے خود اور مجذوب ہو جائیگا چنانچہ بعض لوگوں کا اب تک یہ اعتقاد ہے کہ خواجہ صاحب کے کلام میں یہ اثر ابتک موجود ہے۔ اور یہ اثر ان کے چچا کی دعا کا نتیجہ ہے۔

کہتے ہیں کہ ابتدا میں خواجہ صاحب کی غزلیں بے مزہ اور خام ہوتی تھیں اور باوجود کوشش کے ان کے کلام کو مقبولیت حاصل نہ ہوئی۔ اسی تذبذب میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن اسی وجہ سے نہایت رنجیدہ ہوئے۔ اور بابا کوہی کے مزار پر جاکر روئے اور درگاہ الہی میں نہایت عجز و اخلاص سے دعا کی۔ چنانچہ رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا اب تجھ پر تمام علوم کے دروازے کھل گئے۔ نام دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بزرگ جناب امیر علیہ السلام ہیں۔

کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب جب صبح اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی طبیعت میں ایک عجیب جوش اور قلم میں ایک غیر معمولی زور پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے اس واقعہ پر ایک غزل لکھی۔ جسکا مطلع یہ ہے۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

دیکھو ردیف د۔ غزل (۵۳)

اسی روایت کو بعض تذکرہ نویسوں نے ایک اور پیرایہ میں ادا کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بابا کوہی کے مزار کے متعلق یہ عام مشہور تھا۔ کہ جو شخص اس مقام پر ایک چلہ پورا کرے۔ خواجہ خضر اسے آب حیات پلاتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے بھی اسی اعتقاد کی بنا پر بابا کوہی کے مزار پر ایک چلہ کھینچنے کا ارادہ کیا چنانچہ چالیسویں رات کو خواجہ خضر تشریف لائے اور انکو آب حیات پلایا اور اس روز سے خواجہ صاحب پر علم و فضل کا دروازہ کھل گیا۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے۔ اس قسم کی روائتیں خوش اعتقاد لوگوں کی زور طبع کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا دونوں روائتوں کے باہمی اختلاف سے بھی ثابت ہے۔ کہ یہ روائت اور اس قسم کی دوسری روائتیں صحیح واقعات سے ایک حد تک مختلف ہوتی ہیں۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس قسم کے قصوں کی بنا

ہیں کچھ نہ کچھ واقعات بھی ضرور ہوتے ہیں ۔ دعا کا اثر بھی ضرور ہوتا ہے ۔ اور بزرگوں کی روح سے فیض حاصل ہونا بھی کسی فلسفہ کے خلاف نہیں ۔ مسلمانوں میں تو اب تک جس آدمی کی علمی زندگی میں یک لخت کوئی انقلاب ہو جائے اسکی کشائش کار کو خواجہ خضر علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں اور عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے ۔ کہ خواجہ خضرؑ کی جس شخص کو زیارت نصیب ہو جائے ۔ اس پر علم کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ۔ اور موجودہ زمانے کے بعض بزرگوں کی علمی فضیلت کو بھی خواجہ خضرؑ کے فیض سے منسوب کیا جاتا ہے ۔

ہم کو اس سے بحث نہیں کہ یہ روائتیں کہاں تک درست ہیں اور ان میں کہاں تک مبالغہ ہے ۔ مگر اس میں شک نہیں کہ خواجہ صاحب کی کلام کو جو قبولیت نصیب ہوئی ہے ۔ ان کی قلم کو جو زور حاصل ہوا ہے ۔ اور ان کی کلام میں جو لطافت اور تاثیر ہے ۔ وہ کسی خاص فیض اور یمن کی بدولت ہے ۔ معمولی بات نہیں ۔

خواجو کرمانی بھی خواجہ صاحب کا ہم عصر تھا ۔ اور خواجہ صاحب کو اسکی صحبت سے بھی شاعری میں مدد ملی ۔ چنانچہ خواجہ صاحب کی کلام میں جہاں یہ دیکھا جاتا ہے ۔ کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے بہت سے خیالوں کو خواجہ صاحبؒ نے لے کر اپنی طرز میں ادا کیا اور زمین سے آسمان تک پہنچا دیا ۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے ۔ کہ خواجہ صاحب نے بہت خیال **خواجو** سے بھی لئے ہیں ۔ اور بعض دفعہ خواجو کے مصرعے کے مصرعے ہی تھوڑی سی ترمیم اور تنسیخ کے ساتھ اپنی کلام میں داخل کر لئے ہیں ۔ خواجہ صاحب خواجو کی طرز اختیار کرنے کا خود اعتراف کرتے ہیں اور ساتھ ہی شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی استادی اور شریعت غزل کی پیغمبری کا ذکر کر گئے ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

استاد غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما	دارد سخن حافظ طرز سخن خواجو

دیکھو شعر (و ۱۲/۸)

سعادت اور حسن ظن دیکھو کہ خواجہ صاحب غزل گوئی کی اپنی طرز کا موجد

خواجو کو کہتے ہیں اور اسے یک گونہ اپنا استاد مانتے ہیں۔ مگر زمانہ جانتا ہے۔ کہ خواجو کو خواجہ سے کچھ نسبت نہیں۔ جہاں خواجہ صاحب کے کلام کا گھر گھر چرچا ہے وہاں خواجو کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور اسکے دیوان سے بھی بہت کم لوگ واقف ہونگے۔

تعلیم

پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے ابتدائی نوشت وخواند اپنے محلہ کے ایک مکتب میں سیکھی اور قرآن مجید بھی وہاں ہی یاد کیا۔ حفظ قرآن کے بعد آپ مولانا **شمس الدین محمد عبداللہ شیرازی** کے درس میں داخل ہوئے۔ مولانا اپنے زمانہ کے مشہور فقیہ اور علوم دین کے ماہر مانے جاتے تھے۔ خواجہ صاحب نے تفسیر اور فقہ ان سے پڑھی۔

خواجہ صاحب اپنے ہم جماعت طلباء میں سب سے زیادہ ذہین اور ذکی تھے۔ چنانچہ مولانا شمس الدین ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور ان کو بہت عزیز سمجھتے تھے خواجہ صاحب کو شمس الدین کا لقب بھی انہی مولانا شمس الدین کا عطا کیا ہوا ہے

بعض تذکروں میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے علم منطق علامہ **سید شریف جرجانی** (۷۴۰ھ - ۸۱۶ھ) سے پڑھا تھا۔ مگر مصنف **حیات حافظ** کی رائے میں یہ قصہ غلط ہے۔ کیونکہ جو زمانہ خواجہ صاحب کے بڑھاپے کا ہے۔ وہ **سید شریف** کی جوانی کا ہے۔ اس لئے یہ قرین قیاس نہیں کہ خواجہ صاحب ان کے شاگرد ہوں۔ خواجہ صاحب خود ۷۲۵ھ ہجری میں مسند درس پر بیٹھ گئے۔

لیکن یہ دلیل اور سنین کا یہ مقابلہ خواجہ صاحب اور سید شریف میں رشتہ شاگردی و استادی کے قطعی منافی نہیں۔ بوڑھا شاگرد اور جوان استاد کوئی عجیب بات نہیں

خواجہ حافظؔ کو علم منطق، فلسفہ اور فقہ سے خاص دلچسپی تھی اور ان علوم میں ان کو بہت دسترس تھی۔ سب سے زیادہ آپ کو علوم قرآنی میں کمال تھا اور تمام عمر قرآن شریف اور اسکے نکات و معارف کی درس و تدریس میں گزاری۔ سکاکی کی ایک کتاب موسومہ **مفتاح** جو معانی و بیان پر ہے۔ ان کے زیر مطالعہ رہتی تھی۔

خواجہ صاحب محض شاعر ہی نہ تھے۔ بلکہ اپنے زمانہ کے ایک مشہور فاضل اور جید عالم تھے۔ **محمد گلندام** جو خواجہ صاحب کے ساتھ مولانا شمس الدین عبداللہ کے درس میں رہتے تھے لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب تفسیر **کشاف** مصنفہ مولانا **جاراللہ** زمخشری پر حاشیہ لکھتے تھے اور اپنا بہت سا وقت اس میں صرف کیا۔ افسوس ہے کہ یہ حاشیہ زمانہ نے طاق نسیان پر رکھ دیا۔ اور اب اسکا پتہ نشان کچھ بھی نہیں۔ خواجہ صاحب کے اپنے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو کشاف کے ساتھ خاص الفت تھی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں۔ کہ موسم بہار ہے اور تختہ گلزار رشک ریاض رضواں بنا ہے۔ اٹھو صحرا کا راستہ لو اب کشاف کا وقت نہیں۔ چنانچہ دیکھو شعر (ت ۳۴/۲)۔

اسکے علاوہ **مصباح** پر حاشیہ لکھا ہے۔ اور **مطالع و مصباح** کا مطالعہ بھی ان کا بہت سا وقت لیتا تھا۔ خواجہ صاحب آزاد وضع آدمی تھے شہرت کے طالب نہ تھے اور خود فروشی کو بہت معیوب سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اپنے اشعار کی ترتیب اور تالیف کا بھی چنداں خیال نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس طرف بالکل توجہ نہیں کی۔ اپنی کلام کی نظم و ترتیب کی بجائے وہ عربی دیوانوں کے مطالعہ اور شعرائے عرب کے اشعار کی تلاش میں مصروف اور علم ادب کے قواعد و قوانین کی تحصیل میں کوشاں رہتے تھے۔ لوگوں کے اصرار پر کہ وہ اپنے دیوان کو خود ترتیب کریں۔ ناراستیٔ روزگار اور نقص اہل عصر کا عذر پیش کرتے۔

خواجہ صاحب کے دیوان کو **محمد گلندام** مذکور نے مرتب کیا اور

جہاں جہاں سے خواجہ صاحب کی غزلیات ہاتھ آئیں۔ ان کو جمع کیا۔

خواجہ صاحب کے دیوان میں غزلیات کے سوا اور کچھ نہیں اور جو تھوڑا بہت ہے۔ وہ بھی مشتبہ الاصل۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ غزل کے علاوہ جس قدر اقسام کلام ہیں۔ ان میں عاشقانہ انداز نہیں ہوتا۔ طبعیت کی آمد اسی راہ میں آتی ہے۔ قصیدہ وغیرہ ایک خاص موضوع پر طبعیت کو مجبور کر کے لکھا جا سکتا ہے۔ اور جو انسان آزاد منش ہو اور سمند طبعیت کو مطلق العنان چھوڑ دے۔ اسکے لئے راہ غزل ایک شاہراہ ہے۔ چنانچہ عرفی کہتا ہے۔

قصیدہ کار ہوس پیشگاں بود عرفی
تو از قبیلۂ عشقی وظیفات غزل است

امرائے وقت اور خواجہ حافظ

اگرچہ خواجہ حافظ نہایت آزاد طبعیت کے آدمی تھے اور دنیا کے روح فرسا تعلقات سے تعلق قطع کیا ہوا تھا تاہم وہ تارک الدنیا نہ تھے۔ آپ بڑے خلیق ملنسار اور ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اور صوفیائے وقت اور امرائے عہد کی نظروں میں ان کو خاص عزت اور وقعت حاصل تھی۔ وہ شاہی دربار اور امرائے شیراز کی مجلسوں کا روح رواں تھے۔ اور علمی حلقوں کے شمع انجمن۔ مگر سلاطین کے دربار میں وہ بطور قصیدہ گو شاعر کے نہیں جاتے تھے۔ بلکہ ایک فاضل بزرگ کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے محسن اور مربی امرا کی طرف اپنے کلام میں بھی مداحانہ اشارہ کرتے تھے۔ البتہ اتنا کیا ہے۔ کہ بڑے بڑے طویل اور عریض مدحیہ قصیدے نہیں لکھے۔ صرف اپنی صوفیانہ اور عاشقانہ طرز میں لکھتے لکھتے کسی امیر کا نام لے لیا۔ اور پھر اپنے مطالب عشقیہ کی طرف چلے گئے اسی لئے انہوں نے کبھی صلہ و انعام کی توقع بھی کسی سے نہیں رکھی۔ اگر کہیں سے

کچھ آگیا تو رکھ لیا۔ ورنہ راضی برضا صابرشاکر بیٹھے رہتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ (ق ۲۲)

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم ۔۔۔ با پادشاہ بگوی کہ روزی مقرر است

وہ اس قسم کے عالی ہمت بزرگ تھے۔ کہ بارگاہ کریم میں بھی زبانِ سوال نہیں کھولنا چاہتے تھے۔ دیکھو (ق ۲۹)

ارباب حاجتیم و زبانِ سوال نیست ۔۔۔ در حضرت کریم تمنا چہ حاجت است
جام جہاں نماست ضمیر منیر دوست ۔۔۔ اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت است

اگر کہیں خواجہ صاحب نے تقاضا بھی کیا ہے۔ تو ایسے لطیف پیرایہ میں کہ سوال کی حد تک نہ پہنچے۔ خواجہ صاحب کے معاصرین اور پیشتر وبعض اوقات نہایت کمین طریقوں سے اپنے مدحیہ قصائد کا صلہ مانگا کرتے تھے یا تقاضا پر تقاضا کیا۔ اگر کچھ وصول نہ ہوا تو ہجو شروع کر دی۔ ان کی نیک طینتی اور عالی ہمتی دیکھئے۔ کہ تمام عمر میں کبھی کسی کے متعلق پایۂ تہذیب سے گرا ہوا ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ تمام دیوان میں صرف ایک دو جگہ دیکھو گے۔ کہ شاید ہلکا سا تقاضا کیا ہے۔ اور غالباً وہ ایک دو قطعات بھی جن میں تقاضا پایا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب کے نہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

بہ سمع خواجہ رسان اے ندیم وقت شناس ۔۔۔ بہ خلوتے کہ دراں اجنبی صبا باشد
لطیفۂ بمیان آر و خوش بخندانش ۔۔۔ بہ نکتۂ کہ دلش را دراں رضا باشد
پس آنگہے ز کرم اینقدر بپرس بلطف ۔۔۔ کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روا باشد

ایک اور قطعہ میں کیا لطیفہ پیدا کیا ہے۔

دوش در خواب چناں دید خیالم کہ سحر ۔۔۔ گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی
بستہ بر آخر او استر من جو مے خورد ۔۔۔ توبرہ افشاند و بمن گفت مرا میدانی
ہیچ تعبیر نمی دانمش این خواب کہ چیست ۔۔۔ تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

خواجہ صاحب کی زندگی کا زمانہ ایک پر آشوب زمانہ تھا۔ اور بڑے بڑے انقلابات خواجہ صاحب کی نظروں سے گذرے۔ ان کی زندگی میں شیراز میں سات بادشاہ یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے۔ اور ہنگامہ جنگ جدل ہمیشہ بپا رہا کرتا تھا چنانچہ دنیائے دوں کی ناپائداری اور اس عجوزہ کی غداری کا ان کے دل پر ایک گہرا اثر ہوا۔ اور ان کے کلام پر بھی اس کا بہت اثر ہوا۔ دیوان کو دیکھو کوئی غزل نہیں۔ جس میں اسباب جہاں بے وقعتی پر ایک دو شعر نہ ہوں اور بعض غزلیں مطلع سے مقطع تک اسی مضمون پر ہیں۔

ان کے اوائل عمر میں عراق و فارس کا بادشاہ **سلطان ابوسعید خاں** تھا اس کی طرف سے شیراز کا حاکم **شیخ حسین** تھا۔ ۷۳۶ھ میں سلطان ابوسعید نے وفات پائی۔ چونکہ اسکی نرینہ اولاد نہ تھی۔ سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اور امرا میں سے جس کا بس چلا اپنے اپنے صوبہ پر بادشاہ بن بیٹھے۔ **شیخ ابو اسحاق** اسی بادشاہ گردی میں شیراز کا بادشاہ ہوگیا۔

ابو اسحاق ۔ ابو اسحاق ایک امن دوست بادشاہ تھا۔ کچھ عرصہ اسکی سلطنت ہی اور رعایا نے خوش حالی اور امن و عیش میں وہ زمانہ گزارا۔ ابو اسحاق ایک عیش پسند بادشاہ تھا۔ ۷۵۴ھ میں امیر **مبارز الدین مظفر** نے اس پر فوج کشی کی۔ فوجیں شہر پناہ کے قریب آگئیں۔ اور بادشاہ کو خبر بھی نہ تھی۔ اور امرا میں سے کوئی اتنی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کہ بادشاہ کو غنیم کی لشکر کشی کی اطلاع دے۔ **امین الدین** جو ایک خاص مقرب تھا۔ وہ بہانہ سے بادشاہ کو بالاخانہ پر لے گیا۔ جب بادشاہ نے شہر کے گرد نظر ڈالی۔ تو دیکھا کہ شہر چاروں طرف سے محصور ہے۔ بادشاہ حیران ہوا۔ اور کہا۔ کہ امیر مبارز الدین عجیب احمق ہے۔ کہ بہار کے دنوں کو اس طرح خراب کر رہا ہے۔ یہ شعر پڑھکر نیچے آترآیا۔

بیا تا یک امشب تماشا کنیم	چو فردا شود فکر فردا کنیم

اس واقعہ کی نظیر تاریخ ہندوستان میں بھی ملتی ہے۔ جب بادشاہ نے دشمن

کے ملک میں پہنچنے کی خبر سنکر کہا تھا۔ ع ۔

این دفتر بی معنیٰ غرق مے ناب اولیٰ

یہ تمام واقعہ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی میں درج ہے۔ مگر مبالغہ سے خالی نہیں ۔

خواجہ صاحب کی دربار ابواسحاق میں بھی آمد ورفت تھی ۔ چنانچہ بعض غزلوں میں اسکا نام ہے ۔ اور ایک قطعہ میں ابواسحاق کے عہد کے تمام ارباب کمال کا ذکر کیا ہی اسی قطعہ میں حاجی قوام کا نام بھی ہے ۔ جو خواجہ صاحب کا سب سے پہلا مربی اور محسن تھا ۔

حاجی قوام حاجی قوام الدین حسن طمغی نے خواجہ صاحب کے لئے ایک مدرسہ بنایا تھا ۔ یہ شخص ابواسحاق کا وزیر تھا ۔ اور بہت علم دوست آدمی تھا ۔ اس مدرسہ میں خواجہ فقہ و تفسیر کا درس دیا کرتے تھے ۔ خواجہ صاحب نے اکثر غزلوں میں اسکی طرف اشارہ کیا ہی چنانچہ دیکھو شعر ام ۴۵/۹) و شعر (الف ۴/۱)

حاجی قوام نے ۷۵۴ھ میں وفات پائی ۔

غرض ابواسحاق قتل کیا گیا اور امیر مبارز الدین شیراز کا بادشاہ بن گیا ۔ خواجہ صاحب ابواسحاق کے مرنے پر نوحہ خوانی کرتے ہیں ۔

یاد باد آنکہ سر کوی توام منزل بود	دیدہ را روشنی از نور رخت حاصل بود
راست چو سوسن و گل از اثر صحبت پاک	بر زبان بود مرا آنچہ ترا در دل بود
در دلم بود کہ بے دوست نباشم ہرگز	چہ توان کرد کہ سعی من و دل باطل بود
راستی خاتم فیروزہ بواسحاقی	خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

دیدی آن قہقہہ کبک خراماں حافظ
کز سر پنجۂ شاہین قضا غافل بود

امیر مبارز الدین کہتے ہیں کہ مبارز الدین محمد بن مظفر نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ہر جگہ محتسب مقرر کر دیئے اور تمام مے خانے بند کرا دیئے ۔ چنانچہ دیکھو

ب ۱/۴ وت ۳۰/۱)

امیر مبارزالدین کا بیٹا شاہ **شجاع** بھی شاعر تھا۔ میخانے بند ہونے پر اس نے بھی ایک رباعی بہت اچھی لکھی۔

در مجلس دہر ساز مستی پست ست	نہ چنگ بہ قانون و نہ دف بر دست ست
رنداں ہمہ ترک مے پرستی کردند	جز محتسب شہر کہ بے مے مست ست

شاہ شجاع

امیر مبارزالدین ایک سخت مزاج آدمی تھا۔ امرا بگڑ گئے اور قریب تھا کہ سلطنت اس خاندان سے جاتی رہے۔ اس کے بیٹے شاہ شجاع نے موقع پا کر باپ کو گرفتار کر لیا اور خود عنان حکومت ہاتھ میں لے لی۔ کہتے ہیں کہ باپ کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اندھا کر دیا۔ کہ آئندہ دعوی تخت و تاج کے قابل نہ رہے۔ خواجہ صاحب نے یہ قطعہ اسی واقعہ پر لکھا ہے۔

شاہِ غازی خسرو گیتی ستاں	آں کہ از شمشیر او خوں مے چکید
گہ بیک حملہ سپاہے می شکست	گہ بہ ہوئے قلب شیراں مے درید
عاقبت شیراز و تبریز و عراق	چوں مسخر کرد وقتش در رسید
آنکہ روشن بد جہاں بینش بدو	میل در چشم جہاں بینش کشید

شجاع ایک علم دوست اور عالم بادشاہ تھا۔ شاعر بھی تھا۔ اہل کمال کا بہت قدردان تھا اور آزاد روش کا آدمی تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ اپنے باپ کا حکم جس سے مے خانے بند کئے گئے تھے۔ آزادی تجارت کے خیال سے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ غزل (۱۴۱) ردیف دشش) میں خواجہ صاحب نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ شعرا کے کلام سے اس قسم کے اشعار کی بنا پر لوگ روائتیں خود بھی گھڑ لیا کرتے ہیں۔ ممکن یہ ہے۔ کہ یہ میخانوں کے بند کرنے اور پھر کھولنے کی حکائتیں تمام مصنوعی ہوں۔ اور صرف خواجہ صاحب کی ان غزلوں اور شعروں کی بنا پر تصنیف کی گئی ہوں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ واقعات کی نسبت فرضی روائتیں زیادہ

فروغ پاتی ہیں۔ اور ایک معمولی واقعہ بھی بعض دفعہ مبالغہ ہوتے ہوتے آئندہ نسلوں تک جب پہنچتا ہے۔ تو حقیقت سے کوسوں دور جا پڑتا ہے۔

اگر خواجہ صاحب کے کلام میں شاہ شجاع کا نام اکثر دیکھا جاتا ہے۔ (بلکہ) اور ابتدا میں وہ خواجہ صاحب کا بہت قدر داں بھی رہا ہے۔ مگر آخرکار ان کی آپس میں کچھ رنجش ہوگئی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ شاہ شجاع کے عہد میں خواجہ **عماد فقیہ** ایک مشہور عالم تھے۔ اور شاہ شجاع ان کا بہت معتقد تھا۔ اور اکثر ان کی خانقاہ میں خود بھی جایا کرتا تھا۔ فقیہ موصوف کے پاس ایک بلی تھی۔ جس کی **نسبت** یہ مشہور تھا۔ کہ جب فقیہ صاحب نماز پڑھتے تھے۔ تو ان کی بلی بھی نماز پڑھا کرتی تھی۔ شاہ شجاع تو اسکو ان کی کرامت سمجھتا تھا۔ مگر خواجہ صاحب جیسے بزرگ ان باتوں کے کب قائل ہو سکتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ یہ کوئی کرامت کی بات نہیں بلی اگر جائے نماز پر بیٹھ کر مالک کے ساتھ سر بسجود ہو جائے۔ تو اس میں کیا تعجب ہے

خواجہ صاحب یوں بھی فقیہوں اور زاہدوں کی بے راہ رویوں سے بیزار تھے اس کرامت پر اور بھی خفا تھے۔ چنانچہ ایک غزل (دیکھو ردیف دغزل ۹۹) میں انہوں نے اس واقعہ کی طرف ایک نہایت لطیف پیرایہ میں اشارہ کیا اور کہا۔

اے کبک خوش خرام کجا مے روی بایست
غرہ مشو کہ گربہ عابد نماز کرد

یعنے اے خوش خرام کبک کہاں جاتا ہے ذرا ٹھہر۔ اس بات پر خوش نہ ہو کہ عابد کی بلی (یا عابد کی بلی) نے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے۔

گربہ سکیں اور گربہ عابد تو ایک عام بات تھی۔ مگر سمجھنے والے سمجھ گئے کہ یہ خواجہ عماد کرمانی پر چوٹ ہے۔ شاہ شجاع نے جب یہ غزل سنی۔ ناراض ہوا اور آہستہ آہستہ یہ کشیدگی بڑھ گئی۔ ایک دن شاہ شجاع نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آپ کی غزلیں یکساں نہیں ہوتیں نہ ان کی مضامین کا سلسلہ ہوتا ہے۔ ایک شعر رندانہ ہے۔ دوسرا صوفیانہ [illegible] ہے

کہیں شاہد بازی شروع ہو جاتی ہے۔ خواجہ صاحب آزاد طبع آدمی تھے۔ دل میں پہلے سے کچھ کدورت بھی تھی۔ نہ رہ سکے اور کہا کہ با ایں ہمہ میں ایک شعر بھی کہتا ہوں تو اطراف واکناف عالم میں پھیل جاتا ہے۔ اور دوسروں کو شیراز سے باہر کوئی جانتا بھی نہیں۔ شاہ شجاع کو اس بے باکانہ جواب پر اور ملال ہوا اور خواجہ صاحب کے درپئے آزار ہوگیا۔

انہی دنوں میں خواجہ صاحب نے ایک غزل لکھی۔ جسکا مقطع یہ ہے۔ دیکھو (ی ۷ ۱/۱۸)

اگر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد | وائے گر در پسِ امروز بود فردائے

فقیہ صاحب پہلے ہی سے تاک میں تھے۔ جب یہ شعر سنا تو شاہ شجاع کو کہا کہ اس شعر سے انکارِ قیامت لازم آتا ہے یا کم از کم شبہ پیدا ہوتا ہے۔ شاہ شجاع نے اس بہانہ پر خواجہ حافظ کو ضرر پہنچانا چاہا۔ خواجہ صاحب شاہ شجاع کے اس ارادہ سے واقف ہو گئے اور پریشان تھے۔ کہ انہی دنوں میں مولانا **زین الدین ابوبکر** تائبا بادی حج کو تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ شیراز میں کچھ دنوں کے لئے قیام ہوگیا خواجہ حافظ نے ان سے ذکر کیا اور صلاح ومشورہ کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ اس شعر سے پہلے ایک اور شعر بڑھا دو۔ جس سے یہ شعر آپ کا مقولہ نہ رہے بلکہ کسی دوسرے شخص کا مقولہ بن جائے۔ چنانچہ یہ تجویز خواجہ صاحب کو بھی پسند آئی اور انہوں نے اس شعر سے پہلے یہ شعر بڑھا دیا۔

ایں حدیثم چہ خوش آمد کہ سحرگاہ میگفت | برلب میکدۂ بادف و نے ترسائے

اب وہ شعر ایک عیسائی کا مقولہ ہو گیا۔ اور خواجہ صاحب نے اس حیلہ سے جان بچالی۔

یہ روائت اگر بہ نظر غور دیکھا جائے۔ تو اور بہت سی روائیتوں کی طرح خانہ ساز معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ اس شعر سے قیامت کا انکار لازم آتا ہے۔ اور نہ کوئی شک پیدا ہوتا ہے۔ اور سا تھ ہی یہ بھی ہے۔ کہ اس دوسرے شعر کے

بڑھا دینے سے اگر خواجہ صاحب کا کچھ قصور تھا بھی تو اس میں کوئی تخفیف نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر خواجہ صاحب یہ دوسرا شعر اسی لئے بڑھاتے جس لئے کہا جاتا ہے۔ تو ہرگز نہ کہتے کہ "این حدیثم چہ خوش آمد"

خواجہ قوام شاہ شجاع کا ایک وزیر تھا جسکا نام خواجہ قوام تھا (حاجی قوام اور یہ خواجہ قوام دو علیحدہ شخص ہیں)۔ یہ وزیر بھی خواجہ صاحب کے قدر دانوں اور قدر شناسوں میں سے تھا۔ چنانچہ اس نے خواجہ صاحب کا وظیفہ بھی مقرر کیا تھا۔ ایک دفعہ وظیفہ پہنچنے میں کچھ دیر ہوئی تو انہوں نے ایک غزل لکھکر اسکے پاس بھیجی۔ جس میں اس امر کی طرف اشارہ تھا۔ دیکھو (غزل ۱۸ ردیف د) اس غزل کا مطلع یہ ہے۔

رسید مژدہ کہ آمد بہار و مژدہ رسید	اگر وظیفہ رسد مصرفش گل است و نبید

شاہ شجاع نے ۷۶۴ھ میں کسی غلطی پر اس وزیر کو قتل کروا ڈالا

توران شاہ خواجہ قوام کے قتل سے کچھ مدت بعد جلال الدین توران شاہ شاہ شجاع کا وزیر ہوا وہ بھی خواجہ صاحب کے علم و فضل پر دلدادہ تھا اور انکے ساتھ بہت فیاضانہ سلوک کیا کرتا تھا۔ خواجہ صاحب نے اکثر جگہ اس وزیر کا ذکر بھی اپنے کلام میں کیا ہے۔ چنانچہ دیکھو ردیف م غزل ۴۷۔

زین العابدین شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بیٹا زین العابدین بادشاہ ہوا۔ وہ ناتجربہ کار اور مغرور تھا۔ باپ کے وقت کے امرا و وزرا سے بدسلوکیاں شروع کیں اور ہر ایک کو اپنا دشمن بنالیا جب ملک میں بدامنی اور بے اتفاقی شروع ہوئی۔ **امیر تیمور** صاحب قران نے شیراز کا رخ کیا۔ زین العابدین اسکے آنے سے پہلے ہی بھاگ کر اپنے چچا **منصور** کے پاس چلا گیا تیمور نے شیراز پر قبضہ کر لیا اور نصرت الدین **یحییٰ** کو جو شاہ شجاع کا بھائی تھا شیراز کا بادشاہ بنا دیا۔

امیر تیمور امیر تیمور خواجہ صاحب کے فضل و کمال سے واقف ہو چکا تھا

اوران کی غزلیں جو ایران اور ترکستان سے نکل کر ہندوستان تک پھیل چکی تھیں سن چکا تھا۔ شیراز میں آتے ہی خواجہ صاحب کو بلایا۔ جب خواجہ صاحب دربار میں تشریف لائے۔ تو امیر تیمور نے پوچھا کہ یہ شعر آپ کا ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا		بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را	

خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس پر امیر تیمور نے ایک ملازم کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خواجہ صاحب سے ہمارے پیشکش کے لئے دس ہزار دینار لے لو۔ خواجہ صاحب ہنسے اور کہا کہ مجھ میں اتنی استطاعت نہیں کہ اتنی رقم پیش کر سکوں امیر تیمور نے کہا کہ ہم نے سو شہروں کو اس لئے ویران کیا ہے کہ سمرقند اور بخارا کو جو ہمارا وطن ہے۔ آباد کریں آپ ایک خال ہندو کے عوض انہیں تو بخش سکتے ہیں اور ہماری اتنی سی تمنا پر اظہار عجز کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اسی غلط بخشیوں کا نتیجہ ہے۔ کہ میں اس حالت کو پہنچا ہوں۔ امیر اس لطیفہ پر خوش ہوا اور انعام دیا۔

شاہ یحیی جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ امیر تیمور نے شیراز پر شاہ یحیے کو جس نے امیر تیمور کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ شیراز پر مسلط کر دیا۔ اہل شیراز اس پر بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ شاہ یحیے نہایت ہر دلعزیز آدمی تھا۔ خواجہ صاحب نے اسکا بھی اپنی ایک غزل میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو (د ۱۵۳)

گر نبودے شاہ یحیی نصرت الدین از کرم کار ملک و دین زنظم و انتساق افتادہ بودٗ

منصور منصور نے جب دیکھا کہ شاہ یحیی شیراز پر حکمراں ہو گیا ہے۔ فوج لے کر شیراز پر چڑھ آیا اور شاہ یحیی کو شکست دے کر خود شیراز کا حاکم بن گیا۔ منصور خواجہ صاحب کا قدر دان تھا۔ جا بجا اس کا ذکر کرتے ہیں۔ جب اس نے شیراز کو فتح کیا تو خواجہ صاحب نے ایک غزل لکھی دیکھو ردیف دال جسکا مطلع یہ ہے۔

بیا کہ رائت منصور بادشاہ رسید		نوید فتح و بشارت بمہر و ماہ رسید	

امیر تیمور نے پھر شیراز کا ارادہ کیا۔ منصور کو معلوم ہوا۔ تو شیراز چھوڑنا چاہا۔ روایت ہے۔ کہ جب وہ شہر سے نکل رہا تھا۔ ایک بڑھیا سامنے آئی اور کہا کہ رعایا کو چھوڑ کر کدھر جاتے ہو۔ بڑھیا کی اس بات کا اس کے دل پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ واپس ہوا اور تھوڑی سی فوج جو وہ فراہم کر سکا لے کر امیر تیمور کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ نہایت دلیری سے لڑا اور کئی دفعہ تیمور کی فوج کو شکست دی مگر تیمور کے پاس فوج بہت تھی۔ آخر کار گھر گیا اور مارا گیا

خواجہ صاحب اور ممالک غیر کے قدردان

عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ
بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز است

قاعدہ ہے اور مشہور ہے کہ جو شخص دنیا کو چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ طالب شہرت اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ صرف بدنامی حاصل کرتے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ذکر جمیل کی سعادت سے محروم رہتے ہیں خواجہ صاحب ان معدودے چند بزرگوں میں سے ہیں۔ جو شہرت کے عاشق نہ تھے بلکہ شہرت ان پر عاشق تھی۔ خواجہ صاحب بالکل درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اور درس و تدریس میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ مطالعہ کا زیادہ شوق تھا۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے دیوان کے مرتب کرنے کا بھی خود کبھی خیال نہیں ہوا۔ اور لوگوں کے اصرار پر بھی اس طرف کبھی متوجہ نہیں ہوئے جب خورشید نکلتا ہے۔ تو چھپ نہیں سکتا۔ اس کی شعاعیں تمام عالم کو مسخر کر لیتی ہیں۔

خواجہ صاحب کی غزلیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ ایران سے لے کر بنگالہ تک ان کا چرچا ہو گیا۔ ان کے قدردان دور دور ممالک میں پیدا

ہو گئے اور ان کو اپنے پاس بلایا خود فرماتے ہیں ۔ (دیکھو شعری ب ۵۱)

زشعر حافظ شیراز میگویند و می رقصند	سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

مگر خواجہ صاحب شیراز سے نکلنا نہ چاہیئے تھے ۔ اور نہ نکلے ۔

شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم نے نیرنگ خیال میں جہاں شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار لگایا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

"اسی حال میں دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ آزاد طبع ۔ قطع تعلق کا لباس بر میں خاکساری کا عمامہ سر پر آہستہ آہستہ چلے آتے ہیں ۔ تمام علما و صلحا ۔ مورخ اور شاعر سر جھکائے ان کے ساتھ ہیں ۔ وہ دروازے پر آکر ٹھیرے ۔ سب نے آگے بڑھنے کی التجا کی ۔ تو کہا کہ معذور رکھو ۔ میرا ایسے مقدموں میں کیا کام ہے اور فی الحقیقت وہ معذور رکھے جاتے اگر تمام اہل دربار کا شوق طلب ان کے انکار پر غالب نہ آتا ۔ وہ اندر آئے ۔ ایک طلسمات کا شیشہ مینائی ان کے ہاتھ میں تھا ۔ کہ اس میں کسی کو دودھ ۔ کسی کو شربت کسی کو شراب شیرازی نظر آتی تھی ۔ ہر ایک کرسی نشین انہیں اپنے پاس بٹھانا چاہتا تھا ۔ مگر وہ اپنی وضع کے خلاف سمجھ کر کہیں نہ بیٹھے ۔ فقط اس سرے سے اس سرے تک ایک گردش کی اور چلے گئے وہ **حافظ شیراز** تھے اور شیشہ مینائی انکا دیوان تھا ۔ جو فلک مینائی سے دامن باندھے ہے" ۔

بغداد بغداد کا بادشاہ **سلطان احمد بن اویس** جو خود ایک مشہور اہل کمال تھا ۔ خواجہ صاحب کا بڑا قدر دان تھا ۔ کئی بار خواجہ صاحب کو لکھا کہ بغداد تشریف لائیں ۔ مگر خواجہ صاحب کنار آب رکنا باد اور گلگشت مصلے کو چھوڑ کر بہشت میں جانا بھی پسند نہیں کرتے تھے ۔ بغداد کس طرح جاتے البتہ اپنی غزلوں میں بعض جگہ اس کا ذکر کیا ہے ۔

بغداد کا شوق بھی دل میں رہا ۔

رہ نبردیم بمقصود خود اندر شیراز	خرم آں روز کہ حافظ رہ بغداد کند

عراق وپارس گرفتی بشعر خود حافظ		بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز است

غزل (۷۷) ردیف ی تو خاص سلطان احمد بن اویس ایلکانی کے لئے لکھی اور اسکے پاس بھیجی۔

اصفہان عماد بن محمود سلطان قطب الدین والئے اصفہان کا وزیر تھا خواجہ صاحب کی بہت عزت کرتا تھا۔ خواجہ صاحب کو بلایا بھی۔ مگر وہ نہ گئے اپنی غزلوں میں اکثر اس کا نام لیتے ہیں۔ چنانچہ غزل (۱۱۸) ردیف دال میں بھی اسکو یاد کیا ہے۔ اس کے علاوہ خواجہ صاحب کے دیوان میں اور کئی غزلوں میں بھی آصف عہد کا ذکر آتا ہے۔ چونکہ خواجہ صاحب نے اس غزل میں بھی اسکو آصف عہد کہا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ آصف عہد سے ہر جگہ ان کی مراد اسی عماد بن محمود سے ہو۔ چنانچہ دیکھو شعر (ف 5/11)

بندہ آصفِ عہدیم کہ در سلطنتش		صورت خواجگی و سیرتِ درویشان ست

دکن۔ دکن میں اس وقت خاندان بہمنی حکمران تھا۔ سلطان **شاہ محمود** بادشاہ وقت خود عربی فارسی زبانوں کا شاعر تھا چنانچہ یہ شعر اس کا ہے۔

عاقبت درسینہ کار خوں فاسدے کند
رخصتے اے دل کہ از امان شتر مے خورم

علوم متداولہ سے باخبر تھا۔ اس کے عہد میں شعرائے عرب وعجم دکن میں آکر اس کے چشمہ انعام واحسان سے شاداب ہوتے تھے۔ اور اکثر ایک قصیدہ کے عوض ایک ہزار تنگہ طلائی صلہ لے کر عزت و اکرام سے واپس ہوتے تھے۔ جب اسکی سخن پروری قدرشناسی اور سخاوت کا شہرہ عام ہوا۔ خواجہ صاحب بھی راغب بسفر دکن ہوئے۔ لیکن یہ ارادہ قوت سے فعل میں کبھی نہ آیا۔ میر **فضل الہ** اینجو جو علامہ تفتازانی کا ایک شاگرد تھا اور دربار سلطانی میں عہدہ صدارت پر ممتاز تھا۔ اس نے خواجہ صاحب کے ارادہ کی خبر سنکر کچھ روپیہ خواجہ صاحب کے پاس بھجوادیا اور ساتھ ہی یہ درخواست کی

کہ آپ تشریف لائیں۔ خواجہ صاحب نے اس روپیہ سے کچھ تو قرض ادا کرنے میں صرف کیا۔ کچھ اپنے خواہرزادوں کو دیا اور باقی روپیہ لے کر عازم دکن ہوئے۔ چنانچہ سفر کی تیاری کر کے شیراز سے روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب **لار** میں پہنچے تو وہاں ایک دوست کے مہمان ہوئے۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ اس دوست کا مال و متاع انہی دنوں میں لوٹا گیا تھا۔ خواجہ صاحب کے پاس جو کچھ تھا اسکے حوالہ کر دیا اور اپنی جیب میں زاد راہ تک نہ چھوڑا۔

خواجہ زین الدین ہمدانی اور خواجہ محمد کازرونی تجارت کے لئے ہندوستان آرہے تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب کو کہا کہ ہم آپکے اخراجات سفر کے ذمہ دار ہیں۔ تشریف لے چلئے۔ خواجہ صاحب مان گئے اور ان سوداگروں کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا۔ خواجہ صاحب ایک دفعہ اثنائے سفر میں ان سوداگروں کی کسی کوتاہی پر ناراض بھی ہوئے۔ مگر دکن پہنچنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ اس لئے صبر کر گئے۔ کہتے ہیں کہ دریائے سندھ کو عبور کر کے براہ لاہور خواجہ صاحب ہرمز پہنچے اور ایک محمود شاہی جہاز پر جو دکن سے سلطان نے آپ کے لئے ہی ہرمز بھیجا تھا سوار ہو گئے۔ جہاز ابھی روانہ نہیں ہوا تھا۔ کہ بادِ مخالف نے سمندر میں بھی طوفان پیدا کر دیا۔ خواجہ صاحب کی نازک طبیعت پر اس نے بہت برا اثر کیا۔ خواجہ صاحب کو سعدی کا شعر یاد ہی تھا کہ

بدریا در منافع بے شمار است	اگر خواہی سلامت بر کنار است

اس بہانہ پر کہ ہرمز کے دوستوں کو الوداع نہیں کر سکا ان کو مل کر ابھی واپس آتا ہوں۔ جہاز سے اتر پڑے اور واپس شیراز چلے گئے اور وہاں سے ایک غزل لکھ کر دکن بھیجدی۔ دیکھو غزل (۶۶) ردیف (دال)

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد	بمے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد
شکوہ تاجِ سلطانی کہ بیم جاں درو درج است	کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد

بکوئے مے فروشانش بجامے در نمے گیرند	زہے سجادۂ تقوی کہ یک ساغر نمے ارزد
بس آساں مینمود اول غم دریا بہ بوی در	غلط کردم کہ ہر موجش بصد گوہر نمے ارزد
برو گنج قناعت جو بکنج عافیت حافظ	کہ یک دم تنگدل بودن بہ بحر و بر نمے ارزد

جب یہ غزل دکن پہنچی اور سلطان محمود کو سفر کا تمام ماجرا معلوم ہوا سنے افسوس کیا کہ ہاتھ میں آئی ہوئی دولت سے محروم ہوئے۔ قدردانی کا زمانہ تھا۔ ایک ہزار ٹنکہ طلا کے تحفہ وتحائف ہندوستاں سے خرید کر **ملا محمد قاسم** مشہدی کے ہاتھ خواجہ صاحب کے پاس بھجوا دیئے۔

بنگالہ کہتے ہیں۔ کہ **سلطان غیاث الدین** بن سلطان سکندر فرماں روائے بنگالہ کے پاس تین لونڈیاں تھیں۔ جن کا کام سلطان کو ہر روز نہلانا تھا۔ سلطان ان سے بہت خوش تھا۔ ایک لونڈی کا نام **سرو** دوسری کا **گل** تیسری کا **لالہ** تھا۔

سلطان نے ایک دن ایک مصرع کہا۔ **ع**۔

ساقی حدیث سرو وگل و لالہ مے رود

مگر دوسرا مصرعہ نہ کہ سکا۔ شعرائے دربار کو بھی بلایا۔ مگر ان میں سے بھی کسی نے سلطان کے حسب منشا مصرع نہ لگایا۔ سلطان نے یہ مصرع شیراز خواجہ صاحب کے پاس بھیج دیا کہ اس پر غزل کہیں۔ اور ساتھ ہی اپنے ایک خادم **یاقوت** نام کے ہاتھ کچھ نقد اور کچھ تحائف خواجہ صاحب کے پاس بھیج دیئے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ آپ خود بھی تشریف لائیں۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے غزل لکھ کر بھیجی۔ دیکھو غزل (۵۸) ردیف د)

ساقی حدیث سرو وگل و لالہ مے رود	وین بحث با ثلاثۂ غسالہ مے رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند	زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ مے رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین	غافل مشو کہ کار تو از نالہ مے رود

غزل تو خواجہ صاحب نے بھیج دی مگر سفر ہندوستان کا نام نہ لیا

مندرجہ بالا روایت میں ناظرین خود تمیز کر سکتے ہیں۔ کہ واقعات کتنے ہیں۔ اور خرافات کتنے۔ اتنا ضرور ہے کہ خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر ہندوستان بھیجی [illegible] سلطان غیاث الدین کے لئے لکھی۔ کیونکہ اس حد تک تو خود غزل سے ثبوت ملتا ہے اب اس کے ساتھ جسقدر کوئی چاہے اور بڑھاتا جائے۔ اور جھوٹ سچ اس قدر کہ حقیقت بالکل بدل جائے۔

ہم نہیں چاہتے تھے کہ ان روائتوں کو لکھیں۔ مگر مجبوراً ان کو لکھنا پڑا۔ کیونکہ واقعات بھی انہی روایات کے پردہ میں پوشیدہ ہیں اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ ان روایات سے واقعات خود اخذ کرلیں اور ان کو یکجا جمع کر دیں۔ یہ ناظرین کے اپنے مذاق پر چھوڑا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب کے مشاغل

عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ
قرآن زبر بخوانی با چاردہ روایت

مطالعہ خواجہ صاحب تمام عمر طلب علم میں مصروف رہے اور مدرسہ سے نکل کر جب درس دینا شروع کیا۔ اس وقت بھی مطالعہ کا شوق ویسا ہی رہا۔ جیسا زمانہ طالب علمی میں تھا۔ عربی دیوانوں کی تلاش کرتے رہتے تھے۔ اور جہاں سے کوئی ملتا [illegible] اس کا مطالعہ فرماتے اور بعض دیوانوں پر حاشیہ بھی لکھتے۔

محمد گلندام جس نے خواجہ صاحب کا دیوان مرتب کیا ہے لکھتا ہے۔ کہ [illegible] کشاف مصنفہ جار اللہ زمخشری اور مصباح پر آپ نے حاشیہ لکھا ہے [illegible] مفتاح اور مطالع کا اکثر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کی [illegible] کا نام ہے۔ دیکھو (ات [illegible])

بخواہ دفتر اشعار و رہ بصحرا کن	چہ وقت مدرسہ و بحث کشف [illegible]

نیز دیکھو (ح ۲/۴)

دلا تو فارغی از کار خویش و ے ترسم	کہ کس درت نکشاید چو گم کنی مفتاح

دیکھو شعر (ح ۲/۱)

بوئی صبح چو حافظ شبے بروز آور	کہ بشگفد گل عیشت زشعلۂ مصباح

مفتاح علم معانی میں سکاکی کی ایک کتاب ہے۔ یا ممکن ہے۔ انہی ناموں کی اور کتابیں ہوں۔ مطالع علم منطق میں ہے۔ اور مصباح علم نحو پر ہے۔

خواجہ صاحب کو علم قرأت میں مہارت تمام تھی چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ	قرآن ز بر بخوانی با چاردہ روایت

چاردہ روایت کی تحقیق کے متعلق دیکھو شعر (ت ۹۵/۱۱)

ہر شب جمعہ کو جامع شیراز کے صحن میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اس کے علاوہ شب خیز تھے۔ نصف شب کے بعد ہمیشہ طلوع آفتاب تک ورد و وظائف میں مشغول رہتے تھے۔

خواجہ صاحب صرف خانقاہ نشین درویش ہی نہ تھے بلکہ اپنے وقت کے ایک مشہور مدرس تھے۔ تارک الدنیا نہ تھے اور نہ ترکِ عمل کے طرف دار۔ تمام عمر قرآن شریف۔ فقہ۔ تفسیر۔ اور نکات و رموز قرآنیہ پر درس دیتے رہے۔ حاجی قوام نے آپ کو ایک مدرسہ خاص اسی تعلیم کے لئے بنوا دیا تھا۔ قرآن و تفسیر کے درس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام دیگر کار و بار کی نسبت اسکی محافظت میں زیادہ کوشاں رہتے تھے۔ خواجہ صاحب اس قسم کے صاحب دل تھے۔ جس کا ذکر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا ہے۔

صاحبدلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ	بشکست عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود	تا اختیار کردی ازاں این فریق را
گفت آن گلیم خویش بدر میبرد ز موج	وین جہد میکند کہ بگیرد غریق را

وہ کنار آب رکنا باد اور گلگشت مصلےٰ جہاں بیٹھکر خواجہ صاحب مئے باقی کے لئے درخواست

کرتے ہیں ۔ ایک نزہت گاہ تھی ۔ جہاں خواجہ صاحب اکثر فراغت کے وقت اپنے دوستوں اور شاگردوں میں بیٹھکر رموز قرآنی بیان فرمایا کرتے تھے قرآن شریف حفظ تھا۔ اس پر ہر وقت اسی کا درس وتدریس ۔ اس لئے خواجہ صاحب کی تحریر وتقریر میں قرآنی نکات ومعارف کا بہت سا حصہ ہے ۔

خواجہ صاحب مدولیش ہی نہ تھے ۔ نہ لواحقات دنیا سے بالکل قطع تعلق تھا بلکہ وہ ایک نہایت متمدن ۔ خلیق اور ہر دلعزیز آدمی تھے ۔ باوجود آزاد وضع اور فقیرانہ زندگی کے دربار شاہی سے بھی تعلق تھا۔ اور حکام وقت اور امراے عہد سے آپ کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے ۔ چنانچہ محمد گلندام نے خواجہ صاحب کے مشاغل میں خدمتِ سلطان کا ذکر بھی کیا ہے ۔ اور جیسا پہلے ذکر ہوچکا ہے ۔ وہ درباروں میں بھی جاتے تھے اور سعادتِ آخرت کے ساتھ سعادتِ دنیا بھی ان کے حصے میں تھی ۔

خواجہ حافظ کا مشرب وطریق

جنگ ہفتاد دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ہم نہیں چاہتے تھے ۔ کہ جس بحث میں خواجہ صاحب خود اپنی تمام عمر میں نہ پڑے ہوں ۔ ہم ان کے متعلق وہی بحث اٹھائیں ۔ مگر چونکہ ہم سے پہلے کئی لوگ اس بحث کو چھیڑ چکے ہیں ۔ اس لئے مجبوراً قلم اٹھانا پڑتا ہے ۔

قدرتاً ہر ایک شخص کی طبیعت کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ان تمام مشاہیر قوم کو جو گذر چکے ہیں ۔ اپنے ہی مذہب اور طریق پر ثابت کرنے کی کوشش کرے ۔ صرف خواجہ صاحب ہی نہیں ۔ بلکہ تمام اور بزرگ جو ہم سے پہلے ہو چکے ہیں ۔ ان کے متعلق بھی یہ کوششیں کی گئی ہیں ۔ سنی یہ کوشش کرتے ہیں ۔ کہ تمام گذشتہ نامور آدمیوں کو اہل سنت

...تے ہی کہا جاتے اور اسکے برخلاف شیعہ بزرگ سنیوں کو بھی اہل تشیع کہتے
ہیں

حقیقت یہ ہے کہ پرانے مصنف اور نامور شاعر عموماً اس قسم کی بحثوں سے پہلو تہی کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے تمام کلام کو اگر دیکھا جاتے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس مشرب سے تعلق رکھتے تھے ۔ وہ عمداً ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے ۔ خدا ۔ رسول اور قرآن شریف ان کا مذہب تھا اس سے آگے فروعات ہیں جو قابل لحاظ نہیں ۔

خواجہ صاحب بھی آزاد خیال اور فراخ مشرب بزرگ تھے ۔ متعصب نہ تھے اور متعصب مولویوں نے جو فروعات پر تنازعات بپا کرکے مذہب کو میدان کارزار بنادیا تھا اُن سے خواجہ صاحب کو نفرت تھی

زنادانی دل پر جہل و پر مکر		گرفتار علیؑ ماندی و بوبکرؓ	(عطار)
چو یکدم زیں تعصب مے نرستی		نمیدانم خدا را کے پرستی	

قاضی نور اللہ مصنف مجالس المومنین نے خواجہ صاحب کو اہل تشیع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اور اسکے ثبوت میں خواجہ صاحب کے کلام سے بعض شعر نقل کئے ہیں ۔ ان شعروں سے نہ تو خواجہ صاحب کے شیعہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے ۔ نہ سنی ہونے کا ۔ چنانچہ ان اشعار کی شرح میں مفصل اس امر پر بحث ہوگی فریق ثانی کی طرف سے خواجہ صاحب کے سنی ہونے کی یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ خواجہ صاحب نے فرمایا ہے ۔ (دیکھو شعر ت ۶/۲)

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمہ عشق		چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

یہاں چار تکبیر سے مراد چار تکبیر نماز جنازہ ہے ۔ ظاہر ہے کہ اہل تشیع میں نماز جنازہ کی چار تکبیریں نہیں بلکہ پانچ تکبیریں ہوتی ہیں ۔ متعصب اہل تشیع کو تو چار کے ہندسہ سے بھی نفرت ہے ۔ وہ چار کی بجائے ہمیشہ پانچ لگانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ چاریار اور پنج تن کا مقابلہ اس حد تک بڑھ گیا ہے

کہ چار اور پانچ کے اعداد بھی اس جھگڑے کے اثر سے خالی نہیں رہے۔

فیضی: اکبر کی ایک عرضداشت میں لکھتا ہے۔ کہ چند احباب ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ کل (یعنے دارعقبےٰ میں) اسی طرح حوض کوثر کے چاروں طرف خلفائے اربعہ بیٹھے ہونگے اور مومنین کو آب کوثر پلاتے ہونگے۔ اسی مجلس میں ایک شیعہ جسکا نام **محمود صباغ** تھا بیٹھا تھا کہنے لگا کہ کیا یاوہ گوئی کرتے ہو۔ حوض کوثر مدور ہے۔ اور اسکے ساقی مرتضےٰ علی ہیں۔ اس حکایت کے لکھنے سے مراد یہ ہے کہ چار اور پانچ کے اعداد کی جھگڑے نے اسقدر وسعت اختیار کی ہے کہ ایک متعصب شیعہ حوض کوثر کے چہار پہلو ہونے کے بھی خلاف ہے۔

اسی بحث میں خواجہ صاحب کے ایک اور شعر پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ

ببین ہلال محرم بخواہ ساغر راح	کہ ماہ امن و امان است و سال صلح و صلاح

اس شعر کی تشریح (شرح ۲/۱) دیکھنے سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ شعر خواجہ صاحب نے سنی شیعہ کی بحث میں پڑکر نہیں لکھا۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ خواجہ صاحب کے عالم تقدیر اور آزاد روش کا آدمی اس قسم کا شعر محض اپنے سنی ہونے کو ثابت کرنے کے لئے لکھے۔ خواجہ صاحب تو کیا کوئی مسلمان بلکہ کوئی کافر بھی اس قسم کا شعر اس غرض سے نہیں لکھ سکتا کہ حرمت محرم پر اس سے کوئی حملہ ہو۔

خواجہ صاحب کے دیوان کا سب سے پہلا مصرع یعنے "الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا"۔ خواجہ صاحب کا اپنا نہیں بلکہ یزید کا ہے۔ یزید کا شعر اس طرح ہے

انا المسموم ما عندی بتریاق ولا راقی	ادر کاساً وناولہا الا یا ایہا الساقی

خواجہ صاحب نے دوسرے مصرع میں ذرا تقدیم و تاخیر کرکے لے لیا ہے اور اس پر دوسرا مصرعہ لگاکر غزل پوری کر دی۔

اہل تشیع یہ بھی اعتراض کرتے ہیں۔ کہ خواجہ صاحب نے یزید کا یہ مصرع

اپنے کلام میں کیوں داخل کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بعض بزرگوں نے اس بحث میں طبع آزمائیاں بھی کی ہیں۔ چنانچہ اہلی شیرازی نے خواجہ صاحب کی طرف سے ایک معذرت بھی اس اعتراض کے جواب میں پیش کی ہے۔ اور ایک فرضی لطیفہ لکھا ہے۔ کہتا ہے

خواجہ حافظ را شبے دیدم بخواب	گفتم اے در فضل و دانش بے مثال
از چہ بستی بر خود ایں شعر یزید	باوجود ایں ہمہ فضل و کمال
گفت واقف نیستی زیں مسئلہ	مال کافر ہست بر مومن حلال

یعنے میں نے خواجہ حافظ کو ایک رات خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ نے باوجود ایک باکمال عالم اور شاعر ہونے کے یزید کا یہ مصرع اپنے کلام میں کیوں باندھا۔ خواجہ نے جواب دیا کہ تجھے معلوم نہیں کہ کافر کا مال مسلمانوں پر جائز ہے گویا مال غنیمت ہے۔

کاتبی نیشاپوری نے جو خوش نویس ہونے کی وجہ سے کاتبی تخلص کرتا ہے اور نویں صدی ہجری میں گزرا ہے۔ اہلی کی اس معذرت کو ناکافی سمجھا ہے۔ اور اسکو تشفی بخش خیال نہیں کیا۔ کہتا ہے۔

عجب در حیرتم از خواجہ حافظ	بنوعے کش خرد زاں عاجز آید
چہ حکمت دید در شعر یزید او	کہ در دیواں نخست از وے سراید
اگرچہ مال کافر بر مسلمان	حلالست و درو قیلے نہ شاید
ولے از شیر عیب است بس بزرگ است	کہ لقمہ از دہان سگ رباید

یعنی میں حیران ہوں کہ حافظ نے یزید کے مصرع میں کیا خوبی دیکھی کہ اسکو اپنے دیوان میں سب سے پہلے جگہ دی ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ مسلمان پر کافر کا مال حلال ہے مگر ایک شیر کے لئے یہ بہت معیوب ہے۔ کہ کتے کے منہ سے نوالہ اڑا کر اپنے پیٹ میں ڈال لے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ اہلی نے خواجہ صاحب کی طرف سے یہ عذر گھڑنے کی ناحق اور بے سود کوشش کی ہے۔ اور کاتبی نے بھی خواہ مخواہ

حافظ جیسے شیر کے منہ میں کتے کے منہ کا نوالہ ڈالا ہے۔ کاتبی کا یہ اعتراض کہ خواجہ صاحب نے اپنے دیوان میں سب سے پہلے اس مصرع کو جگہ دی ہے فضول ہے۔ شاید کاتبی کو یہ معلوم نہیں کہ خواجہ صاحب نے اپنی عمر میں کبھی اپنے کلام کو ایک مجموعہ کی صورت میں مرتب نہیں کیا۔ مختلف اور پراگندہ مسودے تھے۔ جو دوسرے شخص نے خواجہ صاحب کی وفات کے بعد ترتیب دیکر شائع کئے۔ خواجہ صاحب نے کبھی اپنے دیوان کی بسم اللہ اس مصرع سے نہیں کی دیوان کو مرتب کرنے والے نے ردیف وار غزلوں کو اکٹھا کر دیا اور ایک ردیف کی جتنی غزلیں ملیں انکو بلا تمیز یکے بعد دیگرے لکھ دیا۔ الا یا ایہا الساقی والی غزل کو ردیف الف میں جگہ ملنی تھی۔ اتفاق سے سب سے پہلے جگہ مل گئی اس بناپر خواجہ صاحب پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

باقی رہا یہ امر کہ خواجہ صاحب نے یزید کا یہ مصرع اپنے کلام میں کیوں داخل کیا۔ اسکا جواب آسان ہے۔ اور یہ ہے۔ کہ خواجہ صاحب ایک آزاد منش بزرگ اور عربی اشعار کے بہت دلدادہ تھے۔ جہاں سے کوئی اچھا خیال مل گیا لے لیا اور اگر یزید کا مصرع بعینہٖ اپنے کلام میں شامل کر لیا تو کوئی گناہ نہیں۔ نہ اس سے وہ سنی بنتے ہیں نہ شیعہ یزید کو تو پھر مسلمان ہونے کا دعویٰ تھا۔ ایک کافر کا شعر یا مصرع بھی اگر اپنی کلام میں شامل کر لیا جائے۔ تو آپ ہی انصاف کریں کہ خدا و رسول کے نزدیک وہ کیا گناہ ہے۔

اسکے علاوہ غیر متعصب شیعہ فاضل خود اس قسم کی بحثیں کبھی نہیں اٹھاتے بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے۔ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ حدیقہ کے مصنف حکیم سنائی ایک شیعہ بزرگ تھے۔ مگر ان کی روش دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔

چشم بوبکر بین زدین خیزد	نہ ز رفض و ہوائے کین خیزد
تو کہ مرد علی و عباسی	مصلحت را ز جہل نہ شناسی
آل علی کو کشد ز اعدا پوست	با چنیں دشمنے نباشد دوست

اگر مدا ہن بود روا نہ بود		بخلافت خدا و سزا نبود

بس سے اگر خواجہ حافظ کو شیعہ بھی فرض کر لیا جائے تو بھی ایک غیر متعصب شیعہ ہونے کی حیثیت سے ان پر یہ اعتراض بجا نہیں۔ کہ انھوں نے یزید کے مصرع پر کیوں مصرع لگایا۔

پروفیسر ای ایچ پامر جس نے سائیکلو پیڈیا برٹینکا میں خواجہ صاحب کی سوانح عمری کے متعلق آرٹیکل لکھا ہے۔ وہ بھی خواجہ صاحب کو شیعہ بتاتا ہے اور ثبوت میں بعض غزلوں کا حوالہ دیتا ہے۔ ان غزلوں کی تشریح میں ہم اس امر پر مفصل بحث کرینگے۔

یہاں صرف اتنا کہ دینا کافی ہے۔ کہ کثرت رائے کے لحاظ سے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب ایک غیر متعصب سنی تھے۔ اور اہل بیت کی محبت میں کسی شیعہ سے کم نہ تھے۔

چونکہ خواجہ حافظ تفسیر کشاف کے بہت دلدادہ تھے۔ اس بنا پر اکثر لوگوں نے آپ کو معتزلہ بنایا ہے۔ تفسیر کشاف کا مصنف مولوی جار اللہ زمخشری بے شک معتزلہ تھا۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خواجہ حافظ بھی اسی فرقہ میں سے تھے فرقہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالے کا مشاہدہ دنیا اور آخرت دونوں میں ناممکن ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ نیکی خدا کی طرف سے اور بدی نفس امارہ کی طرف اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب نہ مومن ہے۔ نہ کافر۔

واصل ابن عطا جو فرقہ معتزلہ کا مقدم ہے۔ **شیخ حسن بصری** کا شاگرد تھا۔ ایک روز وہ مسجد میں بیٹھا ہوا دوسرے شاگردوں کے ساتھ یہ ذکر کر رہا تھا کہ کبائر کے مرتکب نہ مومن ہیں نہ کافر اور منزل بین المنزلتین کا ثبوت دے رہا تھا۔ شیخ حسن بصری نے یہ بات سن لی اور کہا کہ "اعتزل منی" یعنی ہم سے جدا ہو گیا۔ اسی وجہ سے اس کو اور اس کے پیروؤں کو معتزلہ کہنے لگ گئے۔

خواجہ صاحب کی کلام پر ایک نظر کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ خواجہ صاحب باوجود تفسیر کشاف پر حاشیہ لکھنے اور اس کے قدرداں ہونے کے معتزلہ نہ تھے معتزلہ دیدار خدا کے قائل نہیں مگر خواجہ صاحب دیدار سے محروم نہیں فرماتے ہیں۔

این جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست ۔۔۔ روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

یہ دوست جس نے خواجہ صاحب کو جان بخشی تھی اور جسکے رخ کو دیکھنے کے وہ شائق تھے۔ ظاہر ہے کہ خدا ہے۔ اور کئی جگہ خواجہ صاحب نے اسی مضمون پر شعر لکھے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ (دیکھو شعر ت ۳۵/۵)

ز مصحف رخ دلدار آیتے برخواں ۔۔۔ کہ آن بیان مقامات کشف و کشاف است

یہاں خواجہ صاحب نے کشاف کے ساتھ مصحف رخ کا ذکر بھی کر دیا اور بتایا ہے۔ کہ کشاف نے ان کو دیدار الٰہی سے مایوس نہیں کیا

اور سینکڑوں جگہ خواجہ صاحب نے مشاہدہ الٰہی کے ممکن ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ دیکھو (الف ۴/۲)

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ام ۔۔۔ اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما

نیز دیکھو شعر (ت ۶/۲)

ناظر روئے تو صاحب نظرانند ولے ۔۔۔ سر گیسوئے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

معتزلہ بدی کا خالق نفس کو کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب نیکی بدی سب خدا سے جانتے ہیں فرماتے ہیں (ت ۱۸/۱)

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ ۔۔۔ تو در طریق ادب کوش و گو گناہ من است

نیز دیکھو شعر

درکوئے نیکنامی ما را گذر نہ دادند ۔۔۔ گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ خواجہ صاحب فرقہ بندی کے سخت خلاف تھے۔ اور نہایت ہی آزاد منش مسلمان تھے۔ انہوں نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ وہ

کس فریق سے تعلق رکھتے ہیں۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

اولاد اور ذاتی حالات

خواجہ صاحب کی زندگی کے حالات پڑھنے سے اور ان کی آزادہ روی اور رندمشربی پر نظر کرنے سے یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ شاید وہ تعلقات دنیاوی سے بالکل الگ ہو نگے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے۔ کہ جہاں ایک طرف وہ محض درویش تھے۔ دوسری طرف وہ پورے دنیا دار انسان بھی تھے۔ دنیا دار سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ وہ دنیا پرست تھے۔ یا دنیا پر عاشق تھے بلکہ صرف یہ غرض ہے کہ وہ تارک الدنیا نہ تھے۔ آپ نے شادی بھی کی تھی اور صاحب اولاد بھی تھے۔

مولانا شبلی نے شعرالعجم میں لکھا ہے کہ غالباً قطعہ ذیل خواجہ صاحب نے اپنی بیوی کی وفات پر لکھا ہے۔

صباح جمعہ بد و سادس ربیع اول	کہ گشت فرقت آں مہ کشتنم عاجل
بسال ہفتصد و شصت و چار از ہجرت	چو آب حل بشدم ایں وقیعہ مشکل
دریغ و درد و تاسف کجا دہد سودے	کنوں کہ عمر بہ بازیچہ رفت بیحاصل

دیوان کے حاشیوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اشعار ذیل بھی خواجہ صاحب نے اپنے لڑکے کی وفات پر جو بچپن ہی میں ان کو داغ مفارقت دے گیا۔ لکھے ہیں۔

غزل سے خود بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔ (دیکھو غزل ۱۴ - اور ردیف د)

بلبلے خون جگر خورد و گلے حاصل کرد	باد غیرت بصدش حال پریشاں دل کرد
طوطئے را بہوائے شکرے دل خوش بود	ناگہش سیل فنا نقش امل باطل کرد
قرۃ العین من آں میوۂ دل یادش باد	کہ خود آساں بشد و کار مرا مشکل کرد
آہ و فریاد کہ از چشم حسود مہ و مہر	در لحد ماہ کمان ابروے من منزل کرد

خواجہ صاحب کا ایک لڑکا جسکا نام شاہ نعمان تھا ہند میں آیا اور برہان پور میں وفات پائی۔ اسکی قبر قلعہ آسیر کے پاس ہے۔

خواجہ صاحب کے ہمشیرہ زادے بھی تھے۔ جن کی پرورش معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کے ذمے تھے۔ جیسا پہلے لکھا جاچکا ہے۔ وہ ان سے فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔

خواجہ صاحب کی وجہ معاش زیادہ تر درس و تعلیم تھی۔ امرا کے تحفہ و تحائف اور انعام و اکرام پر چنداں انحصار نہ تھا۔

وفات

خواجہ صاحب کی پیدائش کی ٹھیک تاریخ اب تک معلوم نہیں ہوسکی۔ مگر اس پر سب کو اتفاق ہے۔ کہ وہ آٹھویں صدی ہجری کے ربع اول میں پیدا ہوئے مصنف حیات حافظ کی رائے ہے کہ وہ ۷۱۵ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ اس حساب سے قریباً ۷۶ سال کی عمر پاکر خواجہ صاحب نے ۷۹۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

محمد گلندام جس نے خواجہ صاحب کا دیوان مرتب کیا ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کی وفات ۷۹۱ھ (احدی و تسعین و سبعمائۃ) میں واقع ہوئی اور قریباً کل مورخوں کا اتفاق اسی سن پر ہے۔ مگر بعض ایک دو سال کا فرق بھی بتاتے ہیں۔

پروفیسر پامر لکھتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے اچھی لمبی عمر پائی تھی اور ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۸ء میں فوت ہوئے۔ خواجہ کی قبر پر جو کتبہ ہے اس پر

بھی تاریخ درج ہے۔ مگر کئی فارسی تذکرہ نویسوں نے مختلف سن بتائے ہیں۔
مگر محمد گلندام نے خود تاریخ وفات اس طرح کہی ہے۔

بسال با و صاد و ذال ابجد	ز دور ہجرت میمون احمد
بسوئے جنت اعلیٰ رواں شد	فرید عہد شمس الدین محمد

اور اس سے ۷۹۲ھ نکلتا ہے۔ (ب ۲ - ص (۹۰) ذ (۷۰۰) نہ
سال ۷۹۱ھ

اسی زمانے کے کسی اور شاعر نے تاریخ وفات اس طرح لکھی ہے۔

چراغ اہل معنی خواجہ حافظ	کہ شمع بود از نور تجلے
چو در خاک مصلے یافت منزل	بجو تاریخش از خاک مصلے

اب فن تاریخ گوئی کے لحاظ سے لفظ مصلے کے دو مختلف اعداد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مصلے میں یائے تحتانی کا لحاظ کیا جائے جو صورت خطی ہے۔ دوسرا یہ کہ بلحاظ تلفظ یائے مصلے کو الف سمجھا جائے۔ پہلی صورت میں ۷۹۱ھ اور دوسری حالت میں ۸۰۲ھ سن بنتا ہے۔ مگر واقعات کی رو سے ضروری ہے کہ پہلی صورت اختیار کی جائے کیونکہ خواجہ صاحب کی اپنی زبان سے نکلے ہوئے قطعات تاریخ میں ایک مصرعہ یہ ہے۔ کہ ع

سال تاریخ وفاتش طلب از میل بہشت

اس سے سال ۷۸۰ھ اخذ ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ خواجہ صاحب کی اپنی وفات ۷۸۰ھ کے بعد ہو۔

مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہیں کہ خواجہ نے ۷۹۳ھ میں وفات پائی خاک مصلے تاریخ ہے۔ جس میں ایک عدد کی کمی ہے۔ (غالباً ۷۹۳ھ نہیں بلکہ ۷۹۲ھ مراد ہوگی۔)

خزانہ عامرہ میں بھی خواجہ صاحب کی وفات کی تاریخ ۷۹۲ھ دی ہوئی ہے اور لکھا ہے کہ تاریخ وفات خاک مصلے ہے جس میں ایک عدد کی کمی ہے۔

مولانا جامی قدس سرہ نے بھی نفحات الانس میں خواجہ صاحب کی وفات بسنہ ۷۹۲ھ میں بتائی ہے۔ فرماتے ہیں "وفات وے در سنۃ اثنین وتسعین وسبعمائۃ بودہ است رحمۃ اللہ تعالیٰ"

چونکہ خواجہ صاحب کو خاک مصلےٰ سے بہت محبت تھی اور اپنے کلام میں بھی اکثر گلگشت مصلی کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ مر کر بھی انہیں خاکِ مصلی ہی نصیب ہوئی خاک مصلےٰ کا وہ حصہ جہاں خواجہ صاحب دفن ہیں اب ان کے نام پر حافظیہ کہلاتا ہے۔

خواجہ حافظ کی نماز جنازہ کے متعلق بھی ایک لطیفہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ جب خواجہ صاحب کا انتقال ہوا۔ تو بعض متعصب علما نے جو خواجہ سے ناراض تھے۔ اور جن کی ریاکاری اور ظاہر پرستی پر خواجہ صاحب بھی ہمیشہ ناخوش رہتے تھے۔ نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ شخص ہمیشہ ملحدانہ شعر کہتا رہا ہے۔ شاہ منصور جنازہ کے ساتھ تھا اس نے کہا کہ تم اس کا الحاد ثابت کرو۔ انہوں نے کہا کہ خواجہ کا کلام منگوایا جائے۔ جب مسودے آئے۔ تو اتفاقاً سب سے پہلے جو کاغذ اٹھایا گیا اس پر یہ شعر تھا

قدم دریغ مدار از جنازہ حافظ　　کہ گرچہ غرق گناہ است میرود بہشت

اس پر سب خاموش ہو گئے اور نماز جنازہ ادا کی

اس واقعہ کو حاشیہ نویس اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"منقول است کہ حافظ ازیں جہاں رحلت فرمود۔ مردماں بہ سبب افعال رندانہ او بنماز جنازہ نمے پرداختند۔ ناگہاں شخصے گفت۔ کہ ایں رند بر پارہائے سفال چیزے مے نوشت ودر سبو می انداخت۔ از سبو پارہ سفال بروارید ہرچہ دراں نوشتہ یابید۔ براں عمل کنید۔ چوں ایں امر قرار یافت یکے از اہل میان ازاں سبو پارہ سفال برآوردہ۔ وچوں دیدند ہمیں شعر نوشتہ یافتند ازاں وقت معتقد حافظ شدند۔ واز جملہ اشعارش دیوان مرتب کردند

ونماز جنازہ خوانند"۔

سلطان **بابر بہادر** کے ایک وزیر **محمد معمای** نے ۸۵۵ھ میں خواجہ کا مقبرہ بہت روپیہ خرچ کرکے بنوایا تھا۔ جواب تک قائم ہے۔ اور ہفتہ میں ایک دن وہاں میلہ بھرتا ہے۔ اور دور دور سے لوگ وہاں جاتے ہیں۔ فقیر اور درویش تو اکثر وہاں زیارت کرنے جاتے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ خود کہہ دیا تھا۔

برسر تربت ما چوں گذری ہمت خواہ	کہ زیارت گہ رنداں جہاں خواہد بود

کریم خاں زند نے وہاں ایک خانقاہ بھی درویشوں کے لئے بنوائی تھی۔ اور خواجہ صاحب کی تربت پر سنگ مرمر کے ایک تختہ پر خواجہ صاحب کی یہ غزل کندہ کرائی۔ دیکھو غزل (۶۷) (ردیف م)

مژدہ وصل تو کو کز سر جاں برخیزم	طائر قدسم و از دام جہاں برخیزم
یارب از ابر ہدایت برساں بارانے	پیشتر زاں کہ چو گردے ز میاں برخیزم
بولائے تو کہ گر بندہ خویشم خوانی	از سر خواجگی کون ومکاں برخیزم
برسر تربت من بے مے و مطرب منشیں	تا بہ بوئت ز لحد رقص کناں برخیزم
گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر	تا سحرگاہ ز کنار تو جواں برخیزم
تو مپندار کہ از خاک سر کوئی تو من	بجفائے فلک و جور زماں برخیزم
سرو بالا بنما اے بت شیریں حرکات	کہ چو حافظ ز سر جاں و جہاں برخیزم

اسی سنگ مرمر پر حاشیہ میں یہ غزل کندہ ہے۔ دیکھو غزل (۲) (ردیف ش)

اے دل غلام شاہ جہاں باش وشاہ باش	پیوستہ در حمایت لطف الہ باش
از خارجی ہزار بیک جو نمے خرند	گو کوہ تا بکوہ منافق سپاہ باش
چوں احمدم شفیع بود روز رستخیز	گو ایں تن بلاکش من پر گناہ باش

آں را کہ دوستی علی نیست کافرست
گو زاہد زمانہ و گو شیخ راہ باش

امروز زندہ ام بولائے تو یا علی
فردا بروح پاک اماماں گواہ باش

قبر امام ہشتم سلطان دین رضا
از جاں ببوس و بر در آں بارگاہ باش

دستت نمیرسد کہ بچینی گلے ز شاخ
باری بپای گلبن ایشاں گیاہ باش

مرد خدا کہ زاہد تقوے طلب بود
خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش

حافظ طریق بندگی شاہ پیشہ کن
وانگاہ در طریق چو مرداں راہ باش

مصنف حیات حافظ نے لکھا ہے کہ یہ غزل خواجہ کی نہیں ہے۔ کریم خاں زند نے کسی اور شاعر سے لکھوا کر کندہ کرا دی ہے۔ اور اپنی رائے کی تائید میں لکھا ہے۔ "بارہویں صدی سے پہلے یعنی کریم خاں زند کے پیشتر کے دیوان حافظ کے نسخوں میں یہ غزل نہیں پائی جاتی۔ ہمارے پاس اس وقت چار نسخے ہیں۔ ایک سنہ ۹۵۲ھ۔ کا لکھا ہوا دوسرا سنہ ۹۸۱ھ کا تیسرا سنہ ۹۹۳ھ کا چوتھا سنہ ۱۲۰۰ھ کا ان میں سے پہلے تینوں نسخوں میں نہیں ہے صرف چوتھے میں ہے۔ مولانا سودی کے نسخہ میں بھی نہیں ہے"۔

مگر پروفیسر پامر جس نے سائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں خواجہ صاحب کی سوانح عمری لکھی ہے۔ کہتا ہے۔ کہ یہ غزل خواجہ صاحب کی قبر پہ کندہ ہے۔ مگر ترکی مولف اور شارح سودی نے جو خود ایک پکا سنی ہے۔ اس غزل کو دیوان میں درج نہیں کیا۔ اور اسی مذہبی تعصب کا کئی دوسرے مؤلفوں پر بھی اثر ہوا ہے۔ ہندوستان میں دیوان حافظ کے اکثر نسخوں میں اسی تعصب کا رنگ نظر آتا ہے اور جہاں جہاں ذرا بھی خواجہ کے کلام میں اہل بیت کی عزت و عظمت کے متعلق کچھ دیکھا ہے۔ اسکو ترمیم تنسیخ کر کے دوسرا جامہ پہنا دیا ہے۔

تجرد اور اتقا

شراب بے خمارم بخش یارب
کہ با او ہیچ دردسر نباشد

تمام تذکرہ نویسوں کو اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ خواجہ صاحب ایک آزاد منش اور متقی مسلمان تھے۔ خواجہ صاحب کے مشاغل پر پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ شب بیدار۔ سحر خیز اور عاشق قرآن تھے۔ اپنے زمانہ کے مشہور فقیہ اور مفسر تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے اور شیخ **محمود عطار** سے جو ایک نہایت متقی درویش تھے۔ خواجہ صاحب نے فلسفۂ تصوف میں دسترس حاصل کی اور آخر کار شیخ محمود عطار کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مگر خواجہ صاحب کے متعلق یہ عام مشہور ہے۔ کہ آپ باقاعدہ کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوئے۔ چنانچہ مولانا جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ "معلوم نیست کہ وے دست ارادت بپیرے گرفتہ ودر تصوف بہ یکے ازاں طائفہ نسبت درست کردہ"۔ نفحات الانس ۸۸۳ھ مطابق ۱۴۷۸ء کی تصنیف ہے۔ اور خواجہ صاحب سے کچھ کم سو سال بعد کی ہے اور اس کتاب کا مضمون اور موضوع صرف صوفیائے کرام کے سلسلہ کے متعلق ہے۔ جب اسی کتاب نے خواجہ حافظ کی بیعت پر کچھ روشنی نہیں ڈالی تو پھر غالب قیاس یہی ہے۔ کہ آپ کسی بزرگ کے باقاعدہ اور بیعت شدہ مرید نہ تھے البتہ اپنے زمانہ کے تمام اہل اللہ بزرگوں سے اعتقاد تھا اور ان کی صحبت اور برکت سے فیضیاب بھی ہوئے تھے۔ خواجہ حافظ کے کلام سے بھی اس مسئلہ پر تھوڑی سی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (دیکھو شعر الف م۹ د)

حافظ مرید جام جم است اے صبا برو	وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

اس شعر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوئے۔ اگرچہ اس شعر کی آپ بالعکس تاویل بھی فرماسکتے ہیں۔

خواجہ حافظ کی ایک غزل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہے۔ اسکا مقطع یہ ہے۔ (دیکھو ت ب)

حافظ از معتقدانست گرامی دارش	زانکہ بخشایش بس روح مکرم با اوست

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو براہ راست اور بلا واسطہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت تھی۔ اور بہت بزرگ بھی ایسے ہوئے ہیں جن کو حضرت رسول کریمؐ کے روح سے براہ راست فیض پہنچا ہے

تاہم بعض مورخوں کا خیال ہے۔ کہ خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ چنانچہ دیکھو غزل ۰۰ ردیف ت اور غزل ۱۸ ردیف ت

یورپ کے لوگ اگرچہ علم دوست اور عالم ہیں۔ اور تمام دنیا کی تالیفات و تصنیفات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ نایاب کتابوں کے ذخائر بہم پہنچانے کے بہت شائق ہیں۔ اور ممالک غیر کے علم ادب اور دیگر علوم و فنون کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ تاہم یہ ظاہر ہے۔ کہ ایشیائی شاعری اور خصوصاً فارسی شاعری کے لطائف و حقائق کو وہ کما حقہ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی اپنی شاعری محض وقائع نگاری ہے۔ اور مطالع قدرت کا نتیجہ ہے۔ بحر و وزن جتنا کہ ان کی شاعری میں ہے۔ سب ہے۔ اور شاعرانہ تخیلات حسن ادا نزاکت اور لطافت وغیرہ لوازمات جتنے نثر و نظم کی تمیز کے لیئے ضروری ہیں۔ موجود ہیں۔ لیکن جو بلند پروازیاں۔ نازک خیالیاں۔ استعارے۔ تشبیہیں۔ مبالغے۔ صنائع لفظی و معنوی۔ مضامین عاشقانہ۔ گلگشت مستانہ۔ گلبانگ رندانہ۔ لطافتیں۔ بندشیں اور وزن و بحر و ردیف و قافیہ کی پابندیاں فارسی شاعری میں ہیں۔ ان کا خواب و خیال بھی اہل یورپ کو نہیں۔ چونکہ ان کی اپنی شاعری میں یہ چیزیں ایشیائی شاعری کے مقابلہ میں بالکل کم بلکہ معدوم ہیں اسلیئے ان کے لیئے ان

باتوں کا سمجھنا ناممکن ہے۔ ایک چیز کے زبان پر رکھنے۔ کے بغیر اور اس کا ذائقہ زبان سے محسوس کرنے کے سوا اگر اس چیز کی شیرینی اور تلخی وغیرہ پر آپ کے سامنے ایک مبسوط لکچر دیا جائے بلکہ اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جائے۔ تو بھی آپ اس چیز کے ذائقہ سے ویسے ہی ناآشنا رہیں گے۔ جیسے پہلے تھے مثلاً ایک فرشتے کو یہ ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا کہ سیب اور پیاز کی ذائقہ میں کیا فرق ہے کیونکہ یہ ذائقہ محسوس کرنے والی اسکی زبان ہی موجود نہیں۔ ایک قریب تر مثال لیجئے۔ آپنے تمام عمر شراب نہیں پی۔ اگر ایک شراب پینے والا شراب کے ذائقے کے بیان میں دن بھر آپ کی سمع خراشی کرتا رہے۔ آپ کو ہرگز یہ معلوم نہیں ہوگا کہ شراب کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے۔ سنتے ہیں کہ تلخ ہوتا ہے۔ مگر تلخی تلخی میں فرق ہے۔

اسی طرح اہل یورپ کی اپنی زبان چونکہ ان لوازمات سے جو فارسی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔ خالی ہے۔ اس لئے ان کو شعرائے فارس کی کلام کے مطالعہ سے شاعر کے خیالات کی نزاکت وسعت۔ خوبی اور حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے۔ کہ بعض مصنفان یورپ نے خواجہ حافظ جیسے بزرگ کو شراب خوار اور رند لکھا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو "لوز کیرکٹر" کا بتایا ہے۔ اس عقل و دانش پر "بباید گریست"۔

مسلمان مورخ اور تذکرہ نویس خواجہ صاحب کو ولی اللہ کہتے ہیں اور فی الحقیقت وہ اہل اللہ بزرگ تھے۔

اہل یورپ نے اپنی رائے کو واقعات یا تواریخ پر مبنی نہیں کیا بلکہ خواجہ حافظ کے کلام سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ انکو معلوم نہیں کہ شاعرانہ کلام میں زلف، عارض خط و خال، چشم و لب۔ دہاں و کمر اور ساقی و شراب لوازمات ہو گئے ہیں۔ خدا کی حمد میں رسول کریم ؐ کی ثنا و نعت میں۔ بزرگان دین کی مدح میں ہر جگہ وہ یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں اور یہی طرز ادا ہے۔ اس مضمون پر مفصل بحث کے لئے

شعر الف ۱/۱ کی تشریح دیکھو۔

بعض تذکروں میں خواجہ حافظ کے متعلق عجیب عجیب روائتیں نظر آتی ہیں اور عوام الناس اور جہلا میں تو ایسی ایسی کہانیاں خواجہ کے متعلق مشہور ہیں۔ جن کو عقل سلیم باور کرنے پر ہرگز تیار نہیں اس قسم کی روائتیں صرف خواجہ کے متعلق نہیں بلکہ اور تمام بزرگوں کے متعلق بنائی جاتی ہیں اور اکثر ایسا دیکھا گیا ہے۔ کہ ایک ہی روایت مختلف بزرگوں کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہانیاں بنانے والے تو ایک کہانی گھڑ دیتے ہیں۔ اور تذکرہ نویسوں کو جو کہانی یاد ہوئی جو سامنے آیا اسی کے حالات میں لگا دی۔ مختلف تذکروں میں دیکھو گے کہ ایک ہی روایت مختلف بزرگوں سے منسوب ہے۔

شاخ نبات خواجہ حافظ کے تذکروں میں ایک روائت شاخ نبات کے متعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شباب کے زمانے میں خواجہ صاحب شاخ نبات نامی ایک عورت پر عاشق تھے۔ اس کہانی کی تائید میں کوئی تاریخی واقعات تو کسی نے کبھی لکھے نہیں۔ صرف خواجہ کے کلام میں لفظ شاخ نبات چونکہ تین چار جگہ آیا ہے۔ اسی بنا پر یہ روایت بنالی۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ شاخ نبات جیسا کہ خواجہ کے اپنی کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کسی عورت کا نام نہیں بلکہ خواجہ نے اپنے قلم کو شاخ نبات کہا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں دیکھو شعر (ت ۳۲/۱۱)

حافظ چه طرفه شاخ نباتیست کلک تو		کش میوه دل پذیرتر از شهد و شکرست

ایک اور غزل میں فرماتے ہیں۔ دیکھو (د ۵۳/۸)

این همه قند و شکر کز سخنم مے ریزد		اجر صبریست کز آن شاخ نباتم دادند

ایک اور موقعہ پر بھی اپنے قلم کو شاخ نبات کہتے ہیں (دیکھو ن ۲۴/۴)

کلک حافظ شکرین شاخ نباتیست بچین		که درین باغ نه بینی ثمرے بهتر ازین۔

ان شعروں اور دیگر اشعار کی تشریح دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ شاخ نبات کوئی عورت نہیں۔ البتہ خواجہ کے کلام کے علاوہ اگر کوئی تاریخی واقعات

ایسے ہوتے۔ جن سے اس روایت کی تائید ہوتی۔ تو ہم اس روایت کی صحت پر اعتراض نہ کرتے۔ بلکہ انہی اشعار کو اس روایت کی تائید میں پیش کرتے۔ مگر یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ صرف اس قسم کے اشعار کی بنا پر ایسی روایتیں بنا لی جائیں

فرخ | خواجہ صاحب کے دیوان میں ایک غزل ردیف خ میں ہے اور اس ردیف میں صرف یہی ایک غزل ہے اس غزل میں لفظ **فرخ** ردیف ہے اور غزل میں کل نو ۹ شعر ہیں۔ غزل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لفظ فرخ بطور اسم علم استعمال ہوا ہے۔ اسی بنا پر حاشیہ نویسوں نے لکھا ہے۔ کہ " فرخ نام معشوق خواجہ حافظ است کہ گوشہ خاطر حافظ بظاہر متعلق با او بود "۔ تذکروں سے اس نام پر بھی کوئی واقعاتی روشنی نہیں پڑتی اور یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ فرخ کون تھا ممدوح تھا یا معشوق۔

عشق مجازی ۔ اگر ان روائیتوں کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو خواجہ کے تقدس اور اتقا پر ان روایات کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بقول سعدی درعنفوانِ جوانی چنانکہ افتد و **بدانی** آپ بھی جانتے ہیں کہ عشق مجازی کا بھی ایک مرحلہ انسانی زندگی میں ہوتا ہے اور بعض بزرگوں نے اس مرحلہ کو عشق حقیقی کی ابتدائی منازل میں ایک پل سے تشبیہ دی ہے۔ جس کو گذرنا ضروری ہے۔ عارف جامی فرماتے ہیں۔

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست — کہ آں بہر حقیقت کارسازیست
بلوح اول الف با تا نخوانی — ز قرآں درس کردن کے توانی
شنیدم شد مریدے پیش پیرے — کہ باشد در سلوکش دستگیرے
بگفت ار پا نہ شد در عشقت از جا — برو عاشق شو آنگہ پیش من آ
کہ بے جامِ مئے صورت کشیدن — نیاری جرعۂ معنے چشیدن
ولے باید کہ در صورت نمانی — وزیں پل زود خود را بگذرانی
چو خواہی رخت در منزل نہادن — نباید بر سر پل ایستادن

حقیقت و مجاز کے متعلق مزید معلومات کے لئے دیکھو شعر الف ۱ جسکی تشریح میں

ایشیائی شاعری اور عشق مجازی کے عنوان میں مجاز و حقیقت کی حقیقت قدرے تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

شراب خواجہ صاحب کا دیوان تمام تر شراب و ساقی کے مضامین سے پر ہے۔ اور یہ صرف خواجہ پر ہی موقوف نہیں۔ تمام فارسی شاعروں کی کلام کا یہی حال ہے۔ خواجہ صاحب کس شراب کے طالب تھے۔ خواجہ کی اپنی کلام سے معلوم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ دیکھو تشریح (الف ۱/۱) شعر (د ۴۴/۴) اور شعر (ی ۱۲/۴) وغیرہ وغیرہ۔

لطیفہ۔ لطیفہ کے طور پر ہم ان متعدد روائتوں میں سے جو خواجہ کے متعلق مشہور ہیں۔ ایک مشتے نمونہ از خروارے یہاں درج کرتے ہیں اور اس سے غرض یہ ہے۔ کہ آپ ہی انصاف فرمائیں کہ کیا اس قسم کی حکائتیں کبھی سچی ہو سکتی ہیں اور کیا ان باتوں کو کوئی سلیم طبع آدمی تصدیق کر سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب ایک مفتی زادہ پر جو شاہ شجاع (بادشاہِ وقت) کا معشوق تھا۔ عاشق ہو گئے۔ مفتی زادہ بھی آپ کے حال پر توجہ کیا کرتا تھا۔ ایک روز اتفاق سے محل شاہی کے پچھواڑے خواجہ اور مفتی زادہ مے نوشی کر رہے تھے اور اپنے زعم میں اس جگہ کو نہایت محفوظ اور خلوت کا مقام سمجھتے تھے۔ مگر شاہ شجاع جھروکے سے یہ تمام ماجرا دیکھ رہا تھا۔ جب خواجہ صاحب نے شراب شیراز کا پیالہ بھر کر مفتی زادہ کو دیا تو بادشاہ نے بلند آواز سے کہا۔

حافظ قرابہ کش شد و مفتی شراب نوش

خواجہ صاحب بھی بڑے حاضر جواب تھے۔ اس بلائے ناگہانی سے حواس باختہ نہ ہوئے۔ اور فوراً دوسرا مصرع تیار کر کے کہا۔

در عہد بادشاہِ خطا بخش و جرم پوش

شاہ شجاع اس حاضر جوابی پر خوش ہوا اور خواجہ صاحب کو معاف کر دیا۔

کلام

زبانی تا بہ رشس ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

خواجہ صاحب کی تمام عمر کا حاصل بس یہی ایک دیوان ہے۔ جو منظورِ خاص و عام ہے ان کی شاعری کا سرمایہ اس سے زیادہ نہیں۔ مگر اسی سرمایہ سے انہوں نے تمام دنیا کی قدردانی اور مقبولیت خرید لی ہے۔ خواجہ نے ستّر سال سے زیادہ عمر پائی مگر اس دیوان کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑ گئے اس کمال اور فضیلت کے اور لوگ اپنے پیچھے اتنی تصنیفیں چھوڑ گئے ہیں کہ کتابوں کے ناموں کی فہرستیں تیار ہوتی ہیں۔ اور بعض مصنف تو ایسے گذرے ہیں جن کی تصنیفات کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے۔ خواجہ کا ایک دیوان ہے۔ اور وہ بھی اتنا ضخیم نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کے سوا آپ کسی مشہور سے مشہور شاعر کا دیوان بھی اٹھائیں۔ ورق کے ورق دیکھتے جائیں۔ کہیں کہیں دو دو چار چار شعر ایسے ملیں گے۔ جن کو آپ اپنی بیاض میں جگہ دینے کو تیار ہونگے۔ باقی معمولی قسم کے شعر ہوں گے۔ جن کو آپ پڑھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ فرمائیں گے۔ اسکے برعکس خواجہ کے دیوان کو دیکھئے۔ جس شعر پر آپ نظر ڈالیں گے۔ نزاکت و لطافت۔ صنائع و بدائع اور حسن ادا کا ایک اعلیٰ نمونہ پائیں گے۔ اس سے اگلا پڑھو۔ وہ اس سے بہتر ہوگا۔ بسم اللہ سے تمت بالخیر تک ایک شعر بھی آپ کو ایسا نظر نہ آئے گا۔ جو دلفریب نہ ہو۔ دلکش نہ ہو۔ حفظ کرنے کو جی نہ چاہئے۔ مولانا آزاد نے خزانہ عامرہ میں لکھا ہے کہ "اکثر اشعار او تقریبی است۔ موالی لاری کہ یکے از تلامذہ علامہ دوالی ست۔ دیوان اورا بالتقریبات از بر داشت" اس سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کم از کم ایک شخص (موالی لاری) ایسا گذرا ہے۔ جو دیوان حافظ کا

حافظ تھا۔ ممکن ہے۔ کئی اور مثالیں بھی اس قسم کی ہوں اور ایسے شخص تو اب بھی موجود ہیں جن کو دیوان کا ایک معقول حصہ یاد ہے۔ اگر وہ اپنے حافظہ سے دیوان حافظ کے شعر لکھنے شروع کر دیں۔ تو غالباً کل دیوان کا پانچواں یا چھٹا حصہ تیار کر سکیں گے ہندوستان میں ہندو مسلمان خواجہ کی کلام کے قدردان ہیں اور خاص و عام میں انکے دیوان کو مقبولیت حاصل ہے۔ بزرگوں کی رائے دیکھئے کیا ہے۔ مولانا جامیؒ خواجہ حافظ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اشعار او لطیف و مطبوع است و بعضے قریب بہ سر حد اعجاز رسیده
و غزلیات وے نسبت بہ غزلیاتِ دیگران در سلامت و روانی حکم قصائد
ظہیر دارد نسبت بہ قصائد دیگران۔ سلیقۂ شعر وے نزدیک است
بسلیقۂ طرازی قہستانی و چون بر اشعار وے اثر تکلف ظاہر نیست وے
را لسان الغیب لقب کرده اند"

یعنے خواجہ کے شعر لطیف اور دلپسند ہیں۔ اور بعض شعروں میں تو فے الحقیقت اعجاز نظر آتا ہے۔ چونکہ خواجہ کی کلام میں تکلف اور آورد نظر نہیں آتا۔ اس لئے لوگوں نے خواجہ کو لسان الغیب کا لقب دیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایسے شعر کہنا ایک معجزہ ہے۔ جو امداد غیبی کے سوا نہیں ہو سکتا۔ (بہارستان)

"وے لسان الغیب و ترجمان اسرار است۔ لبا اسرار غیبیہ و معانی حقیقیہ
کہ در کسوت صورت ولباس مجاز باز نموده۔ ہر چند معلوم نیست کہ وے
دست ارادت پیرے گرفتہ و در تصوف بہ یکے ازاں طائفہ نسبت
درست کرده اما سخنانِ وے چناں بر مشرب ایں طائفہ واقعہ شده
است کہ ہیچ کس را آں اتفاق نیفتاده یکے از عزیزان سلسلہ
خواجگاں قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم فرموده است کہ ہیچ دیوان بہ از
دیوان حافظ نیست اگر مرد صوفی باشد و چوں اشعار وے ازاں مشہور تر
است کہ بایراد احتیاج داشتہ باشد لاجرم عنان قلم ازان معطوف میگردد" (نفحات الانس)

شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم فرماتے ہیں

خواجہ حافظ نے دیوان غزل کے سوا کچھ نہیں لکھا۔ برائے نام ہی یا دو قصیدے بھی کہے مگر غزل ایسی لکھ گئے کہ آج تک سب آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی نہ صنعتوں کی بناوٹ ہے۔ نہ استعاروں کی رنگ آرائی ہے۔ دل کی صفائی ہے زبان سے نکل آئی ہے۔ (سخندانِ فارس)

صائب تو خواجہ کے تتبع کو جو دعوے سے بھی خالی ہو۔ بے ادبی خیال کرتا ہے۔ کہتا ہے۔

رواست صائب اگر نیست از رہ دعویٰ	تتبعِ غزل خواجہ گرچہ بے ادبی ست

اور خواجہ کی غزلوں کی موجودگی میں غزل گوئی کو بھی بیوقوفی کہتا ہے۔

صائب چہ تواں کرد بہ تکلیف عزیزاں	ورنہ طرف خواجہ شدن بے بصری بود

تمام سخن شناسوں کی رائے ہے کہ حافظ کے کلام کا انتخاب نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ کہ کوئی شعر ایسا نہیں جسے نظر انداز کیا جا سکے۔ صائب کہتا ہے ع

چو شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد

سلیم شراب شیرازی اور ساقی شیراز کے متعلق کہتا ہے۔

سلیم معتقد نظم خواجہ حافظ باش	کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی

عرفی نے اپنی کلام میں تقریباً سب بڑے بڑے شاعروں کو اپنے مقابلہ میں ہیچ کہا ہے۔ خواجہ کے متعلق کہتا ہے۔

بر آں تتبع حافظ رواست چو عرفی	کہ دل بکار دہ در دِ سخنوری داند

ایک اور مقام پر کہتا ہے۔

اگر دم مرقد حافظ کہ کعبہ سخن است	در آمدیم بعزم طواف در پرواز

مولانا **آزاد بلگرامی** فرماتے ہیں۔

"درے از میخانہ عرفان کشادہ وصلائے ادرکاسگ و ناولہا دادہ۔
اشعار او وردِ مناجاتیان و زمزمہ خراباتیاں است"

میر حسین دوست سنبھلی مصنف تذکرہ حسینی لکھتا ہے۔

"حافظ شیراز سر حلقہ عارفان صاحب حال بودہ و در فصاحت عدیم المثال در علم قرأت نیز مہارت تمام داشتہ۔ دیوانش سراپا انتخاب است"

گویا میر حسین دوست بھی صائب کا ہم آواز ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ حافظ کا دیوان خود انتخاب ہے۔ اس کا انتخاب نہیں ہو سکتا۔

پروفیسر برمان ایتھی پی۔ ایچ۔ ڈی لکھتا ہے۔ کہ

"بے شک شیخ سعدی کی غزلوں میں نہایت بلند جذبات اور نہایت متقیانہ خیالات پائے جاتے ہیں اور مولانا جلال الدین رومی کی تصنیفات بھی ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ مگر غزل گوئی کو اوج کمال پر پہنچانا خواجہ حافظ کے حصہ میں آیا تھا۔ غزل گوئی میں کوئی شاعر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس صنف میں جو طرز اس نے اختیار کی اسکے بعد کی تمام غزل گو شاعروں نے اس کی پیروی کی ہے اسکے کلام میں تکلف نہیں ہے"

ناصر علی سرہندی بھی مے شیراز کے بغیر نہ رہ سکا۔ لکھتا ہے۔

علی مشب مے شیراز در جام و سبو دارد	الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

ایک اور غزل میں حافظ کے تتبع میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

علی در بحر حافظ دست و پائی میزند در شب	کجا دانند حال ما سبکباران ساحلہا

خواجہ حافظ کی کلام میں ایک خوبی ہے۔ جو اور کسی شاعر کی تصنیفات میں نہیں پائی جاتی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ جیسے بزرگ مولوی۔ مولانا جلال الدین رومی جیسے اہل اللہ شاعر اور مولانا جامی جیسے عارف کی کتابوں کو دیکھو تو ان کی کلام میں کسی نہ کسی جگہ کوئی ایسی بات نظر آ جائے گی جو آپ کو پایۂ تہذیب سے گری ہوئی نظر آئے گی چنانچہ حکیم سنائی یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔ کہ

ہزل من ہزل نیست تعلیم ست	بیت من بیت نیست اقلیم ست

ہمارا اس سے یہ مطلب نہیں کہ ان بزرگوں کو خدانخواستہ ان باتوں کا لحاظ نہ تھا۔ ضرورت کے لئے جو کچھ کہا ہے کہا ہے اور جائز کہا ہے۔ مگر خواجہ کی کلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھو کوئی ایسی بات جس پر تہذیب کی رو سے کوئی اعتراض وارد ہو سکے نہ دیکھو گے۔ خیالات اور الفاظ تمام پاک ہیں اور پاکیزگی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ چنانچہ یہاں تک کہا گیا ہے۔ کہ حافظ کی تمام کلام میں لفظ سگ بھی نہیں آیا۔

شیخ فیضی۔ اکبرآبادی نے یہ قطعہ دیوان حافظ کی نسبت لکھا ہے۔

منم فیض کہ در میدان معنی		چو من چابک سوارے تیز تک نیست	
بجلد شعر من از پوست تا مغز		ہجا سے مردم ناپاک رگ نیست	
بداں می ماند ایں پاکیزہ گفتار		کہ در دیوان حافظ نام سگ نیست	

شیخ محمد یحییٰ۔ الہ آبادی نے کتاب اعلام الانام میں کہا ہے۔ کہ شاید فیضی اکبرآبادی نے خواجہ حافظ کا یہ شعر نہیں دیکھا۔

شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ می بندی		چرا بگردن حافظ نمی نہی رسنے

اس پر مولانا آزاد بلگرامی فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں لفظ حافظ کی جگہ لفظ عاشق ہے۔ اور غزل کا مقطع یہ نہیں بلکہ اسطرح پر ہے۔

مزاج دہر تبہ شد دریں بلا حافظ		کجاست فکر حکیمے و رائے برہمنے

اور بعض نسخوں میں سگ والا شعر بالکل نہیں۔

مولانا آزاد کہتے ہیں۔ کہ لفظ سگ میرے عربی اور فارسی دیوان میں بھی نہیں۔ مگر باایں ہمہ یہ کوئی موجب افتخار نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں بھی تو کئی جگہ لفظ کلب (سگ۔ کتا) واقع ہوا ہے۔ اور اس سے قرآن کریم کی پاکیزگی میں نعوذ باللہ کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔

بے شک کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ مگر خواجہ کا کلام جہاں اور تمام لغویات اور ہزلیات سے خالی ہے۔ اگر اس میں لفظ سگ بھی نہیں آیا۔ تو موجب افتخار تو ضرور ہے

کلام کی اشاعت

ایران - ہندوستان - مصر - اور روم میں تو خواجہ کے کلام نے قدرتاً فروغ حاصل کرنا تھا - اہل یورپ کی قدردانی بھی ملاحظہ فرمایئے - خواجہ صاحب کے متعلق حسب ذیل مختلف کتابیں یورپ میں شائع ہوئیں اور یہ فہرست بھی مکمل ہونے کا دعوی نہیں کرسکتی -

(۱) دیوان حافظ کی ایڈیشن جو لیپزک سے نکلی - اس میں ۵۷۳ غزلیں ۴۲ قطعات - ۶۹ رباعیات - ۶ مثنویات - ایک مخمس اور ۲ قصائد ہیں - دوسری ایڈیشنوں میں کئی ترجیع بند بھی ہیں -

(۲) دیوان حافظ ترجمہ انگریزی از کلارک -

(۳) چند غزلیات کا منظوم ترجمہ از سر ولیم **جونز** - **ناٹ** - ہنڈلے **فیلکونر** - وغیرہ -

(۴) چند غزلیات کا نثر میں ترجمہ - از **بکنل**

(۵) بعض غزلوں کا ترجمہ لاطینی میں **ریوسکی**

(۶) ایک سو غزلوں کا نثر میں ترجمہ - مترجم کا نام معلوم نہیں - **ولیمز** اینڈ نارگیٹ نے شائع کیا -

(۷) ترجمہ دیوان حافظ از وان ہیمیر پرگشال جرمن میں -

(۸) دیوان حافظ کا ترجمہ انگریزی نثر میں ولیم ارسلی

(۹) منظوم ترجمہ دیوان حافظ از وال روز نزویگ - جس کے ساتھ فارسی دیوان بھی ہے - جرمن میں

(۱۰) ترجمہ از نسل مان

(۱۱) اسکے علاوہ اور کئی رسالے اور کتابیں یورپ میں شائع ہوئیں - جن

میں خواجہ کے دیوان کے ترجمے اور خواجہ کی کلام پر رائے ہے۔
لاطینی ۔ جرمن ۔ انگریزی ۔ فرانسیسی زبانوں میں خواجہ کے دیوان کے ترجمے ہوئے ۔ اور مقبول ہوئے ۔ تو ایران و ہندوستان میں جو عزت خواجہ کے کلام کو حاصل ہے ۔ اسکا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں ۔

دیوان میں الحاقی غزلیں اور قطعات وغیرہ

اکثر دیکھا جاتا ہے ۔ کہ وہی اشعار جو ایک دیوان میں درج ہیں وہی دوسرے شاعر کی کلام میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ اس کا ایک سبب تو اُن کاتبوں کی غلطی ہے ۔ جو بے پرواہی سے شاعروں کی کلیات لکھتے وقت ان کے کلام میں خلط ملط کر دیتے تھے ۔ یہ بھی ہوتا ہے ۔ کہ لاعلمی کی وجہ سے تذکرہ نویس ایک شاعر کی غزل یا قصیدہ کو دوسرے شاعر کے نام کے نیچے لکھ دیتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے ۔ کہ پھر وہی اشعار دو مختلف شاعروں کے کلیات میں لکھے جانے شروع ہو جاتے ہیں ۔

مثلاً قصائد انوری کے ایک قلمی نسخہ میں یہ قطعہ دیکھا گیا ۔

صفحہ را نقش میکردند نقاشان چین	بشنو این معنی کزین بہتر حدیثی نشنوی
اوستادی نیمہ را کرد ہمچوں آئینہ	اوستاد دیگر نیمہ را کرد نقش مانوی
تا ہر آں نقشی کہ حاصل شد اندر نیمہ	بینی اندر نیمۂ دیگر چو اندر ورکروی
ای برادر خویشتن را صفحہ دان ہم چنان	ہم بتیغی نیک عالی ہم بہ بنیاد قوی
بار اراین نیمہ بر نقش تو انی شدن	جہد کن باری کہ تا این نیمہ دیگر شوی

لیکن مولانا آزاد بلگرامی نے خزانہ عامرہ میں اس قطعہ کو ارزقی ہروی کا کہا ہے ۔

یہ مثال صرف مشتے نمونہ از خروارے ہے سینکڑوں اور ہزاروں اور

ایسی مثالیں موجود ہیں۔ کہ ایک ہی غزل یا قصیدہ ایک شاعر کی کلیات میں بھی موجود ہے اور دوسرے شاعر کی تصنیفات میں بھی۔

خواجہ صاحب کا دیوان بھی اس مشق ستم سے نہیں بچا۔ بعض غزلیں دیوان حافظ میں ایسی ہیں۔ جو دیوان سلمان میں بھی موجود ہیں۔ کاتبوں نے حافظ۔ خواجو اور سلمان کے دیوانوں میں بہت خلط ملط کیا ہے۔ ہندوستان کے چھپے ہوئے بعض دیوانوں میں تو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی غزلیں بھی موجود ہیں مثلاً غزل ذیل دیوان حافظ مطبوعہ نولکشور پریس میں بھی موجود ہے دیکھو غزل (۴۲) ردیف (م) اور کلیات سعدی مطبوعہ پریس مذکور میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ دیکھو کلیات سعدی۔ حصہ طیبات صفحہ (۷۸) دو شعروں کی کمی بیشی ہے

کلیات سعدی	دیوان حافظ
برخیز تا طریق تکلف رہا کنیم	برخیز تا طریق تکلف رہا کنیم
دکان معرفت بدو جو پر بہا کنیم	دکان معرفت بدو جو پر بہا کنیم
گر دیگر آں نگار قبا پوش بگزرد	بر دیگران نگار قبا پوشش بگذرد
مانیز جامہائے تصوف قبا کنیم	مانیز جامہائے صبوری قبا کنیم
ہفتاد زلت از نظر خلق در حجاب	ہفتاد زلت از نظر خلق در حجاب
بہتر زطاعتے کہ بروے وریا کنیم	بہتر زطاعتے کہ بروے ریا کنیم
ان کو بغیر سابقہ چندیں نواخت کرد	آن کو بغیر سابقہ چندیں نواخت کرد
ممکن بود کہ عفو کند گر خطا کنیم	ممکن بود کہ عفو کند گر خطا کنیم
....	گر یک شبے بدست من افتد نگار من
....	مشکل بود کہ دامنش از کف رہا کنیم
....	گفتم نگشت کام دلم حاصل از لبت
....	گفتا کہ صبر کن کہ مرادت روا کنیم

سعدی وفا نمے کند ایام سست مہر ایں پنج روزہ عمر بیا تا وفا کنیم۔		حافظ وفا نمے کند ایام سست عہد ایں پنج روزہ عمر بیا تا وفا کنیم۔	

شیخ سعدی کا مشہور شعر ہے۔

یا مکن با پیلبانان دوستی		یا بنا کن خانۂ درخورد پیل	

دوسرا نسخہ اس طرح ہے۔

یا مکن با پیلبانان دوستی		یا بنا کن خانہ بر بالائے پیل	

یہ شعر بھی دیوان حافظ مطبوعہ نول کشور پریس میں موجود ہے۔ دیکھو شعر (ل ۶/۹)

غزلوں میں بھی خلط ملط ہے۔ مگر تھوڑا۔ چند ایسی غزلیں ہیں۔ جو متنازع ہیں۔ دوسرے شعرا کے کلیات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور بعض شعر حافظ کی غزلوں میں دوسرے شاعروں کے ملا دے گئے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ الحاق ان قصیدوں۔ رباعیوں۔ ترجیع بندوں۔ قطعوں اور مخمسوں میں ہے۔ جو دیوان غزلیات کے خاتمہ پر مطبوعہ دیوانوں میں دیکھی جاتی ہیں۔ پر اسنے قلمی نسخوں میں یہ قطعات وغیرہ یا تو بالکل نہیں۔ یا کہیں کسی نسخہ میں ایک دو نظر آتے ہیں۔ مگر حال کے مطبوعہ دیوانوں میں تو ۵۰ صفحہ کے قریب۔ ترکیب بند۔ ساقی نامے۔ مثنویاں۔ ترجیع بند۔ قطعات۔ رباعیات اور قصائد پائے جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ متفرقات تمام یا قریباً تمام دوسروں شاعروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ غلطی سے اور بعض دفعہ عمداً خاص وجوہات سے یہ الحاق کیا گیا ہے۔ اور بعض جگہ دیکھا گیا ہے۔ کہ قطعات وغیرہ مختلف نسخوں میں مختلف ہیں اور لیبا اوقات ایک ہی قطعہ دو مختلف نسخوں میں دو مختلف صورتوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اور صاف نظر آتا ہے۔ کہ جس طرح کسی نے چاہا لکھ دیا۔ گو یا قطعہ نویسی کی مشق کی ہے۔

مثلاً قطعہ ذیل جو شاہ ابو اسحاق اور اسکے عہد کے امرا کی شان میں لکھا

ہوا ہے۔ اس کے دو مختلف نسخے ملاحظہ فرمائیے۔

شعر العجم مولانا شبلی نعمانی	دیوان حافظ مطبوعہ نولکشور پریس
بہ عہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق	بہ عہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق
بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد	بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد
نخست بادشہے ہمچو او ولایت بخش	نخست بادشہے ہمچو او ولات بخش۔
کہ گوئے فضل ربود او بفضل و بخشش و داد	کہ جان خویش بپرورد و داد عیش بداد
دوم بقیہ ابدال شیخ امین الدین	دگر مربی اسلام شیخ مجد الدین
کہ بود داخل اقطاب و مجمع اوتاد	کہ قاضے بہ ازاں آسماں ندارد یاد
سوم چو قاضی عادل اصیل ملت و دین	دگر شہنشہ دانش عضد کہ در تصنیف
کہ قاضے بہ از و آسمان ندارد یاد	زمین ہمت او کار ہائے بستہ کشاد
دگر چو قاضی فاضل عضد کہ در تصنیف	دگر بقیہ ابدال شیخ امین الدین
بنائے شرح مواقف بنام شاہ نہاد	بنائے کار مواقف بنام شاہ نہاد
دگر کریم چو حاجی قوام دریا دل	دگر قویم چو حاجی قوام دریا دل
کہ او بہ جود چو حاتم ہمی صلا درداد	کہ نام نیک ببرد از جہاں ز بخشش و داد
نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند	نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند
خدائے عز و جل جملہ را بیامرزاد	خدائے عز و جل جملہ را بیامرزاد

جہاں خواجہ صاحب کے دیوان میں دوسرے شعرا کی غزلیں پائی جاتی ہیں۔ وہاں یہ امر بھی قابل افسوس ہے۔ کہ بعض غزلیں جو ان کی تصنیف شدہ ہیں۔ بعض نسخوں میں نظر نہیں آتیں۔ مثلاً غزل ذیل دیوان مطبوعہ لکھنؤ میں نہیں پائی جاتی۔ اور کئی دیگر مطابع کے نسخوں میں بھی نہیں۔

(۱)	آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند	آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند
(۲)	در دم نہفتہ بہ ز طبیباں مدعی	باشد کہ از خزانہ غیبم دوا کنند

(۳)	معشوق چوں نقاب زرخ در نمی کشد	ہر کس حکایتی بہ تصور چرا کنند	
(۴)	چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدی ست	آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنند	
(۵)	مے خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب	بہتر ز طاعتی کہ بروی و ریا کنند	
(۶)	حافظ دوام وصل میسر نمے شود	شاہان کم التفات بحال گدا کنند	

صاحب مطلع العلوم نے بھی یہ غزل خواجہ حافظ شیرازی کی بتائی ہے۔ مصنف حیات حافظ نے بھی جہاں خواجہ صاحب کے مختلف اشعار بطور نمونہ دئے ہیں۔ وہاں اس غزل کا مطلع بھی لکھا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ غزل خواجہ حافظ کی ہے

البتہ اس غزل میں ایک شعر مشتبہ نظر آتا ہے۔ جو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ کلیات سعدی میں بھی موجود ہے۔

کلیات سعدی	دیوان حافظ
ہفتاد ذلت از نظر خلق در حجاب بہتر ز طاعتے کہ بروے دریا کنیم	مے خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب بہتر ز طاعتے کہ بروی وریا کنند

یہی شعر دیوان حافظ ردیف م غزل (۴) میں بھی لکھا ہوا ہے۔ دیکھو م ۴۴

ہفتاد زلت از نظر خلق در حجاب	بہتر ز طاعتے کہ بروی وریا کنیم

اسکے علاوہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ عمر خیام کی بعض رباعیاں یہی دیوان حافظ میں درج کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم چند رباعیات جو دیوان حافظ اور رباعیات عمر خیام دونوں میں موجود ہیں۔ یہاں لکھتے ہیں۔

دیوان حافظ	رباعیات عمر خیام
گویند کہ فردوس بریں خواہد بود	گویند بہ بہشت حور عین خواہد بود
فرواے ناب و حورعین خواہد بود	وآنجا مے ناب و انگبیں خواہد بود
گر ما مے و معشوقہ گزیدیم چہ باک	گر ما مے و معشوق پرستیم رواست
چوں عاقبت کار چنیں خواہد بود	چوں عاقبت کار ہمیں خواہد بود
ایام شباب است شراب اولیٰ تر	با یار خوشم جام شراب اولیٰ تر
بر غمزدہ مست و خراب اولیٰ تر	در دیدہ غمش دیدہ پر آب اولیٰ تر
عالم ہمہ سر بسر خراب ست خراب	چوں عالم دوں وفا نخواہد کردن
در جائے خراب ہم خراب اولیٰ تر	در عالم دوں مست و خراب اولیٰ تر
مے نوش کہ عمر جاودانی ایں است	مے نوش کہ عمر جاودانی ایں است
خاصیت روزگار فانی ایں است	خود خاصیت از دور جوانی ایں است
ہنگام گل و لالہ و یاراں سرمست	ہنگام گل است و مل و یاراں سرمست
خوش باش دمے کہ زندگانی ایں است	خوش باش دمے کہ زندگانی ایں است
با مے بکنار جوئے مے باید بود	با مے بکنار جوئے مے باید بود
وز غصہ کنارہ جوئے باید بود	از غصہ کنارہ جوئے مے باید بود
چوں عمر گرانمایہ مادہ روز ست	ایں نزہت عمر ما چو گل دہ روز است
خنداں لب و تازہ روئے باید بود	خنداں لب و تازہ روئے مے باید بود
اے دوست دل از جفائے دشمن درکش	با روئے نکو شراب روشن درکش
با روئے نکو شراب روشن درکش	با دوست دل از جفائے دشمن درکش
با روئے نکو گوئے گریباں بکشائے	با سادہ رخے نشیں و بگذر از خویش
وز نا اہلاں تمام دامن درکش	پیراہن کبر و ہستی از تن درکش

آں بہ کہ زجام بادہ دل شاد کنیم
وزآرزوے گذشتہ کم یاد کنیم
ویں عاریتے رواں زندانِ ما
یک لحظہ زبند عقل آزاد کنیم

آن بہ کہ زجام بادۂ دل شاد کنیم
وز نامدہ وگذشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتے رواق زندانی را
یک لحظہ زبند عقل ازاد کنیم

آن باز طرب نگار در دستم نہ
آن ساغر چوں نگار در دستم نہ
آن زلف چو زنجیر کہ پیچد بر خود
دیوانہ شدم بیار و در دستم نہ

آن بادۂ خوشگوار بر دستم نہ
وآں ساغر چوں نگار بر دستم نہ
وآں سے کہ چو زنجیر بہ پیچد برخود
دیوانہ شدم بیار بر دستم نہ

خواجہ حافظ اور شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخواں حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ خواجہ کا سرمایہ ناز غزل ہی غزل ہے اس میں شک نہیں کہ سعدی علیہ الرحمۃ کی غزل گوئی نے ایرانی شاعری میں ایک نیا دور پیدا کر دیا تھا۔ اور فی الحقیقت وہ فارسی غزل کے پیغمبر کہلانے کے مستحق ہیں۔

در شعر سہ کس پیمبر انند
ابیات و قصیدہ و غزل را

ہر چند کہ لا نبی بعدی
فردوسی و انوری و سعدی

مگر تمام دنیا کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ غزل گوئی میں جو کمال خواجہ حافظ کو نصیب ہوا ہے۔ وہ اور کسی اور استاد کو نہیں ہوا۔ سعدی کی غزل میں اُن کے باقی کلام کی طرح واعظانہ اور مولویانہ پہلو بھی موجود ہے۔ خواجہ کی غزل محض عاشقانہ

ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شیخ صاحب کی غزلیں انکے باقی کلام کے مقابلہ میں اتنی مقبول نہ ہوئیں۔ اور منظور خاص و عام نہ ہوئیں۔ اور خواجہ صاحب کا دیوان اتنا مشہور ہوا۔ کہ غزلوں کا اور کوئی دیوان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ غزل کے لوازمات میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے۔ کہ عاشقانہ اور رندانہ ہو۔ اظہار حقیقت ہو یا بیان مجاز۔ مگر طرز ادا ضرور عاشقانہ ہو۔ ورنہ غزل کو قبول خاطر نصیب ہونا ممکن نہیں۔

ایک ہی خیال کو آپ ناصحانہ انداز میں بھی کہئے اور عاشقانہ طرز میں بھی ادا کیجئے۔ قدرتاً موخرالذکر طریقہ زیادہ موثر ہوگا۔ اور غزل کے لئے تو یہی ایک طریقہ ہے۔

شاعری اس فن لطیفہ کا نام ہے۔ جس سے الفاظ ایسے طریقہ میں استعمال کئے جائیں کہ جو جذبہ اور احساس شاعر کے دل میں ہو اس کا پورا نقشہ سننے والے کے سامنے آجائے۔ مصور جو کام مختلف رنگوں کے ذریعے کرتا ہے۔ شاعر وہی کام مختلف الفاظ سے نکالتا ہے۔ دونو ایک نقشہ تیار کرتے ہیں۔ جو دل کش اور نظر فریب ہو۔ مصور کی تصویر کا آنکھ سے اور شاعر کے نقشہ کا دل کی آنکھ سے تعلق ہے۔

سننے والے کے دل پر جتنا کسی شاعر کے کلام کا اثر زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی کلام مقبول ہوگا۔ شاعری صرف یہی نہیں ہے۔ کہ خیالات کو نظم میں ادا کر دیا جائے قافیہ اور ردیف کا خیال بھی ہو۔ اور بحر و وزن کی پابندی بھی۔ علم عروض کے پڑھ لینے اور اس پر عملدرآمد کرنے سے آدمی شاعر نہیں ہو سکتا۔ شاعری صرف فاعلاتن فاعلاتن فاعلن کا نام نہیں۔ چنانچہ علم عروض کے ماہر کے لئے شاعر ہونا ضروری نہیں شاعر کے لئے علم عروض پڑھنا ضروری نہیں۔

صنائع و بدائع پر بھی کچھ موقوف نہیں۔ اچھے اچھے شاعر ہوئے ہیں جن کا کلام اس قسم کے تمام تکلفوں سے خالی ہے۔ اور کئی ایسے صنائع و بدائع ...

استاد بھی ہیں۔ جن کو ہم شاعر نہیں کہہ سکتے۔

غرضیکہ شاعر کے لئے ردیف وقافیہ اور بحر ووزن کی پابندیاں صرف پابندیاں ہیں اور تشبیہ واستعارہ اور صنائع لفظی ومعنوی بھی صرف خط وخال کا کام دیتے ہیں اصلی نکتہ جو دلفریب ہوتا ہے۔ وہ ایک ہنر ہے۔ اور جس طرح معشوق کے حسن میں وہ چیز جو عاشق کے دل میں عشق پیدا کرتی ہے۔ بیان نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح شاعر کے کلام میں جو قوت دوسرے آدمی کے دل پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور اسکے دل میں ایک قسم کا جنون اور مستی پیدا کرتی ہے وہ حیطہ بیان سے باہر ہے۔

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق ازو خیزد	کہ نام آں نہ لب لعل وخط زنگاریست
جمال شخص نہ چشم است وزلف وعارض وخال	ہزار نکتہ دریں کاروبار دلداریست

خواجہ کے کلام میں یہ قوت بدرجہ کمال موجود ہے۔ کہ وہ اپنے جذبات تخیلات اور تصورات کو ایک ایسا روشن ودرخشندہ اور واضح جامہ پہناتے ہیں کہ تصویر کا ایک ایک خط وخال سامنے آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خواجہ سلطنت غزل کے بادشاہوں میں شہنشاہی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور سب سے خراج تحسین وصول کرتے ہیں۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بے شک شریعت غزل کے پیغمبر کہلانے کے مستحق ہیں۔ مگر صرف اس لحاظ سے کہ وہ پہلے ایرانی شاعر ہیں۔ جنہوں نے غزل کو ایک اچھے مرتبہ پر پہنچایا۔ وہ غزل کی نبوت کا دروازہ بند نہیں کر گئے تھے۔ ان کے بعد خواجہ صاحب نے غزل کو اوج کمال پر پہنچا دیا اور ان کی غزل شیخ کی غزل سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔ آج تک میدان غزل میں خواجہ سے کوئی شاعر گوئے سبقت نہیں لے گیا۔ مولانا جامی خواجہ کو لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کہتے ہیں۔ اور وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ ان کا کلام تکلف سے پاک ہے۔ گویا یہ آمد تائید آسمانی اور امداد غیبی کے سوا حاصل نہیں ہوسکتی۔

گلشن شیراز میں کئی بلبلوں نے یکے بعد دیگرے نغمہ سرائی کی مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ بلبل شیراز کہلانے کا خواجہ حافظ سے بڑھ کر اور کوئی شخص مستحق نہیں کیونکہ نغمہ ہائے بلبل صرف عاشقانہ ہوتے ہیں۔ اور حافظ کی غزل سرائی بھی صرف عاشقانہ تھی۔ اس کے علاوہ حافظ نے صرف غزل سرائی ہی کی۔ اور کسی طرف خیال تک نہیں کیا۔

یہ تصویر کا ایک پہلو تھا۔ دوسرا بھی دیکھنا چاہئے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی غزلوں نے خواجہ کو ایک ذخیرہ کا کام دیا۔ چنانچہ دیوان کی شرح میں آپ دیکھیں گے۔ کہ خواجہ نے شیخ کی غزلوں سے خیال لئے ہیں۔ اور ان کو اپنی طرز خاص میں ادا کیا ہے۔ بعض جگہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواجہ نے شیخ کا شعر سامنے رکھ کر اپنا شعر لکھا ہے۔ اور کبھی تو شیخ کا پورا مصرعہ لے لیتے ہیں یا اس میں ذرا سا تغیر کر کے اپنے کلام میں شامل کر لیتے ہیں۔ مثلاً شیخ کی ایک غزل ہے۔ جسکا مطلع یہ ہے۔

مکن سرگشتہ آں دل راکہ دست آموزِ غم کردی
بزیر پائے ہجرانش لگدکوب ستم کردی

اسی غزل میں ایک شعر یہ ہے۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
سگم خواندی و خوشنودم جزاک اللہ کرم کردی

خواجہ نے شیخ کا مصرع لے کر دوسرا مصرع خود لگایا ہے۔ فرماتے ہیں

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

پہلا مصرعہ بعینہٖ وہی ہے۔ دوسرے میں جو ترمیم خواجہ نے کی ہے۔ وہ قابلِ داد ہے۔ شیخ کے شعر سے خواجہ کا شعر پاکیزہ تر ہے۔

شیخ کی ایک غزل ہے۔ جسکا مطلع یہ ہے۔

ترا سریست کہ با ما فرونمے آید
مرا دلے کہ صبوری ازو نمے آید

اس غزل میں ایک شعر ہے۔

جزایں قدر نتواں گفت در جمال تو عیب
کہ مہربانی ازاں طبع و خو نمے آید

خواجہ صاحب پہلا مصرع شیخ کا لے کر دوسرا خود لگاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

جز ایں قدر نتواں گفت در جمال تو عیب
کہ خال مہرو وفا نیست روئے زیبارا

دیکھیے شیخ نے حسن صورت کا ذکر کر کے نقص حسن سیرت میں جا نکالا اس لیے پہلے اور دوسرے مصرع میں سلسلہ خیال قائم نہ رہا۔ خواجہ نے مہرو وفا کو ایک خال بنا دیا اور دونو مصرعوں میں تعلق قائم رکھا۔ بات وہی کہی۔ مگر منہ پر کہی۔ شیخ نے اتنی جرات نہ کی۔ خواجہ صاحب نے اسی خیال کو ایک اور طرز میں بھی ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

بجز ایں نکتہ کہ حافظ ز تو ناخوشنود است
در سراپای وجودت ہنرے نیست کہ نیست

شیخ سعدی نے ایک غزل میں جسکا مطلع یہ ہے

برخیز تا طریق تکلف رہا کنیم
دکان معرفت بدو جو پر بہا کنیم

ایک شعر اس طرح کہا ہے کہ

ہفتاد زلت از نظر خلق در حجاب
بہتر ز طاعتے کہ بروی ریا کنیم

دیکھو خواجہ ذرا سی تبدیلی کے ساتھ یہ شعر اپنی غزل میں داخل کر لیتے ہیں۔

مے خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب
بہتر ز طاعتے کہ بروی ریا کنند

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

آئین وفا و مہربانی
در شہر شما مگر نباشد

اپنے ایک خیال کو خواجہ یہی لباس پہناتے ہیں۔

تیمار غریباں سبب ذکر جمیل است
جانا مگر ایں قاعدہ در شہر شما نیست

اور خواجہ کے اس خیال کا ماخذ بھی شیخ کا یہ شعر نظر آتا ہے۔

با غریباں لطف بے اندازہ کن
تا بماند نام نیکو در دیار

شیخ صاحب کی ایک غزل ہے۔ جسکا مطلع یہ ہے۔

مشتاقی و صبوری از حد گذشت مارا — گر تو شکیب داری طاقت نماند مارا

اس میں ایک شعر یہ ہے۔

یارب تو آشنا را مہلت دہ و سلامت — چندانکہ باز بیند دیدار آشنا را

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز — باشد کہ باز بینیم آن یار آشنا را

شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

با ہمہ مہر و با منش ہمہ کین است — چہ کنم خط بخت من این است

خواجہ صاحب نے بھی یہی خیال لیا ہے فرماتے ہیں۔

من از این طالع شوریدہ برنجم ورنہ — بہرہ مند از سر کویت دگرے نیست کہ نیست

شیخ صاحب آنسوؤں کا دریا بہاتے ہیں

کنار سعدی ازاں روز کز تو دور افتاد — ز آب دیدہ تو گوئی کہ رود جیحون است

اس پر خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

ازاں زمان کہ ز دستم برفت یار عزیز — کنار دیدہ من ہمچو رود جیحون است

حضرت امیر مینائی دونوں سے بڑھ گئے

ہوا دونوں آنکھوں سے یہ جوش اشک — کہ گنگا سے جمنا مقابل ہوئی

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر ہے۔

اے برادر ما بگرداب اندریم — وانکہ شنعت میزند بر ساحل است

خواجہ فرماتے ہیں۔

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل — کجا دانند حال ما سبکباران ساحلہا

شیخ صاحب نے صرف گرداب کا ذکر کیا۔ خواجہ نے گرداب کے ساتھ رات کی تاریکی اور موجوں کے خطرے کو بھی شامل کیا ہے۔ اور ہجوم مصائب کا ایک ایسا نقشہ کھینچا ہے۔ کہ صرف شعر پڑھنے سے دل کانپنے لگتا ہے۔

موسم بہار ہے اور صحرا و چمن رشک گلزار ۔ شیخ ایسے موسم میں صومعہ اور مدرسہ پر سیر باغ کو ترجیح دیتے ہیں ۔ اور مطالعہ کتاب سے مطالعہ قدرت کو زیادہ سبق آموز قرار دیتے ہیں اور صفتِ ربیع میں ایک لاجواب قصیدہ لکھتے ہیں ۔ پہلے دو شعر ملاحظہ فرمائیے ۔

بامداداں که تفاوت نکند لیل و نهار	خوش بود دامن صحرا و تماشای بهار
صوفی از صومعه گو خیمه بزن در گلزار	وقت آن نیست که در خانه نشینی بیکار

خواجہ صاحب اسی مضمون کو لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ وقت کشاف کا نہیں اٹھو صحرا کا رستہ لو۔

بخواه دفتر اشعار و راه صحرا کن	چه وقت مدرسه و بحث کشف کشاف است

اب شیخ صاحب اور خواجہ حافظ کے مختلف اشعار بالمقابل لکھے جاتے ہیں۔ دیکھئے ان دو باکمال شاعروں نے ایک ہی خیال کو کس طرح مختلف جامے پہنائے ہیں۔

سعدی	حافظ
مطربان رفتند و صوفی در سماع عشق را آغاز هست انجام نیست	چه ساز بود که بنواخت مطرب عشاق که رفت عمر و هنوزم دماغ پر ز صدا است
الست از ازل همچنان شان بگوش بآواز قالوا بلی در خروش	ندای عشق تو دوشم در اندرون دادند فضای سینه حافظ هنوز پر ز صدا است
ترسم تو به سحر غمزه یک روز دعوی نه کنی که معجزات ست	جمالت معجز حسن است لیکن حدیث غمزه ات سحر مبین است
دل گم کرده در این شهر نه من می جویم هیچکس نیست که مطلوب مرا جویان نیست	نه من دل شده از دست تو خونین جگرم از غم عشق تو پر خون جگر کیست که نیست

سعدی

بجوں سعدی اگر تشنہ ملالت باد
تو دیر زی کہ مرا عمر خود نے باید

من ہماں روز کہ روئے تو بدیدم گفتم
ہیچ شک نیست کہ از روئے چنیں ناز آید

آنکہ برگشت و جفا کرد و بہ ہیچم بفروخت
بہمہ عالمش از من نتوانند خرید

سعدیا لشکر خوبان بشکار دل ما
گو میائید کہ ما صید فلاں گردیدیم

شبے و جمعے و گویندۂ و زیباۓ
ندارم از ہمہ عالم جز این تمنائے

فریاد دوستاں ہمہ از دست دشمن است
فریاد سعدی از دل نامہربان دوست

اے قافلہ سالار چنیں تند چہ رانی
آہستہ کہ در کوہ دگر باز پسانند

گر کند میل بہ خوباں دل من خوردہ مگیر
کیں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

نظر با نیکواں رسمیست معہود
نہ ایں بدعت من آوردم بعالم

عہد کردیم کہ بے دوست بصحرا نرویم
بے تماشاگہ رویش بتماشا نرویم

بوستاں خانہ عیش است و چمن کوئی نشاط

حافظ

بیا کہ خون دل خویشتن بحل کردم
اگر بمذہب تو خوں عاشق است مباح

روز اول کہ سر زلف تو دیدم گفتم
کہ پریشانی ایں سلسلہ را آخر نیست

اگرچہ دوست بچیزے نمے خرد ما را
بعالمے نفروشیم موئے از سر دوست

حافظ مرید جام جم است اے صبا برو
وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

دو یار زیرک و از بادۂ کہن دو منے
فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے

من از بیگانگاں ہرگز ننالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من
پیادہ میروم و ہمرہاں سوار شدند۔

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

نبود رنگ دو عالم کہ نقش الفت بود
زمانہ طرح محبت نہ این زمان انداخت

بادہ و مطرب و گل جملہ مہیاست ولے
عیش بے دوست مہیا نشود یار کجاست

(نوٹ۔ دوسرے مصرع میں اگر بجائے

سعدی	حافظ
تا مہیا نہ شود عیشِ مہنا ز د یم	لفظ مہیا لفظ مہنا پڑھا جائے تو بہتر ہے
من ہماں روز کہ آن خال بدیدم گفتم بیم آنست بدیں دانہ کہ در دام افتم	من از آن حسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را
سخن ہا دارم از دستِ تو بر دل ولیکن در حضورت بے زبانم	گفتگو آئین درویشی نبود ورنہ با تو ماجراہا داشتیم (م ۶۱/۲)
برخیز تا یکسو نہیم این دلق ازرق فام را بر باد قلاشی دہیم این شرک تقوے نام را	ساغرے در کنم ہ نہ تا ز سر برکشم ایں دلق ازرق فام را
سعدی ملامت نشنود ور جاں دریں سر میرود صوفی گراں جانی بکن ساقی بیاور جام را	گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں ما نمے خواہیم ننگ و نام را

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی ایک غزل ہے۔ جسکا مطلع یہ ہے۔

اے کہ انکار کنی عالمِ درویشاں را	تو چہ دانی کہ چہ سودا و سر است ایشاں را

اس میں ایک شعر یہ ہے۔

گنجِ آزادگی و کنجِ قناعت ملکے ست	کہ بہ شمشیر میسر نہ شود سلطان را

یہ شعر بہت تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ دیوان حافظ میں بھی ہے۔

دیکھو الف ۱۲ ازبئی

ملک آزادگی و کنجِ قناعت گنجیست	کہ بشمشیر میسر نشود سلطاں را

غالباً یہ شعر بھی الحاقی ہے۔

یہ مثالیں صرف اسلئے دی گئی ہیں کہ ناظرین ان دو باکمال شاعروں کے چند شعر بالمقابل پڑھکر مقابلہ کرلیں سینکڑوں شعر دیوان حافظ میں موجود ہیں جن کے خیالات کا ماخذ شیخ صاحب کا کلام ہے۔ لسان الغیب میں

ہر ضروری اور مناسب مقام پر شیخ صاحب اور خواجہ حافظ کے اشعار مقابلہ پر لکھے گئے ہیں۔ وہاں ناظرین ہزاروں ایسی مثالیں موجود پائیں گے۔ جن سے معلوم ہوگا۔ کہ شیخ کے خیالات لے کر خواجہ نے انہیں ایک نیا جامہ پہنایا ہے۔ اور زمین سے آسمان تک پہنچایا ہے۔

اس کے علاوہ خواجہ صاحب نے خواجو اور سلمان کے شعروں پر بھی شعر کہے ہیں۔ اور ان کی غزلوں کے جواب میں غزلیں لکھی ہیں۔ اور بعض دفعہ ان کے خیالات لئے ہیں۔

لسان الغیب میں اپنے اپنے موقعہ پر ان تمام امور کا بوضاحت ذکر کیا گیا ہے۔ اور مثالیں دی گئی ہیں۔ یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

عربیّت

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ
بقرآنے کہ اندر سینہ داری

خواجہ صاحب ہمیشہ عربی دیوانوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اور عربی علم ادب میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ اسکے علاوہ قرآن شریف اور اسکی تفسیر آپ کا دن رات کا شغل تھا۔ حافظ قرآن بھی تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کو عربی زبان میں پوری مہارت تھی۔ ان کے دیوان کو دیکھئے کئی سو عربی اشعار ہیں۔ فارسی مصرع کے ساتھ عربی مصرع اس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ لگاتے ہیں۔ کہ سبحان اللہ! خصوصاً قرآن شریف کی آیات اور قرآنی الفاظ تو اکثر استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر بنظر غور دیکھا جائے تو ان کے فارسی شعر بھی آیات قرآنی کا ترجمہ ہوتے ہیں۔ قرآن اور حدیث کے مطالب پر تو ہزارہا شعر

دیوان میں موجود ہیں ۔ چنانچہ لسان الغیب میں آپ دیکھیں گے کہ جابجا قرآنی آیات موجود ہیں ۔ اور بعض جگہ حدیثیں بھی نظر آئینگی ۔ وجہ یہ ہے ۔ کہ خواجہ صاحب نے ہزاروں شعر نکات و معارفِ قرآنی پر لکھے ہیں ۔ اور بعض جگہ حدیثوں کے مضمون کی طرف بھی اشارہ ہے ۔ ہم نے ہر مناسب موقع پر وہ آیت یا حدیث جس کے مضمون کی طرف شعر میں اشارہ تھا ۔ درج کر دی ہے ۔

خواجہ صاحب کے عربی اشعار کے متعلق تمام بزرگوں کی یہ رائے ہے ۔ کہ وہ نہایت عمدہ ہیں ۔ زبان شستہ ہے ۔ الفاظ کی بندش اور ترکیب استادانہ ہے جس سے علم ادب عربی میں ان کی پوری مہارت ثابت ہوتی ہے ۔ خواجہ صاحب کے عربی اشعار یہاں نقل کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ۔ کیونکہ لسان الغیب اور حل لغات کی مکمل اور مفصل شرح ہوگی ۔ سب باتیں اپنے اپنے محل مناسب پر اس میں موجود ہوں گی ۔

دیوان کی پہلی غزل کا مقطع ہے ۔

حضوری گر ہمے خواہی از وغائب مشو حافظ	متی ماتلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

مولانا آزاد بلگرامی عربی مصرع پر ایک اعتراض کرتے ہیں وہ یہ ہے ۔ کہ "دع الدنیا جواب شرط ہے ۔ اور جملہ اسمیہ کی صورت میں جواب شرط کے ساتھ ف کا لانا ضروری ہے ۔ چونکہ رعایت وزن کے لئے فدع الدنیا نہیں پڑھ سکتے ۔ شعر کی اصلاح اس طرح ہو سکتی ہے ۔ ع

درع الدنیا متی ماتلق من تہوی واہملہا

اب جزا شرط پر مقدم ہوگئی اور اس حالت میں ف ضروری نہیں" مولانا آزاد کے اعتراض کا جواب بس یہی ہے کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" ضرورتِ شعری کے لئے ایسے موقع پر حذف فا جائز ہے ۔ مولوی محمد ہادی علی صاحب اس حذف کی ایک اور مثال بھی پیش کرتے ہیں ۔ مثلاً ع

من یفعل الحسنات اللہ یشکرہا

اور فرماتے ہیں کہ شرح کافیہ اور شرح الفیہ وغیرہ میں اِس حذف کی تصریح کی گئی ہے۔

مولانا آزاد نے صرف خواجہ کے مصرع کی اصلاح ہی نہیں کی بلکہ خواجہ صاحب کی غزل کے جواب میں غزل بھی لکھی ہے۔ وھو ہذا۔

سرت گردم چہ غم از عقدۂ زلف تو بر دلہا
کہ میدانم بعلم شانہ سازی حل مشکلہا

نباشد خانۂ رنگیں دنیا جائے آسائش
سبکرو حاں برنگ بوئی گل بستند محملہا

نہ من تنہا بلاگرداں آں شمع شب افروزم
چو فانوس خیالی گرد او کردند محفلہا

دریں مشہد تماشا مے کنم اثار رحمت را
کہ قاتل سبزہ بر داز تیغہا بر خاک بسملہا

الا از اد اجہا د عماد دنہا اعرض
دع الدنیا متی ما تلق من تہوی واھملہا

خواجہ صاحب کے معترض کی غزل دیکھکر خواجہ کی غزل کی قدر و منزلت اور بڑھ جاتی ہے۔ اسی عربی مصرع پر ایک اور صاحب فرماتے ہیں کہ اول ترک دنیا ہے اور بعد ازاں ملاقات محبوب مگر اس مصرع میں صورت بالعکس ہے۔ اس لئے عبارت اس طرح ہونی چاہیئے تھی۔ متے اردت ملاقات من تہوی۔ یعنی جب تو ملاقات محبوب کا ارادہ کرے۔ الخ۔

مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ مصرع کو اسطرح بگاڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (دیکھو شرح شعر ہذا)

خواجہ حافظ کے کلام کا اثر

آنچہ سعی است من اندر طلبت بنمودم
ایں قدر ہست کہ تغییر قضا نتواں کرد

خواجہ کی زندگی کے حالات آپ پڑھ چکے۔ تمام تذکرہ نویس اور مورخ ناگر

ہیں۔ کہ وہ تمام عمر ایک مدرسہ میں قرآن شریف اور تفسیر و فقہ کی تعلیم دیتے رہے۔ شب بیدار اور سحر خیز تھے۔ ہر جمعہ کی رات کو مسجد میں تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ فن قرات میں ان کو کمال تھا۔ تفسیر کشاف پر حاشیہ بھی لکھا۔ مدت تک ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ یہ دینداری کا حال ہے۔ دنیا داری میں بھی خواجہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ نہایت متمدن اور ہر دلعزیز شخص تھے امرائے وقت سے اُن کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے۔ دربار شاہی میں آنا جانا تھا۔ کسب معاش سے جی چرانے والے آدمیوں سے سخت نفرت تھی۔ نانِ حلال شیخ پر آب حرام کو ترجیح دیتے تھے۔ (دیکھو شعر الف ۱۴۴) اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھ گئے تھے۔ بلکہ ہاتھ پاؤں ہلا کر بسر اوقات کرتے تھے۔ اس لئے ان کی زندگی ایک نیک بخت مسلمان کی زندگی کا بہترین نمونہ ہے۔

باقی رہا ان کا کلام اور ان کے کلام کا اثر۔ اسکے متعلق اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ وہ غزل گو شاعر تھے۔ قومی نظمیں نہیں لکھتے تھے۔ اور اس وقت قومی نظمیں لکھنے کا رواج بھی نہ تھا۔ اور نہ قوم! قوم!! پکارنا ان دنوں میں کوئی قومی خدمت تھی۔ خواجہ صاحب کی زندگی میں شیراز میں چھ سات بادشاہ یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے کوئی مر گیا۔ کوئی مارا گیا۔ کوئی ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ کسی کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی غرضیکہ خواجہ صاحب نے اپنی آنکھوں سے شیراز میں اتنے انقلابات دیکھے کہ ان کے دل پر دنیا کی ناپائداری اور دولتِ دنیا کی بیوفائی کا بہت گہرا اثر ہوا۔ اُن کے کلام میں قدرتاً اس اثر کا اثر ہونا تھا اور ہوا۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ دنیا کو ناپائدار بتا کر ترکِ دنیا یا ترکِ عمل کی تعلیم دیتے تھے۔ اسکے علاوہ یہ امر بھی قابلِ غور ہے۔ کہ ان سے پہلے شاعر اور ان کے بعد کے بزرگ سب کے سب دنیا کے فانی اور ناپائدار ہونے پر شعر کہتے رہے۔ مثنویاں لکھتے رہے نثر و نظم میں یہی بات ہزارہا مختلف طرزوں میں بیان کرتے رہے۔ نہ صرف خواجہ نے ہی اپنی غزل میں یہ رونا نہیں رویا۔ سب لوگ یہی نوحہ خوانی کرتے رہے ہیں

کہ دنیا قابل اعتماد نہیں۔ صرف سایہ ہے۔ اور متاع غرور ہے۔ اسلامی تعلیم بھی یہی ہے۔ البتہ مادہ پرستی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اور دنیا پرست انسان کے سامنے دنیا کو دنیائے دوں کہنا اور عاشقِ دنیا کے سامنے دنیا کو غدار۔ ناہنجار فانی اور ناپائدار کہنا بے شک اسکی دل آزاری ہے

خواجہ صاحب جب خود تارک الدنیا اور تارک عمل نہ تھے۔ بلکہ خانقاہ پر مدرسہ کو ترجیح دیتے تھے۔ تو ممکن نہیں کہ ان کی تعلیم ان کے اعمال کے خلاف ہوتی وہ اپنے تمام اعمال کو تابع شریعت رکھتے تھے اور اسلامی اصول کے مطابق ع

بر توکل زانوئے اُشتر بہ بند

پر کاربند تھے۔ جد وجہد اور سعی کو وہ دستِ قدرت کے ماتحت سمجھتے تھے۔

البتہ یہ نہیں کیا کہ اپنی قوتِ بازو کو ہی اپنا خدا سمجھتے وہ انسانی ہاتھ کے اوپر بھی ایک ہاتھ پر ایمان رکھتے تھے۔ ان کے اپنے الفاظ میں ان کی تعلیم کا لب لباب یہ ہے

آنچہ سعی است من اندر طلبت بنمودم	این قدر ہست کہ تغییر قضا نتواں کرد

اور یہی تمام اسلامی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ کہ کوشش کرنا تمہارا فرض ہے اپنا فرض ادا کرو اور نتائج کے لیئے خدا پر بھروسہ کرو اس مسئلہ کے متعلق زیادہ وضاحت کے لئے دیکھو شعر الف ۲۵۔

اسی تعلیم کے متعلق خواجہ کے دیوان میں سینکڑوں اور شعر موجود ہیں جن کی شرح کرتے وقت ہم نے خواجہ کی تعلیم کا قرانی تعلیم کے مطابق ہونا ثابت کیا ہے یہاں صرف نمونہ کے لئے چند اشعار کا حوالہ دینا منظور ہے۔ ردیف (د) غزل (۲۰) کا مقطع ہے۔

مرو بخواب کہ حافظ بہ بارگاہ قبول	ز وردِ نیم شب و درس صبحگاہ رسید۔

یہاں خواجہ صاحب مخاطب کو خوابِ غفلت سے جگاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ وقت ضائع نہ کرو۔ عمر تھوڑی ہے۔ گزرا ہوا وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے جو وقت بھی ہاتھ آئے۔ اسے غنیمت جانو اور کچھ کر لو۔ چونکہ آپ شب بیدار اور سحر خیز تھے۔ اور دعائے سحر کے اثر سے واقف تھے اس لئے مخاطب کو وردِ نیم شب کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور اس کے فوائد بتاتے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ (دیکھو شعر ۴)

زہمت توشہ بردار و خود تخمے بکار آخر		چو باد از خرمن دوناں ربودن خوشۂ تا چند

کیا زریں اصول ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ غیروں کے خرمن کی خوشہ چینی کب تک کرو گے آخر مرد ہو ہاتھ پاؤں ہلاؤ۔ محنت کرو۔ تخم ریزی کرو۔ اور اپنا خرمن پیدا کرو۔ تاکہ لوگ آکر تمہاری خوشہ چینی کریں۔ صرف خدا پر بھروسہ کرو اور اپنی قوت بازو پر۔ اغیار کے دست نگو نہ بنو۔ ہمت کرو۔

اسی غزل میں فرماتے ہیں۔ (دیکھو شعر ۵)

بنوک کلکِ رنگ امیز نقشے مے نگار آخر		نگارستان چین دانم نخواہد شد سرائت لیک

خواجہ کی قلم کی سحر نگاری دیکھو اور ان کی تعلیم پر غور کرو۔ فرماتے ہیں کہ یہ مان لیا۔ تو اپنے مکان کو نگارستان چین نہ بنا سکے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو بالکل ناامید ہو کر بیٹھ جائے۔ کمر ہمت باندھ۔ مصروف کار ہو۔ ایک نقش ہی سہی۔ کچھ تو تو بنالے گا۔

یہ سبق نہایت حوصلہ بخش ہے۔ اکثر آدمیوں کا خیال ہوتا ہے۔ کہ چلو جانے دو۔ ہم کیا چیز ہیں۔ ہم سے کیا ہو سکتا ہے۔ ہماری بساط ہی کتنی ہے خواجہ اس بزدلی کو دور کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔ کہ تھوڑی ہی سہی۔ کچھ تو کرو ہمت نہ ہارو۔ قطرہ قطرہ بہم شود دریا۔ جہاں تک تمہاری طاقت میں ہے کوشش کرو۔ نگارستانِ مانی نہ سہی۔ ایک نقش ہی سہی۔

طالب کو امید دلاتے ہیں۔ کہ تو کوشش کئے جا۔ آخر کامیاب ہوگا توسعی میں قصور نہ کر۔ مدعا حاصل ہوگا۔ اسی پر فرماتے ہیں۔

عاقبت دست بر آں سرو بلندش برسد ۔۔ ہر کرا در طلبت ہمت او قاصر نیست

یعنی تو ہمت نہ ہار۔ جد و جہد کر۔ حتے الامکان راہ طلب میں قدم بڑھا ضرور گوہر مقصود تیرے ہاتھ آئے گا۔

خواجہ اپنے مقابلہ میں دوسروں کو عیش پرست بتاتے ہیں۔

دیگراں قرعۂ قسمت ہمہ بر عیش زدند ۔۔ دل غمدیدۂ ما بود کہ ہم بر غم زد

ایک اور شعر میں ہمت و استقلال کی ترغیب دیتے ہیں۔ ہر راحت کے لئے زحمت کشی ضروری بتاتے ہیں۔ محنت کو حصولِ مدعا کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔

مکن ز غصہ شکایت کہ در طریقِ ادب ۔۔ براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید

ساتھ ہی ایثارِ کامل کی تعلیم دیتے ہیں۔ عمر و مال کو قربان کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور راہِ طلب میں جان قربان کرنے کو کوئی بڑی بات خیال نہیں کرتے کوشش۔ سعی۔ جد و جہد۔ ریاضت و مجاہدہ۔ کے مدارج کا سب سے بلند درجہ ایثار ہے خواجہ اپنے کلام میں کئی جگہ ایثارِ کامل کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ ۔۔ کہ کارِ عشق ز ما ایں قدر نمے آید

خواجہ صاحب بار بار یہی فرماتے ہیں کہ حصول مراد کے لیے خدمت ضروری ہے۔ وصال کے لئے طلب ضروری ہے۔ کوشش کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہاں ایک مثال دے کر اپنے مضمون کو اور زیادہ واضح کرتے ہیں۔

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد ۔۔ کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند

عیش پسند ناز پروردہ اور بلائے محنت سے جان چرانے والا آدمی کبھی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

نازپرورد تنعم نبرد راہ بدوست ۔۔ عاشقی شیوۂ رنداں بلاکش باشد

خواجہ غزل لکھتے ہیں۔ غزل میں عاشقانہ رنگ ہونا ضروری ہے۔ اسی رنگ میں وہ تمام مسائل بیان کرتے۔ آیات قرانی کا ترجمہ بھی عاشقانہ انداز میں کرتے ہیں۔ غرضیکہ جو بات کہتے ہیں۔ اسی طرز میں کہتے ہیں۔ یہ کہنا منظور ہے۔ کہ طالب کو راہ طلب میں آرام و آسائش کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ مسافر کے لیئے عافیت اور عیش و عشرت سنگ راہ ہوتے ہیں۔ اس پر فرماتے ہیں

درمقامات طریقت ہر کجا کردیم سیر	عافیت را بانظر بازی فراق افتادہ بود

زیارت کعبہ کا شوق ہے اور بیابان عرب میں قدم رکھتا ہے۔ تو خار مغیلاں سے نہ ڈر تمام مصائب اور تکالیف کو استقلال سے برداشت کرتا ہوا طے مسافت کیئے جا۔ ورنہ حج ممکن نہیں۔

در بیاباں گر بہ شوق کعبہ خواہی زد قدم	سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

پائے طلب کے ساتھ دست دعا کی ضرورت بھی بیان کرتے ہیں اور تمام افعال و اعمال اور جد و جہد کو احکام قرانی کے ماتحت رکھنے کی تاکید کرتے ہیں اور دنیا کے تیرہ و تاریک راستے میں چراغ ہدائت الہٰی کو بھی نہایت ضروری خیال کرتے ہیں۔ صرف اپنی کوشش پر ہی اعتماد نہیں رکھتے اور یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

حافظا در کنج فقر و خلوت شبہائے تار	تا بود وردت دعا و درس قرآں غم مخور

اسی مضمون پر فرماتے ہیں۔

ز مشکلات طریقت عناں متاب اے دل	کہ مرد راہ نیندیشد از نشیب و فراز

یعنی اے دل راہ طلب میں ہزار ہا مشکلات کا سامنا ہوگا ہمت نہ ہار۔ مرد بن مسافر راستہ کے نشیب و فراز سے نہیں گھبرایا کرتے۔ پہاڑوں۔ وادیوں۔ دریاؤں۔ بیابانوں کو استقلال و ہمت سے عبور کرتا جا اور بڑھتا چل۔ مسافر کو آرام کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ سردی گرمی سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ اور منزل مقصود پر نظر رکھنی چاہیئے۔

مشکلات اور مصائب کو مردانہ برداشت کرنا چاہیئے۔ چہرہ پر ملال اور مایوسی کے نشاں نہیں ہونے چاہیئں۔ بلکہ دل خونین کے باوجود چہرہ کو بشاشس رکھ۔ تاکہ اغیار تجھے ملول دیکھکر یہ نہ کہیں کہ مرد ہوکر بزدلی دکھاتا ہے۔ اسس مضمون کو اپنے عاشقانہ انداز میں اسس طرح بیان کرتے ہیں۔

با دل خونین لب خندان بیاور ہمچو جام
نے گرت زخمے رسد آئی چو نے اندر خروش

خواجہ صاحب اغیار کو کہتے ہیں۔ کہ مجھے نہ ڈراؤ۔ میں عاشق ہوں سوز وساز میرا کام ہے۔ میں تکلیفیں برداشت کرونگا مصیبتیں جھیلوں گا۔ اور مردوں کی طرح مشکلات کا سامنا کرونگا۔ دریا میں قدم رکھا۔ تو موجوں کا کیا ڈر۔ شمع کا کام جلنا ہے۔ اسے آگ سے کیا ڈر۔ مجھے نہ ڈراؤ میں ہمت نہیں ہاروں گا

در عاشقی گریز نباشد ز سوز و ساز | استادہ ام چو شمع مترساں ز آتشم۔

خواجہ صاحب میں تعلیم قرآن کے مطابق حسب و نسب کو باعث فخر نہیں کہتے۔ ذاتی اکتساب کو ضروری سمجھتے ہیں۔ باپ دادا کے اعمال کام نہیں آتے۔ اپنے اعمال پر فیصلہ ہوگا۔ گوہر ذاتی کے بغیر تجھے گوہر مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ اسس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما | ور خود از گوہر جمشید و فریدوں باشی۔

اسی مضمون پر فرماتے ہیں۔

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بہ گزاف | مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

غزل ذیل کے قریباً تمام اشعار اسی مضمون پر ہیں۔ کہ انسان کو سعی لازم ہے۔

اے دل بکوئے عشق گذارے نمیکنی | اسباب جمع داری و کارے نمے کنی
چوگان کام در کف و گوئے نمیزنی | بازے چنیں بدست و شکارے نمے کنی
ایں خون کہ موج میزند اندر جگر چرا | در کار رنگ و بوئے نگارے نمے کنی

مشکیں ازاں نشد دمِ خلقت کہ چوں صبا — بر خاک کوئے دوست گزارے نمیکنی
گر دیگراں بجاں غمِ جاناں خریدہ اند — اے دل تو ایں معاملہ بارے نمے کنی
ترسم کزیں چمن نبری آستینِ گل — کز گلبنش تحمل خارے نمے کنی
در آستینِ کام تو صد نافہ مندرج — آں را فدائے طرۂ یارے نمے کنی
ساغر لطیف و دلکش و می افگنی بخاک — و اندیشہ از بلائے خمارے نمے کنی

حافظ برو کہ بندگی بارگاہِ دوست
گر جملہ مے کنند تو بارے نمے کنی

خواجہ صاحب کبھی عاشقانہ طرز میں کبھی ناصحانہ انداز میں کبھی مثالیں دے دے کر یہی مضمون جابجا اپنے کلام میں بیان کرتے ہیں۔ اور سعی و عمل کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک دہقان کی زبانی عام فہم الفاظ میں یہ نصیحت کرتے ہیں۔ کہ جب تک کوشش نہ کرو گے۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

دہقان سال خوردہ چہ خوش گفت با پسر — کے نورِ چشمِ من بجز از کشتہ ندروی

پھر وہی عاشقانہ پہلو اختیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

دکانِ عاشقی را بسیار مایہ باید — دلہا بہجو آتش چشمانِ رود بلدی

ایک اور مقام پر راہ طلب کے راہرو کے لئے سوز کی ضرورت بیان فرماتے ہیں۔ اور نازو تنعم کو اس راہ کا سنگ راہ بتاتے ہیں۔

اہل کام و ناز را در کوئے رنداں راہ نیست — رہروے باید جہاں سوز نہ خامے بے غمے

محنت سے جی چرانے والے آدمی کو بے نصیب کہتے ہیں اور مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ کہ بے ہنر غلام کو کوئی مالک نہیں خریدتا۔

بکوش خواجہ و از عشق بے نصیب مباش — کہ بندہ را نہ خرد کس بعیب بے ہنری۔

دیکھئے کتنی عالی ہمتی ہے۔ کیا بلند حوصلہ ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہاتھ پاؤں ہلاؤ۔ بال و پر کھولو۔ اوجِ کمال پر پہنچنے کا یہی زینہ ہے۔ تم اپنی

جان کو حقیر نہ سمجھو۔ اپنے دل کی وقعت کم نہ کرو۔ تم شجر طوبے کے پرندے ہو۔ اس قفس میں تمہارا کیا کام ہے۔ اسرار خودی کو سمجھنے کی کوشش کرو تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے۔ تمہارے پروں میں پرواز کی بڑی طاقت ہے۔ اس طاقت کو ضائع نہ کرو۔ تم کوئی حقیر چڑیا نہیں ہو شہباز ہو۔ عقاب ہو۔ اپنی حقیقت کو سمجھو۔

بال بکشا و صفیر از شجر طوبے زن		حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

دوسری قومیں روز افزوں ترقی کر رہی ہیں۔ تم سے کئی منزلیں آگے نکل گئی ہیں۔ تم ابھی خواب غفلت میں پڑے سوتے ہو۔ وقت گذر رہا ہے۔ پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ زمانہ تمہیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ اٹھو۔ بیابان پرپیش ہے۔ نیندیں جان و مال کا خطرہ ہے۔ کاروان چلا گیا ہے۔ تم اکیلے پیچھے رہ گئے ہو۔ اٹھو اگر ہمت باندھو اور منزل مقصود کا راستہ لو۔ اس مضمون کو ایک شعر میں اس طرح ادا فرماتے ہیں۔

	کاروان رفت و تو در خواب و بیابان درپیش		وہ کہ بس بیخبر از غلغل بانگ جرسی	

یعنے کارواں چلا گیا۔ تو سو رہا ہے۔ اور بیاباں سامنے ہے۔ واہ اکہ تو بانگ جرس کے شور و غل سے بھی بے خبر ہے۔

وقت کی قدر و منزلت بیان فرماتے ہیں۔

وقت را غنیمت دان آنقدر کی بتوانی		حاصل از حیات اے جاں یکدم ست تا دانی

اسی مضمون پر فرماتے ہیں۔ کہ اب وقت ہے۔ اور یہ وقت بہت قیمتی ہے پھر ہاتھ نہیں آئیگا۔ خدا نے اس وقت تجھے طاقت بخشی ہے۔ تیرا بازار گرم ہے خریدار بہت ہیں۔ خرید و فروخت کرلے سرمایہ اکٹھا کر اور منافع حاصل کر یہی وقت ہے۔ کچھ کرلے

	امروز کہ بازارت پرجوش خریدار است		دریاب بنہ گنجے از مایۂ نیکوی	

وہی مضمون ہے۔ جو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنی ناصحانہ طرز میں بیان

کیا ہے۔

ای کہ دستت [illegible] ۔۔۔ پیش ازان کز تو نیاید ہیچ کار

[illegible] مضمون یہ ہے۔

کچھ [illegible] ۔۔۔ کچھ کرلو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

جو شخص بغیر عمل کے [illegible] کا امیدوار ہو۔ اسکو خام طمع بتاتے ہیں [illegible] سعادت دارین کے لئے [illegible] عمل کی ضرورت پر فرماتے ہیں۔

حافظا خام طمع شرم ازین قصہ بدار ۔۔۔ عملت چیست کہ مزدش دو جہان میخواہی

خواجہ اپنے عاشقانہ انداز میں پھر وہی ذوق عمل ظاہر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

خیز و جہدے کن چو حافظ تا مگر ۔۔۔ خویشتن را در پائے معشوق افگنی

منازل طلب کی دشواریاں منزل مقصود کی امید میں برداشت کر۔ اور ہمراہان طریقت کے ساتھ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آ۔ اخلاق اور تمدن کا نہایت قیمتی اصول بیان کیا ہے۔

ملال از ہمرہان بودن طریق کاردانی نیست ۔۔۔ بکش دشواری منزل بہ یاد عہد آسانی

پھر وہی عاشقانہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

گر طمع داری ازان جام مرصع مئی لعل ۔۔۔ در و یاقوت بنوک مژہ ات باید سفت
تا ابد بوئے محبت بمشامش نرسد ۔۔۔ ہر کہ خاک در میخانہ برخسار نرفت

ہم نے یہاں صرف نمونہ کے لئے بعض اشعار یکجا دئے ہیں۔ ورنہ خواجہ صاحب کے کلام میں سینکڑوں اشعار اسی قبیل کے موجود ہیں جن پر لسان الغیب میں ہم اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ بحث کرینگے
بایں ہمہ اگر خواجہ صاحب کے کلام کے متعلق یہ کہا جائے۔ کہ اس میں ترک عمل کی تعلیم ہے۔ تو پھر لفظ عمل کے معنے وہ نہیں ہونگے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ معنے ہونگے جو ایک میراثی نے سمجھے تھے۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک روز ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے۔ اور اس بات پر زور دے رہے تھے۔ کہ قیامت کے روز حسب و نسب کام نہیں آئیگا۔ بلکہ "عملوں" (اعمال) پر حساب ہوگا۔ ایک میراثی بھی یہ وعظ سن رہا تھا۔ بہت خوش ہوا۔ اور کہا کہ مولوی صاحب! اگر "عملوں" پر فیصلہ ہے۔ تو ہمیں قیامت کا کچھ ڈر نہیں۔ کیونکہ ہم نے سارے عمل کئے ہیں۔ شراب۔ بھنگ۔ افیون۔ چرس۔ گانجا۔ چانڈو۔ حقہ۔ وغیرہ عملوں میں سے کوئی عمل نہیں چھوڑا۔ (نوٹ۔ پنجابی زبان میں عمل سے مراد استعمال منشیات ہے۔ اور عملی اس آدمی کو کہتے ہیں۔ جو ان چیزوں کا استعمال کرے)۔

ایک صاحب یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ جس ملک کے لوگوں کو حافظ کا یہ شعر یاد ہو۔ کہ

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش	رموز مصلحت ملک خسروان دانند

وہاں کے باشندے میدان پالٹکس میں کب قدم رکھ سکتے ہیں اور ملک کے نظم و نسق کی ذمہ واریاں کب برداشت کر سکتے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس قسم کے اعتراض کرنے والے لوگ خواجہ حافظ کے زمانے اور موجودہ وقت کے حالات میں جو عظیم الشان فرق ہے۔ اسکو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ خیال صرف خواجہ صاحب نے ہی ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس زمانے کے اور بزرگ بھی اسی خیال کے تھے۔ خواجہ صاحب نے تو پھر ایک شاعرانہ اور عاشقانہ پہلو سے یہ مضمون ادا کیا ہے۔ خواجہ صاحب کے زمانے کے مشہور و معروف بزرگ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اسی مضمون کو اس سے بھی زیادہ واضح اور تیز الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حکایت۔ وزرائے نوشیروان در مہمی از مصالح مملکت اندیشہ ہمی

کردند۔ و ہر یک ازایشاں دگرگونہ رائے ہمیزد۔ ملک ہمچناں تدبیرے اندیشہ کرد۔ بزرجمہر را رائے ملک اختیار آمد۔ وزیراں در نہانش گفتند۔ رائے ملک را چہ مزیت دیدی بر فکر چندیں حکیم۔ گفت بموجب آنکہ انجام کار معلوم نیست و رائے ہمگناں در مشیت است کہ صواب آید یا خطا۔ پس موافقت رائے ملک اولیٰتر است۔ تا اگر خلافِ صواب آید بعلت متابعت از معاتبت ایمن باشیم۔ گفتہ اند۔

خلاف رائے سلطاں رائے جستن	بخون خویش باید دست شستن
اگر شہ روز را گوید شب است ایں	بباید گفت اینک ماہ و پرویں

اب ناظرینِ انصاف کریں کہ کیا اس بنا پر خواجہ صاحب پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے۔

خواجہ صاحب اگر ریاکار اور ظاہر پرست خشک زاہدوں کی پردہ دری کرتے رہتے تھے۔ اور ان کے زہد خشک کے علاج کے لئے ہمیشہ مے عشق تجویز فرماتے تھے۔ اور ان کی ریاکاریوں کی وجہ سے ان پر ناراض رہتے تو محتسب اور مفتی کے شرب الیہود پر اعتراض کرتے تھے۔ اس پر ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں

مفتی اقلیم او مینا بدوش	محتسب ممنون پیر مے فروش

مگر حقیقت یہ ہے کہ آج خواجہ صاحب سے پانچ چھ سو سال بعد ہم بھی بلا مبالغہ اپنی اقلیم کے مفتی اور محتسب کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ

مفتی اقلیم ما مینا بدوش	محتسب ممنونِ پیر مے فروش

کیونکہ ریاکار مفتی اور محتسب ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر زمانے میں ان کے چھپ کر پینے اور باوجود پینے کے مفتی اور محتسب کے فرائض نہایت سختی سے بجا لانے پر لوگ ان سے ناراض رہتے ہیں

اور زہدِ خشک کے علاج کے لئے تو خود ڈاکٹر صاحب بھی نم صہبا تجویز فرماتے ہیں۔

زاہد شہر کہ ہی سوختہ طبعی میں مثال
خشک ہی اسکو غریق تم صہبا کر دیں

شاعرانہ خیالات پر فلسفیانہ اعتراض بےمعنی اور بے محل ہوتے ہیں۔ چنانچہ مثنوی اسرار خودی کے دیباچہ میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "مرزا بیدل علیہ الرحمۃ لذت سکون کے اسقدر دلدادہ ہیں۔ کہ انکو جنبش نگاہ تک گوارا نہیں۔

نزاکت ہاست در آغوش مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را"

ہم حیران ہیں کہ بیدل کے اس شعر سے سکون اور ترک عمل کی لذت کسطرح ثابت ہوتی ہے۔ یا ہم اس شعر کے معنے نہیں سمجھے یا ڈاکٹر صاحب کے اپنے مندرجہ ذیل شعر کے معنی کچھہ اور ہونگے

نظارہ کو تو جنبش مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے اسے دیکھا کرے کوئی

ان دونو شعروں سے ذوق مشاہدہ۔ لذت نظارہ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور بس۔

اس باب کے ختم کرنے سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کے کلام کا عوام الناس پر کیا اثر ہوسکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ **عالمگیر** بادشاہ نے حکم دیدیا تھا کہ لوگ دیوان حافظ نہ پڑھا کریں۔ حالانکہ جہاں پناہ خود دیوان حافظ کا ایک نسخہ ہمیشہ اپنے سرہانے کے نیچے رکھا کرتے تھے۔ عالمگیر کا یہ خیال تھا کہ کم فہم لوگ دیوان کے ظاہری معنے سمجھکر خراب نہ ہوں۔ اگر عالمگیر کا یہ خیال درست بھی تھا۔ تو اس سے حافظ کے کلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ علم ایک نیک بخت آدمی کے لئے مایۂ سعادت ہے۔ اور شریر النفس آدمی علم کا بے جا استعمال کرتے ہیں۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ علم ایک مضر چیز ہے اور اسلئے محکمہ تعلیم کو یک قلم منسوخ کر دینا چاہیئے۔ اسی طرح تلوار ایک بہادر سپاہی کے ہاتھ میں ملک گیری کا ایک آلہ ہے۔ اور حملہ آور دشمن کو شکست دینے کا ایک ذریعہ ہے۔ مگر ایک راہزن کے ہاتھ میں قتل و غارت کا اوزار ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ تلوار بری چیز ہے۔ اور اسلئے آئندہ کوئی تلوار نہ بنائی جائے اور موجودہ تلواریں تلف کر دی جائیں؛

دیوان حافظ اور فالیں

خواجہ صاحب کے کلام سے اکثر خوش اعتقاد لوگ فالیں بھی نکالتے ہیں۔ اور مولانا آزاد بلگرامی کا تو خیال ہے۔ کہ خواجہ کو لسان الغیب کا لقب بھی اسی واسطے دیا گیا۔ کہ ان کے دیوان سے فالیں صحیح نکلتی ہیں۔ مگر خواجہ صاحب کے لقب لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ مولانا جامی نے ان کو لسان الغیب اس وجہ سے کہا ہے۔ کہ ان کے کلام میں تکلف بالکل نہیں۔ اور یہ آمد سوائے تائید غیبی اور القا کے ممکن نہیں۔

خواجہ صاحب کی نماز جنازہ کے متعلق ایک واقعہ فال کا ہم پہلے درج کر چکے ہیں۔ غالباً وہی روایت خواجہ صاحب کے کلام سے فالیں نکالی جانے کی محرک ہو۔

فال نکالنے کا سب سے آسان طریقہ جو لوگوں میں مروج ہے۔ وہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر دیوان کو کھولا جائے۔ دائیں صفحہ کا ساتواں شعر سوال کا جواب ہوگا۔ مگر کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں ہے۔ فال نکالنے والا خود اپنے لئے کوئی طریقہ اختیار کرلے اور فال نکال لے۔ خواہ بائیں صفحہ سے فال نکالے خواہ دائیں صفحہ سے اور خواہ ساتویں شعر کو جواب سمجھے خواہ کسی اور معینہ شعر کو

تذکرہ حسینی میں بعض فالیں جو دیوان حافظ سے نکالی گئیں اور درست نکلیں۔ درج ہیں۔ انکا خلاصہ لکھا جاتا ہے۔

(۱) ایک شخص کا لڑکا گم ہوگیا تھا۔ مدت تک جستجو ہوتی رہی۔ دیوان سے فال نکالی۔ صفحہ پر پہلا شعر یہ تھا۔

فاش می گویم و از گفتۂ خود دلشادم	بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

حیران ہوگیا اور نہ سمجھ سکا کہ خواجہ کیا فرماتے ہیں۔ کچھ مدت کے بعد کسی شہر میں ایک فقیر کے تکیہ پر گیا اور بیٹے کو فقیرانہ لباس میں دیکھا۔ رو کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے

لڑکے نے جواب دیا کہ میں نے فرقۂ آزادان اختیار کرلیا ہے ۔ اور شاہ عشق اللہ کا مرید ہوگیا ہوں ۔ شاہ مذکور نے جب یہ ماجرا سنا کہ لڑکے کو باپ کے حوالے کر دیا اس وقت اسے خواجہ کی فال یاد آئی ۔ کہ خواجہ نے صاف کہ دیا تھا ۔ کہ وہ آزاد ہوگیا ہے اور عشق اللہ کا غلام ہوگیا ہے ۔

(۲) مولوی محمد رضائی سنبھلی کو اپنے ایک شاگرد بنیاد خاں سے بہت محبت تھی ۔ وہ بیمار ہوا ۔ مولوی صاحب نے غایت اضطرار میں دیوان حافظ کھولا ۔ ہر ورق یہ شعر دیکھا

ماچو دادیم دل و دیدہ بطوفانِ بلا ۔	گو بیا سیل غم و خانہ ز بنیاد بہ بر ۔

وہ دوسرے روز بنیاد خاں کی ہستی کا خانہ بُرد ہوگیا ۔

(۳) مولف تذکرہ حسینی کے ایک شاگرد مرزا بدیع خاں کی والدہ سخت بیمار تھی ۔ فال نکالی ۔ یہ شعر نکلا ۔

بر لب بحرِ فنا منتظرم اے ساقی	فرصتے داں کہ ز لب تا بدہاں ایں ہمہ نیست

نتیجہ ظاہر ۔

(۴) ایک شخص کا بھائی مدت سے قید تھا ۔ اور رہائی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی تھی مولف تذکرہ حسینی کے پاس آیا اور خواجہ کے دیوان سے فال نکالنے کی درخواست کی جب اس کی زبان سے فال کا لفظ نکلا ۔ مولف مذکور کو فوراً اس مصرعہ کا خیال آیا

ع ۔ کہ دم ہمتِ ما کرد ز بند آزادت

اسی روز اس شخص کا بھائی قید سے رہائی پا کر گھر آگیا ۔

کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کی مرقد کے پاس آپ کا دیوان پڑا ہے ۔ اور اہل زیارت اس سے فال نکالتے ہیں ۔

ہمایوں بادشاہ کی زندگی بھی چونکہ حادثات اور انقلابات کی زندگی تھی وہ بھی کبھی کبھی دیوان حافظ سے فالیں دیکھا کرتا تھا ۔ ایران کی فوج لے کر جب ہندوستان پر چڑھائی کی تو فال نکالی ۔ یہ شعر نکلا

عزیز مصر بر غمِ برادرانِ غیور	ز قعرِ چاہ بر آمد بہ اوج ماہ رسید

آخر کئی لڑائیوں کے بعد ہندوستان پر قابض ہوگیا

جہانگیر بھی دیوان حافظ سے فالیں نکالا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مہم بنگال کے موقعہ پر فال دیکھی۔ یہ شعر نکلا۔

خوردہام تیر فلک بادہ بدہ تا سرمست … دست در بند کمر ترکش جوز آفکنم

اس مہم میں جہانگیر کے دشمن **عثمان** کو پیشانی پر تیر لگا۔ اور مر گیا۔ اسکی فوج نے آخر کار ہتھیار ڈال دیئے۔ **صاحب سفینۃ الاولیا** لکھتا ہے "اکثر تفاولے کہ از دیوان حقیقت بیان ایشاں نمودہ میشود موافق مطلب بر آید۔ چنانچہ جہانگیر بادشاہ کہ در ایام شاہزادگی بسبب آزردگی والد خود جدا شدہ در الہ آباد میبودند و تردد داشتند در اینکہ بملازمت پدر عالیقدر بروند یا نہ دیوان حافظ را طلب نمودہ فال کشادند و این فال بر آمد

چرا نہ در پئے عزم دیار خود باشم … چرا نہ خاک رہ کوئے یار خود باشم
غم غریبی و غربت چو بر نمی تابم … بشہر خود روم و شہریار خود باشم
ز محرمان سراپردۂ وصال شوم … ز بندگان خداوندگار خود باشم
چو کار عمر نہ پیدا است بارے آن اولیٰ … کہ روز واقعہ پیش نگار خود باشم
بود کہ لطف ازل رہنموں شود حافظ … وگرنہ تا بہ ابد شرمسار خود باشم

بموجب این فال روانہ شدہ بملازمت ایشان مشرف گشتند۔ بعد از شش ماہ اکبر بادشاہ فوت گردید و ایشان بادشاہ شدند۔ این فقیر بدستخط جہانگیر دیدہ کہ در حاشیہ دیوان این مقدمہ را نوشتہ اند"

مولانا آزاد بلگرامی کہتے ہیں۔

مردان ز خاک ہم خبر آسماں دہند … فال کلام حافظ شیراز کن لحاظ

فالله خیر حافظاً

بسم الله الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

غزل (۱)

اَلَا یَا اَیُّهَا السَّاقِی اَدِرْ کَاْسًا وَّ نَاوِلْهَا	۱	که عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلها
ببوئی نافهٔ کاخر صبا زان طره بکشاید	۲	زتاب جعد مشکینش چه خون افتاد در دلها
بمی سجاده رنگین کن گرت پیر مغان گوید	۳	که سالک بیخبر نبود زراه و رسم منزلها
مرا در منزل جانان چه امن و عیش چون هردم	۴	جرس فریاد میدارد که بربندید محملها
شب تاریک و بیم موج و گرداب چنین حائل	۵	کجا دانند حال ما سبکساران ساحلها
همه کارم زخودکامی به بدنامی کشید آخر	۶	نهان کی ماند آن رازی کزو سازند محفلها
۷	حضوری گر همیخواهی ازو غایب مشو حافظ متی ما تلق من تهوی دع الدنیا و اهملها	۷

(۱) ترجمہ - ہاں اے ساقی دور ساغر جاری کر اور شراب پلا - کیونکہ عشق پہلے آسان نظر آیا مگر (بعدہ)

بہت مشکلیں پڑیں ۔

الا۔ بفتح ۔جان ۔ آگاہ ہو۔ ہوشیار ہو ۔ حرف تنبیہ ہے ۔ اور ایک فرہنگ میں ہے کہ بمعنے عرض بطریق الحاح ہے ۔ (لطائف اللغات)

ساقی ۔ شراب پلانے والا ۔ رسول کریمؐ کو ساقی کوثر کہتے ہیں ۔

عشق

| لغوی معنے | بالکسر ۔ کسی آدمی یا کسی چیز کے ساتھ بدرجہ کمال محبت کرنا اور بعض طبیبوں نے

لکھا ہے کہ عشق ایک بیماری ہے ۔ جو خوبصورت چیز کو دیکھنے سے لاحق ہوتی ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ عشق لفظ عشقہ سے لیا گیا اور عشقہ ایک بیل ہے جسے لبلاب بھی کہتے ہیں وہ جب کسی درخت پر چڑھتی ہے تو اس کو خشک کر دیتی ہے ۔ عشق کی بھی یہی صورت ہے ۔

ع جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا ۔ (غیاث اللغات)

عشق پیچاں ۔ اس کو عربی میں لبلاب کہتے ہیں ۔ عشقہ ۔ عصب و عصبہ بھی کہتے ہیں اور اسی بیل کا نام فارسی میں پوپچہ ہے ۔ میر شمس الدین فقیر کہتے ہیں ۔

شوخے کہ دامن میکشد از پیچ و تاب خاطرم	پیچیدہ در عشق کسے چون عشق پیچاں لشں کمر

اصطلاحی معنے اور لفظ عشق کا بے جا استعمال چونکہ فارسی شاعری میں حسن و عشق کا بہت سا حصہ ہے ۔ اس لئے ضروری ہے کہ لفظ عشق کے لغوی معنوں کے علاوہ بھی اس کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے ۔ عموماً عشق کو صرف حسن صورت سے متعلق کیا جاتا ہے ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عشق صرف حسن صورت بلکہ حسن سیرت سے مختص نہیں بلکہ کسی دلفریب اور روح افزا کیفیت سے پیدا ہو سکتا ہے ۔ اور کسی چیز کے ساتھ کسی سبب سے جو محبت بدرجہ غایت پہنچ جاتی ہے ۔ وہ عشق کہلاتی ہے ۔ ذی روح اور غیر ذی روح ہر دو سے عشق پیدا ہو سکتا ہے ۔ لفظ عشق کو عوام الناس میں جو ایک محدود اور مخصوص معنے دیئے گئے ہیں جسے وہ اپنے اصلی پایہ سے گرا دیا گیا ہے ۔ محض قومی تنزل کی وجہ سے ہے ۔

قومی تنزل کا الفاظ پر اثر قوموں کی تواریخ میں بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ کہ جوں جوں ایک قوم اوج اقبال سے قعر زوال میں گرتی جاتی ہے ۔ اس کی زبان اور اس کے

الفاظ بھی اپنی اصلی حالت سے گر کر کمین معنے اختیار کرتے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر لفظ مولوی اور ملا کو لیجئے۔ لفظ مولوی انگریزی کے مائی لارڈ کا ہم معنے ہے۔ اب مائی لارڈ ہائی کورٹ کے ججوں - ہاؤس آف لارڈز کے ممبروں اور جلیل تریں عہدہ داران سلطنت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ مولوی جو کسی زمانے میں ایک خاص عظمت رکھتا تھا۔ اس کے موجودہ استعمال سے آپ ناآشنا نہیں - اس سے بڑھ کر لفظ ملا ہے۔ جو مولوی سے بھی اپنی شان میں برتر ہے - اور کسی زمانہ میں مولانا حسین الواعظ الکاشفی مفسر۔ مولانا نورالدین ظہوری۔ مولانا جامی۔ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم۔ اور ابوالفضل جیسے جیّد اور متبحر علماء کے اسمائے گرامی کے ساتھ لفظ ملا استعمال کیا جاتا تھا۔ اب کسی شخص کو لفظ مُلا سے خطاب کرنا اس کی تحقیر ہے۔ اور لفظ مولانا سے جو لوگوں نے لفظ ملانڑاں اختراع کیا ہے۔ وہ اپنی آپ ہی تشریح ہے۔ اس طرح کے سینکڑوں اور ہزاروں لفظ ہیں۔ جو اپنے معانی کے پایہ سے گر چکے ہیں۔ لفظ عشق بھی اپنی مظلوموں میں سے ایک ہے اب اگر عام اصطلاح میں یہ کہا جائے۔ کہ فلاں اپنے بیٹے پر (یا اپنی بیٹی پر) عاشق ہے تو آپ کیا سمجھیں گے۔ مگر کیا مولانا حالی عشق کو مخاطب کرکے نہیں فرماتے! ع

یعقوبؑ سے بشر کو دی تو نے ناصبوری۔ اور کیا یہ ناصبوری یوسفؑ کے فراق میں نہ تھی! اسی طرح کیا عشق اشیاء میں سے ہر ایک شے کے ساتھ انسانوں میں ہر ایک انسان کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر خدا کے ساتھ نہیں ہوسکتا؟ ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے اس لئے ایشائی شاعری میں لفظ عشق کو بلاوجہ کوئی خاص حقیر معنے نہیں دینے چاہئیں۔ عشق کمال محبت کو کہتے ہیں اور محبت ایک نہایت پاکیزہ کیفیت ہے۔ جو دل کو نصیب ہوسکتی ہے۔ جس طرح کمال محبت سے عشق پیدا ہوتا ہے اسی طرح کمال عشق سے پرستش کا ظہور ہوتا ہے گویا **معبود** اس محبوب اور معشوق کو کہتے ہیں۔ جس کے ساتھ عشق بدرجہ کمال ہو۔ اس سے عشق مجازی اور عشق حقیقی میں جو جو کیفیتیں مشترک اور جو جو امور مابہ الامتیاز ہیں وہ امید ہے کہ واضح ہوگئے ہونگے۔ ان دونوں صورتوں میں دل کی وہ کیفیت جس کا نام عشق ہے۔ ایک ہی ہے۔ صرف

معشوق کی ماہیت میں فرق ہے۔

عشق مجازی آدمی اگر مجاز کی طرف مائل ہے۔ تو اس کا کچھ قصور نہیں۔ کیونکہ تقاضائے بشریت یہی ہے۔ انسان کو جس صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ جو لواحق ہیں۔ وہ مقتضی ہیں۔ کہ اس کی مجاز کی طرف میل ہو۔ وہ فرشتہ نہیں۔ انسان ہے۔ اس لیئے وہ حقیقت کو بھی لباس مجاز میں دیکھنا چاہتا ہے۔ شیخ محمد اقبال فرماتے ہیں

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزار سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

بت پرستی بت پرست جب پتھر کی ایک مورتی اپنے ہاتھ سے بنا کر تیار کرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ اپنی ہی کمال صنعت کو دیکھ کر اس پر عاشق نہیں ہوتا اور اپنی ہی بنائی ہوئی چیز میں وہ کسی ایسے حسن دلفریب پر شیدا نہیں ہوتا کہ اس کے آگے سر تسلیم جھکائے اور اس کے سامنے سربسجود ہو۔ وہ اسی حقیقت منتظر کو لباس مجاز پہناتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے معبود سے اتنا پیار کرتا ہے۔ کہ اس کی خواہش ہے۔ کہ وہ باوجود غیر مرئی ہونے کے اُسے نظر آئے۔ باوجود غیر محدود ہونے کے اس کے آگے محدود شکل میں پیش ہو۔ اس کی آنکھیں اسے دیکھنا چاہتی ہیں۔ اس کے ہاتھ اسے چھونا چاہتے ہیں۔ اس کے کان اس کی آواز سننا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے معشوق کو گلے لگانا چاہتا ہے۔ اس کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔

حکایت شبان و موسیٰ ؑ غرضیکہ وہ مثنوی مولانا روم کے اس سادہ لوح گڈریئے کی طرح ہے جو اپنے معبود کو کہتا ہے کہ

تو کجائی تا شوم من چاکرت
چارقت دوزم کنم شانہ سرت

جامہ ات دوزم سپیہاٹت کشم
شیر پیشت آورم اے محتشم۔

دستکت بوسم بمالم پائکت۔
وقت خواب آید بروبم جائکت۔

تو کجائی تا کہ خدمت ہا کنم
جامہ ات را دوزم و بخیہ زنم

اے خدائے من فدائت جانِ من
جملہ فرزندان و خان و مانِ من

گر بدانم خانہ تو من مدام ۔ شیر و روغن آرمت ہر صبح و شام
اے خدائے تو ہمہ بزہائے من ۔ وے بیادت ہی ہی وہیہائے من

حضرت موسےٰ ؑ اس گڈریئے سے پوچھتے ہیں کہ تو کس سے مخاطب کر رہا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ اس سے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس نے تمام زمین و آسمان کو پیدا کیا وہ شبان کی یہ بے ہودہ گفتگو سن کر سخت ناراض ہوتے ہیں۔ اور لبطریق زجر و تنبیہ

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سر شدی ۔ خود مسلمان ناشدی کافر شدی
این چہ ژاژ است این چہ کفر است و فشار ۔ پنبہ را اندر دہان خود فشار

یہ سنکر شبان سخت پشیمان ہوا اور چلا گیا۔ اسی پر شان جمالی جوش میں آئی اور

وحی آمد سوئے موسےٰ از خدا ۔ بندہ ما را ز ما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی؟ ۔ یا برائے فصل کردن آمدی!
موسیا آداب دانان دیگر اند ۔ سوختہ جان و روانان دیگر اند

انسان چونکہ ضعیف الخلقت ہے۔ ضعیف العقل ہے۔ اس لئے وہ اپنی نارسائی کی وجہ سے اگر حقیقت کاملہ کو مجاز میں تبدیل کرے۔ تو وہ معذور ہے۔

بام ہیلایا بلند اور نارسا بخشی کمند ۔ رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان اپنے پاس

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز ۔ کہ حقیقت کند برنگ مجاز
تا بدام آورد دل محمود ۔ بطرازد بشانہ زلف ایاز

تثلیث اسی بحث میں یہ امر بھی قابل بیان ہے۔ کہ مذہب عیسوی میں جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ خدا کہا گیا ہے۔ اس اعتقاد کی **بنیاد** میں بھی وہی انسانی ناقص العقلی ہے۔ رب العزت کی ذات و صفات کے متعلق یہ کہنا بجا ہے۔ کہ ع صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ ناقص العقل انسان کو اشارہ کر دیا ہے۔ جس کی توضیح و تشریح میں وہ سرگرداں رہتا ہے۔ انسان کا دل مانتا ہے کہ خدا ہے مگر اس کی ذات کا بہت تھوڑا علم ہے آدمی ایک ایسی کیفیت کو جو جسمانی زمانی۔ مکانی قیود

سے بالکل پاک ہو اور غیر محدود ہو۔ کماحقہ پہچاننے میں قاصر ہے اور ظاہر ہے کہ جس شے کی آدمی پوری طرح سے مہارت نہ رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ محبت۔ عشق اور پرستش بھی چنداں مزا نہیں دیتی۔ عیسائی قوم نے جو تعلیم و تہذیب سے اس وقت اتنا بہرہ اندوز نہیں ہوئی تھی۔ قدیم الایام کے سادہ لوح ہندوؤں کی طرح اپنی محبت و پرستش کے لئے اپنے سامنے ایک آدمی رکھ لیا۔ ظاہر ہے کہ جس قدر محبت ایک ہم جنس شے سے ہو سکتی ہے اتنی محبت اسی درجہ کی خوبصورت غیر جنس شے سے نہیں ہو سکتی۔ مثلاً تمام دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت گھوڑا انتخاب کر لو۔ اور تمام دنیا نہ سہی کسی خاص مقام کے سب سے زیادہ خوبصورت آدمی کو بھی سامنے لے آؤ۔ یقینی امر ہے کہ آپ کے دل پر انسانی خوبصورتی کا زیادہ اثر ہو گا۔ اسی اصول کے واضح کرنے کے لئے فلسفی ایک اور مثال پیش کیا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آپ اپنے سامنے ایک چھپا ہوا نہایت خوبصورت اور نہایت خوشخط کاغذ رکھیں۔ اس کے مقابلہ میں اسی کاتب کا ایک اور قلمی اور معمولی سیاہی سے لکھا ہوا کاغذ جو پتھر پر نہ چڑھا ہو۔ سامنے لائیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ آپ کی آنکھوں پر قلمی کتابت جو اثر کرے گی وہ دوسری مطبوعہ کتابت نہیں کر سکتی۔ آپ قلمی کاغذ کو زیادہ پسند کریں گے۔ وہ آپ کو زیادہ دلکش اور نظر فریب معلوم ہو گا۔ وجہ؟ صرف اتنی ہے کہ آپ کی آنکھیں۔ آپ کے ہاتھ قلمی کتابت سے زیادہ آشنا ہیں۔ اس کی قدر کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ بھی اس کے مقابلہ میں لکھ سکتے ہیں۔ اور دونوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر چھپے ہوئے کاغذ کی کتابت کی طرز کے آپ ناآشنا ہیں اسی آپ ایک عجب شے سمجھتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آپ ایک چیز تیار نہیں کر سکتے۔ جس سے اس کا مقابلہ کریں۔

حکمائے فرنگ بعض حکمائے فرنگ نے جب وہ ذات رب العلیٰ کی ماہیت سمجھنے سے قاصر رہے اور صرف اس کی چند صفات کو ہی معلوم کر سکے تو انہوں نے لفظ اللہ یا خدا کی جگہ ذات باری کا ایک نیا اور نعوذ باللہ مضحکہ خیز نام رکھا۔ یعنی انہوں نے خدا کا نام (X) رکھا۔ جس طرح علم الجبرا میں ایک غیر محدود اور نامعلوم مقدار

کا نام (xc) ہے۔ اسی طرح خداوند کریم کو بھی چونکہ وہ اتنا ہی سمجھتے تھے کہ وہ ایک نامعلوم غیر محدود طاقت ہے۔ اسی حسابی نام سے پکارنا شروع کیا۔ یہ تو حکماء کی حالت ہے۔ عوام کا کیا ذکر ہے۔ انہوں نے اسی سبب سے بت پرستی شروع کر دی۔ پیغمبروں کا خدا بنانا شروع کر دیا۔ آگ کو سجدہ کرنے لگے۔ آفتاب کی عبادت میں مشغول ہوتے۔

اسلام اسلام نے تمام دنیا کو جو حقیقت سے رفتہ رفتہ بہت دور جا رہی تھی۔ اور کفر و شرک کے گڑھے میں نیچے اور اور نیچے گر رہی تھی۔ از سر نو پھر حقیقت سے آشنا اور آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ انسان کی فطرتی کمزوریوں اس پر جہالت اور بے راہ رویوں نے اس کو حقیقت سے بالکل دور پھینک دیا۔ اور مذکورہ بالا عمل فطرت سے وہ اصل کو چھوڑ کر مجاز میں ایسے پھنسے کہ انہوں نے اصل کو تو بالکل فراموش کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ مجاز کو ہی حقیقت سمجھنے لگے۔ اس تاریکی کو دور کرنے کے لیئے چراغ احمدؐ روشن ہوا اور اس نے دنیا کو پھر حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔

پس جب تک آدمی حقیقت کو نظروں سے دور نہ ہونے دے۔ اسے بالکل فراموش نہ کر دے۔ اس کی ہستی سے بالکل بیگانہ نہ ہو جائے۔ مجاز میں مصروف ہونے میں وہ حق بجانب ہے۔ اہل حقیقت بھی ہو اور اہل مجاز بھی ہو۔ تو کچھ نقصان نہیں۔ مگر ضروری ہے کہ حقیقت کو صرف لباس مجاز ہی پہنائے۔ یہ نہ کرے کہ اس لباس مجاز کو ہی حقیقت سمجھ لے۔

کوائف بہشت و دوزخ قرآن کریم میں وعدہ و وعید بہشت و دوزخ کی جو کیفیتیں درج ہیں۔ اہل تصوف نے کہا ہے۔ کہ یہ صرف حقیقت کو لباس مجاز میں ادا کیا گیا۔ کیونکہ انسان کو سمجھانے کے لئے اور اس کو نیکی کی طرف ترغیب دینے اور برائی سے ڈرانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اسی قسم کی سزا جزا کا ذکر ہوتا۔ ضعیف العقل انسان کو اگر صرف روحانی جزا و سزا بتائے جاتے تو وہ اسقدر موثر نہ ہوتا۔ مرزا غالب فرماتے ہیں۔

	ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن		دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے	

عرفی ایک نعتیہ قصیدہ میں کہتا ہے۔

شاہا بعطائت کہ ازاں کام کہ دانی	نومید مہل عرفی محروم و دژم را
ازباغ نعیمش مدہ انعام ومیامیز	بامطلب اور مطلب اصحاب شکم را
آسائش ہمسائگی حق زتو خواہد	او ہمیہ دوزخ نہ کند باغ ارم را
دانم نرسد ذرہ بخورشید ولیکن	شوق طیراں میکشد ارباب ہمم را

مگر ظاہر ہے کہ آسائش ہمسائگی حق کا وعدہ معمولی انسان کے لئے کافی نہیں۔
اسی مضمون پر شیخ آذری نے اپنے ایک قصیدہ میں لکھا ہے۔

گر بقدر ہمت عشاق خود سازی مقام	برتر از جنت بباید ساخت ما و اسئے دگر
مابباغ جنت الفردوس در ناریم سر	ہست ازیں حضرت گدایاں رالقائے دگر
ہرکسی را از تو در جنت تماشائے بود	ما نمے خواہیم جز رویت تماشائے دگر
باخریداراں بہاکن باغ جنت راکہ ہست	مفلسانت را دریں بازار سودائے دگر
نہ جنت جویم و نے حور و نہ انہار میخواہم	بتو ارزانی اے زاہد ہمہ من یار میخواہم
شہان مملکت فردوس را بار بدست آرند	کہ من درویش عالی ہمتم دیدار میخواہم
گر دیدن زاہدان بہ جنت گستاخ	ویں دست درازی بہ ثمر ہائے بہ شاخ
چوں نیک نظر کنی زروئی تشبیہ	ماند بہ بہائم و علف زار فراخ

ایشائی شاعری اور حسن و عشق

جیسا بیان کیا گیا ہے۔ انسانی فطرت کو بوجہ ناقص ہونے کے چونکہ اس حقیقت کاملہ کا پورا پورا احساس ہونا مشکل ہے اس لیئے وہ اپنی کم بضاعتی کی وجہ سے مجبور ہے کہ وہ اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ بھی راز و نیاز کی گفتگو میں وہی الفاظ استعمال کرے جو ایک مجازی حسین و محبوب شے پر وہ استعمال کرتا ہے۔ اور مثنوی کے اس گڈریئے کی طرح اپنے معبود محبوب کی آنکھیں۔ منہ۔ کمر۔ زلف۔ وغیرہ دیکھتا ہے۔ ان پر مرتا ہے۔ ان سے پیار کرتا ہے۔ اُن کی تعریف میں سخن سنجی اور نغمہ سرائی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کے ہاتھ نہیں۔ مگر ان دو ہاتھوں والے انسان کو سمجھانے کے لئے آخر نہیں کہا گیا کہ ید اللہ فوق

ایڈ یصم۔ پس مشرق کے شاعروں نے عموماً اور بلبلِ شیراز نے خصوصاً قدرتی طور سے اپنی شاعری میں حسن وعشق کو ایک خاص جگہ دی۔ ان کو اس سے چارہ نہ تھا۔ لو اور وَرشپ۔ محبت و پرستش کے موضوع کو یا تو وہ بالکل ہاتھ نہ لگاتے یا اگر وہ اس پر کچھ کہنا چاہتے۔ تو سوائے اس طریقہ کے اُن کو کوئی اور رستہ نہ تھا اور نہ اب ہے۔ تاریخی نظمیں لکھیئے۔ پولیٹیکل اشعار کہیئے اخلاقی مثنویاں تصنیف کیجیے۔ تو آپ کا اختیار ہے اور ممکن بھی ہے۔ کہ آپ اپنی تمام تصنیفات میں حسن وعشق کا لفظ ایک بار بھی استعمال نہ کریں لیکن اگر آپ انسانی دل کے اس پاکیزہ اور پاک کرنے والی کیفیت پر جسے محبت کہتے ہیں۔ اور جو کامل ہو کر پرستش کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ کچھ لکھنا چاہیں۔ تو آپ کو بغیر اس کے چارہ نہیں۔ کہ جس طرح آپ حقیقت منتظر کو لباس مجاز پہنانا چاہتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی اس کے ساتھ جو راز کی باتیں ہوں گی وہ بھی لباس مجاز میں ہوں گی۔

عشق کی ہمہ گیری

عشق نہ صرف روح انسانی اور نفس حیوانی تک محدود ہے۔ بلکہ یہ ایک کیفیت ہے۔ جو تمام موجودات میں موجود پائی جاتی ہے۔ اس کی عالمگیری مادہ تک ہے۔ محبت کشش۔ عشق کچھ کہیں۔ مگر یہ حالت موجود ہر جگہ ہے۔ خلقت عالم کا باعث بھی عشق ہے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں

پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا	تھا حسن میزبان۔ کوئی مہمان نہ تھا

یہ شعر کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کی بہت اچھی تفسیر ہے۔

اور نظام عالم کے قیام کا باعث بھی یہی ہے۔ حکمائے کا قول ہے کہ مادہ کے ہر ایک حصہ میں ایک کشش ہے۔ جو اسے اپنے کل کی طرف کھینچ لاتی ہے۔ چنانچہ کشش ثقل اسی مادی کشش کا نام ہے۔ زمین اور افتاب کے مابین۔ ماہتاب اور زمین کے درمیان اور اسی طرح اجرام فلکی میں سے ہر ایک کی دوسرے کے ساتھ ایک محبت اور کشش ہے۔ زمین میں حرکت اسی عشق سے پیدا ہوتی ہے۔ سیاروں کی رفتار اسی کشش پر مبنی ہے۔ غرضیکہ تمام موجودات میں یہ کیفیت جاری ہے۔

ہر ایک انسانی دل میں عشق ہے - کیونکہ یہ حالت دل کی طینت و سرشت میں لازم رکھی گئی ہے - وہ دل نہ ہوگا پتھر ہوگا - جس میں محبت نہ ہو - جس میں عشق نہ ہو کسی چیز کا عشق سہی - مگر عشق ضرور ہوگا -

غم اگرچہ جاں گسل ہے اسے کیا کروں کہ دل ہے ... غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

کلیم نے تو عنقا تک کو نہ چھوڑا -

زاں برق حسن کافت ہر گوشہ گیر شد ... آتش در آشیانہ عنقا گرفتہ است

خاکِ دل آں روز کہ مے بیختند (غزالی) ... شبنمے از عشق برو ریختند -

آہن و سنگے کہ شرارے دروست ... خوشتر ازاں دل کہ نہ یارے دروست (غزالی مشہدی)

عاشقی چیست عشق کی تعریف تو بیان ہو چکی ہے - مگر مختلف شعرا نے جو اس کے متعلق لکھا ہے - وہ بھی ناظرین کی تفنن طبع کے لئے اس جگہ بیان کر دینا غیر موزون نہ ہوگا -

عاشقی چیست مبتلا بودن ... با غم و محنت آشنا بودن
سپر خنجر قدر گشتن ... ہدف ناوکِ قضا بودن
بندِ معشوق چون بہ بست بہ پائے ... از ہمہ بندہا رہا بودن
آفتاب رخش چو رخ بنمود ... پیش او ذرہ ہوا بودن
بہمہ محنتے رضا دادن ... وز ہمہ دولتے جدا بودن
آن لکدکوب صد بلا باشے ... ہمچنان بر سرِ وفا بودن (انوری)

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ ... ہے آگ سی جو سینہ کے اندر لگی ہوئی

تعالی العشق عن فہم الرجال ... وعن وصف التفرق والوصال

عاشقی چیست بگو بندہ جانان بودن ... دل بدست دگرے دادن و حیران بودن

عاشقی چیست داغ محرومی ... گل خود روے باغ محرومی
لب عرضے کہ مردہ گفتارشش ... پاے شوقیکہ رفتہ رفتارشش
ہمہ پرواز لیک ریختہ پر ... شعلہ اما تمام خاکستر -

جہد شس انداز نارسائی وبس — شورش آہنگ بے نوائی وبس
ناامیدی ویک جہان امید — ناتوانی وکوشش جاوید
ساز موہوم نغمہ زار خیال — کلک تصویر آرزوے محال
جوش خونے کہ ہیچ رنگش نیست — موج آبے کہ نم بہ چنگش نیست
آہ اگر بست ہم بدل افشرد — اشک اگر بود بے چکیدن مرد
قصہ کوتاہ عاشقی این ست — وائے آنکس کہ عشقش ائین است (بیدل)

اللہ عشق بھی ہے کوئی ایسی معصیت (عزیز) اک آگ سی لگی ہے دل بیقرار میں

اہل تصوف و عشق۔ اہل تصوف نے محبت کی دس منزلیں بیان کی ہیں (۱) **موافقت**۔ دوست کے دشمنوں کو دشمن سمجھنا۔ (۲) **میل**۔ ہمیشہ متوجہ الی اللہ رہنا۔ (۳) **موانست**۔ ہر چیز سے گریزاں اور جویان حق رہنا۔ (۴) **مودت**۔ عجز و زاری سے خلوت دل میں مشغول رہنا۔ (۵) **ہوا**۔ ریاضت ومجاہدہ (۶) **خلت**۔ جملہ اعضا کو یاد حق سے پر کرنا اور غیر سے خالی کرنا (۷) **الفت**۔ صفات حمیدہ سے متصف ہونا (۸) **شغف**۔ غایت شوق سے حجاب دل کو دور کرنا اور مغلوب حال ہونے کے بغیر افشائے محبت نہ کرنا۔ (۹) **تیم**۔ بندہ محبت ہو کر تجرید ظاہری اور تفرید باطنی سے متصف ہونا۔ (۱۰) **ولہ** آئینہ دل کو جمال دوست کے مقابل کرنا اور مصروف مشاہدہ ہونا اور محو ہونا۔ بیخود ہونا

گیارہویں منزل منزل عشق ہے۔

آساں نمود اول عشق ان مشکل ترین مہموں میں سے ہے۔ جو ابتدائے کار میں مشکل نظر نہیں آتیں۔ قدرت کو چونکہ اس کا وجود منظور تھا۔ اس لیے اس کے ابتدائی مراحل ایسے آسان اور دلکش بنائے کہ ہر دل میں خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو عشق کو جگہ مل گئی۔ یہ عام تجربہ کی بات ہے کہ محبت شروع شروع میں بہت روح پرور۔ امید افزا۔ دل خوش کن اور دلفریب ہوتی ہے اور آدمی بغیر تامل کے آنکھ بند کرکے فوراً دل ہار دیتا ہے۔ خواہ انجام کار کتنی مصیبتوں کا سامنا کیوں نہ ہو عشق

کی ابتدائی منزلیں ایسی خوشگوار۔ ہموار اور سبزہ زار زمین پر واقع ہیں۔ کہ مسافر کو سطے مسافت میں چاروں طرف گلزار اور چمنستان نظر آتے ہیں۔ بلبلوں کے نغمہ ہائے خوش آیند سنتا ہے۔ اور سر دھنتا ہے۔ ہوا ایسی لطیف ہے کہ دم عیسےٰ کا کام کرتی ہے۔ منزل مقصود نزدیک نظر آتی ہے۔ اور وصال محبوب قریب۔

افتاد مشکلہا لیکن کچھ دور آگے چل کر اس کو صحرائے اعظم کے کاررواں کی طرح یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ مرغزار اور سبزہ زار بہت تھوڑے راہ تک تھے۔ سامنے کئی دور دراز مسافتیں اور طول طویل منزلیں ایسی پڑی ہیں۔ جہاں نہ دانہ ہے نہ پانی۔ نہ نشان راہ ہے نہ کوئی راہ نما۔ سموم چلتی ہے۔ ریگستان ہے اور سراب

الست بربکم وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝ (اعراف)

۱ انسانی ارواح نے جب **الست بربکم** کا جواب **بلا** دیا اس وقت سے بلائے عشق اپنے گلے ڈال لی۔ روح جب تک تعلقات جسمانی سے پاک تھا۔ پاک تھا۔ اور لازم تھا کہ پاک رہے۔ جسم اس کے لئے غول راہ ہوا۔ روح نے وعدہ کر لیا۔ مگر جسم کی قید میں آکر اُسے اُس وعدہ کا ایفا مشکل نظر آیا۔ روح کے لئے تسبیح الہ میں ہمیشہ مشغول رہنا آسان ہے۔ اسی لئے فرشتے لیل و نہار خدمت حق میں مصروف اور اسکی عبادت میں مشغول رہتے ہیں گناہوں سے پاک ہیں اور انسانوں کے لئے پاکیزگی۔ اطاعت حق اور معصومیت کا نمونہ ہیں اور انسان ہے۔ کہ خطا و نسیاں کا مرکب ہے۔ گناہگار ہے۔ خدا کو بھول جاتا ہے اس سے انکار کر جاتا ہے۔ ہزارہا قسم کی غلطیاں کرتا ہے۔ اطاعت خالق سے منہ پھیر لیتا ہے۔ مگر یہ فرق یہ زمین و آسمان کا فرق محض اس لئے ہے۔ کہ فرشتے قیود جسمانی سے پاک ہیں۔ اور بیچارہ انسان ان میں محبوس۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اگر انسان باوجود ان کمزوریوں کے گناہوں سے بچے اور کامل انسان بنے تو وہ فرشتوں سے بہتر ہے مولانا حالی فرماتے ہیں۔

	فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا		مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ	

ہاروت وماروت اور چاہ بابل کا قصہ بھی اسی اصول کی ایک تمثیل ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ فرشتوں کا معصوم رہنا صرف ان کی ذاتی اکتساب کا نتیجہ نہیں ہے

طلب شراب خواجہ حافظ صاحب نے یہ ظاہر کرکے کہ عشق پہلے آسان نظر آیا۔مگر بعد میں بہت مشکلوں کا سامنا ہوا ہے۔ساقی سے جام مے کی طلب فرمائی ہے۔انگریزی میں ایک مقولہ ہے۔جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ عورت کی وہی باتیں جو ابتدا میں آدمی کو مخمور کرتی ہیں۔آخر اسے شراب پینے پر مجبور کرتی ہیں۔اور بقول سعدی درعنفوان جوانی چنان کہ افتد و دانی آپ بھی جانتے ہیں۔کہ معشوق کے ناز و انداز جو شروع میں عاشق کے لئے شراب کا کام دیتے ہیں۔یعنی اُسے سرمست کرتے ہیں۔انجام کار اسے شراب خوری پر مجبور کرتے ہیں۔وجہ یہ ہے۔کہ شراب کم ازکم کچھ دیر کے لئے انسان کو دنیاوی افکار اور جورِ یار کے صدمات کے احساس سے محفوظ کرتا ہے۔

عشق حقیقی میں شراب سے جو مراد لی گئی ہے۔وہ بالفاظ عارف محمود تبریزی حسب ذیل ہے۔

شراب بیخودی درکش زمانے	کہ تا از دست خود یابی امانے
بخور مے تا ز خویشت وارہاند	وجود قطرہ در دریا رساند
شرابے خور کہ جامش روئے یار است	پیالہ چشم مست بادہ خوار است
شرابے را طلب بے ساغر و جام	شرابے بادہ خوار و ساقی آشام
شرابے خور ز جام وجہ باقی	سقاہم ربہم او راست ساقی
طہوران مے بود کز لوث ہستی	ترا پاکی دہد در وقت مستی
بخور مے وارہاں خود را ز مردی	کہ بدمستی بہ است از نیک مردی
کسے کو افتد از درگاہ حق دور	حجاب ظلمت او را بہتر از نور
کہ آدم را ز ظلمت صد مدد شد	ز نور ابلیس ملعون ابد شد
ہمہ عالم چو یک خمخانہ اوست	دل ہر ذرۂ پیمانۂ اوست۔
خرد مست و ملائک مست و جان مست	ہوا مست و زمین مست و زمان مست

فلک سرگشتہ از وے در تگاپوی ۔ ہوا در دل بامید یکے بوی
ملائک خوردہ صاف از کوزہ پاک ۔ بجرعہ ریختہ دُردے بر ایں خاک
عناصر گشتہ زاں یک جرعہ سرخوش ۔ فتادہ گہ در آب و گہ در آتش۔
ز بوئے جرعہ کافتاد بر خاک ۔ برآمد آدمی تا شد بر افلاک
یکے از بوی دردش عاقل آمد ۔ یکے از رنگ صافش ناقل آمد
یکے از نیم جرعہ گشتہ صادق ۔ یکے از یک صراحی گشتہ عاشق
یکے دیگر فرو بردہ بیک بار ۔ خم و خمخانہ و ساقی و مے خوار
در آشامیدہ ہستی را بیک بار ۔ فراغت یافتہ ز اقرار و انکار
شدہ فارغ ز زہد خشک و طامات ۔ گرفتہ دامنِ پیر خرابات

پس صوفیائے کرام کے نزدیک شراب سے مراد یہ ہے۔ کہ آدمی خودی کو چھوڑ دے اور شراب سے سب سے زیادہ فائدہ جو وہ اٹھاتے ہیں۔ بیخودی ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہیں۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو ۔ اِک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

چونکہ شراب کا خاصہ ہے کہ وہ ہوش ربا ہے۔ اور چونکہ عشق کی راہ میں جسقدر مشکلات اور تکلیفات ہیں وہ عقل کی پیدا کردہ ہیں اس لیئے عاشق کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ ترک عقل اور اختیار جنوں کرے۔ عشق کی بے پرواہی کا عقل مقابلہ کرتی ہے۔ تو عاشق کو تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے مطلوب کو پہنچنا چاہتا ہے عقل راستہ کی دشواریاں اور خطرے اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور روکتا ہے۔ مگر چونکہ عاشق صادق کو اس تنگ و پو میں ایک لمحہ آرام کرنا بھی سخت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ چاہتا ہے۔ کہ عقل اس کی سدراہ نہ بنے۔ وہ اپنے شوق میں سرشار ہوتا ہے۔ اور راستے کی تکلیفوں کی پرواہ نہ کرکے منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اس لئے عقل سے جو اس کے لیئے سنگ راہ ہے۔ وہ نجات مانگتا ہے۔ اور ساقی سے التجا کرتا ہے کہ اس کٹھن منزل میں مجھے شراب شوق پلا کر مست کرے۔

کہ راہ کی دشواریاں مجھے بیدل نہ کریں۔

اور جب تک عاشق شوق طلب میں بالکل بدمست نہ ہو۔ اور جب تک اس کی عقل اس کو جادہ عشق کی منزلوں کے پرخطر ہونے سے ڈراتی رہیگی۔ وہ ہرگز اپنے محبوب تک نہیں پہنچ سکتا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

	لگن میں تیری نکل۔ گئے جو نہ جھجکے دریا پرخطر سے	
	گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا	

یعنی طلب معشوق میں صرف وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جو اس دریائے پرخطر سے نہیں جھجکتے جو درمیان میں حائل ہے۔ اور شوق میں بالکل اندھے ہوکر یہ نہیں دیکھتے کہ دریا کا پاٹ کتنا ہے اور آنکھ بند کرکے کود جاتے ہیں۔ یہ حالت عاشق کی اس وقت تک نہیں ہوسکتی۔ جب تک اس کو ساقی نے شراب شوق نہ پلایا ہو۔ خواجہ حافظ بھی طلب جام اس لیے کرتے ہیں۔ کہ وہ بے خود ہو جائیں اور عشق کی مشکلات سے بے پرواہ ہوجائیں۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل		لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اس شعر میں بھی ڈاکٹر اقبال نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دل شوق میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے۔ عقل اس میں رکاوٹ ڈالنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہتا ہے کہ گرچہ دل کے ساتھ پاسبان عقل کا ہونا اچھا ہے۔ لیکن گاہ بگاہ دل کو تنہا بھی چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں ہم اپنے معشوق کا وصل حاصل کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال نے بھی اگرچہ دل کے پاس پاسبان عقل کا ہونا اچھا خیال کیا ہے مگر کبھی کبھی اس کے تنہا چھوڑنے کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کر سکے۔

اور مولانا حالی صاحب نے تو صرف ایک دفعہ اس پاسبان کو پاس بلانے کی درخواست کی تھی۔ مگر وہ بھی منظور نہ ہوئی۔

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت		فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ

امیر مینائی نے بھی دریائے محبت سے پار اترنے کے لیے کشتیٔ جنوں کو ضروری سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

دیوانہ ہے دنیا میں جو دیوانہ نہیں ہے　　عاقل وہی ہوتا ہے جو عاقل نہیں ہوتا

خواجہ حافظ کے اس شعر پر ناصر علی سرہندی نے ایک غزل کہی ہے۔ جس میں انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ جادہ محبت نہایت پیچیدہ راہ ہے۔ اور کثرت اسباب وصال محبوب کے لئے سنگ راہ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کیا ہے۔ کہ خودی کو زائل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ کہ ساقی سے طلب مے کی جائے۔

محبت جادہ وارد نہاں در خلوت دلہا　　چو تار سبحہ گم گردید ایں راہ زیر منزلہا
تو چون ساقی شوی در و تنکظرفی نے ماند　　بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا
بشمع روشنی ایں کلبہ تارا التجا دارد　　اگر دل در گداز اند تواں حل کرد مشکلہا
تو راہ از کثرت اسباب بر خود تنگ میداری　　ادا فہماں چو بوے گل رہا کردند محملہا
بہفتاد و دو ملت گردش چشم تو میسازد　　بیک پیمانہ رنگیں کردہ یک سفر مشربہا
پس از مردن چو شمع کشتہ روشن شد حریفاں را　　کہ در ہر دیدہ بیدار پنہاں بود حائلہا
علی امشب مے شیراز در جام و سبو وارد　　الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

خواجہ صاحب نے عشق کی مشکلات کا بیان کر کے عشق سے بیزاری ظاہر نہیں کی۔ بلکہ عقل سے تنگ آکر جو عاشق کے لئے غول راہ ہے۔ اس کے تاثرات سے محفوظ رہنے کے لئے شراب کی درخواست کی ہے۔ عشق کا ان کو سودا بدستور ہے۔

مولانا روم جادہ عشق کے پر خون ہونے اور ہوش کی اس راہ میں رکاوٹ ہونے کے بیان میں اور عشق کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ کہ

نے حدیث راہ پر خون میکند　　قصہہائے عشق مجنوں میکند
محرم این ہوش جز بے ہوش نیست　　مر زباں را مشتری جز گوش نیست
در غم ما روزہا بیگاہ شد　　روزہا با سوزہا ہمراہ شد
بند بگسل باش آزاد اے پسر　　چند باشی بند سیم و بند زر

هر کرا جامه ز عشقی چاک شد　　　او ز حرص و عیب کلی پاک شد
شاد باش ای عشق خوش سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما　　　اے تو افلاطون و جالینوس ما
جسم خاک از عشق بر افلاک شد　　　کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(۲) ترجمہ۔ اس نافہ کی بو کی قسم (یا اس نافہ کی بو کی امید میں) جو آخر کار صبا اس طرہ سے کھولے گی۔ کہ اس کی زلف خوشبو دار کے خم سے کتنے دلوں کا خون ہوا +

ببوی نافہ۔ یعنی بامید بوے نافہ و یا ب برائے قسم۔ **صبا**۔ وہ ہوا جو مشرق کی طرف سے چلے۔ اور بعضوں نے کہا ہے۔ کہ باد مشرقی جو ایام بہار میں چلے۔ **طرہ**۔ زلف و موئے پیشانی۔ **تاب**۔ یعنے پیچ و تاب خوردن **جعد**۔ بفتح۔ موے مرغول سر۔ یعنی سر کے بال جو خم دار ہوں۔ یعنی موے پر چین۔ **مشکین**۔ منسوب بہ مشک یعنی نافہ۔ کستوری کی خوشبو والی۔

صوفیائے کرام کے نزدیک زلف سے جو مطلب لیا جاتا ہے وہ بالفاظ مصنف گلشن راز یہ ہے۔

حدیث زلف جانان بس دراز است　　　چہ شاید گفت ازاں کان جائے راز است
کجی بر راستی چون گشت غالب　　　وز و در پیچش آمد راہ طالب
معلق صد ہزاراں دل ز ہر سو　　　نشد یکدل بروں از حلقہ او
اگر زلفین مشکین بر فشاند　　　بعالم در یکے کافر نماند
وگر بگذاردش پیوستہ ساکن　　　نماند در جہاں یک نفس مومن
نیاید زلف او یک لحظہ آرام　　　گہے صبح آورد گاہے کند شام
چو او بر کاروان عقل رہ زد　　　بدست خویشتن بر وے گرہ زد
گل آدم شد آن لحظہ مخمر　　　کہ داوش بوئی آن زلف معطر
دل ما دارد از زلفش نشانی　　　کہ خود ساکن نمیگردد زمانے

پہلے مصرع میں امید وصال محبوب کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اس خوشبو کی امید جو باد صبا زلف معشوق سے مشام عاشق تک پونچائے گی۔

دوسرے مصرع میں تاب جعد مشکین سے مراد راہ پیچ در پیچ زلف ہے۔ یعنے منازل عشق جو عاشق کو وصال محبوب کے حصول کے لئے طے کرنی پڑتی ہیں۔ یہ منازل نہایت دشوار گذار ہیں۔ تاہم عاشق وصال کی امید میں ان کو طے کرتا ہے۔

زلف پیچاں سے حافظ صاحب نے بعض اور اشعار میں بھی منازل عشق سے مراد لی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

شب تیرہ چوں سر آرم رہ پیچ پیچ زلفت	مگر آنکہ شمع رویت برہم چراغ دارد

خوں افتاد در دلہا سے ان مایوسیوں اور مصیبتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو عاشق کو وصال کی امید پر طے منازل میں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

یہاں بھی خواجہ صاحب نے پہلے شعر کی طرح منازل عشق کی مشکلات کی طرف اشارہ کرکے کہا ہے کہ اس خوشبو کی امید میں جسے کبھی باد صبا محبوب کی زلف سے اڑا کر عاشق کے دماغ میں لائیگی۔ یعنے وصال کی امید میں ہزاروں عاشق منازل عشق کی پیچ در پیچ راہوں کو طے کرتے کرتے رہ گئے اور ان کے دل خون ہو گئے۔

مولانا حالی بھی طالب کی انہی مایوسیوں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں۔

سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط اک کہ اٹھتا غبار دیکھا

مرزا غالب دہلوی نے بھی اسی مضمون پر کہا ہے۔ کہ

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے	تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں۔

اس شعر کے معنے اس طرح بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ مصرعہ اول میں حرف با کو برائے قسم لیا جائے۔ یعنی قسم ہے۔ بس بوئے نافہ کی۔ تمام شعر کا مطلب پھر یہ ہوگا۔ کہ مجھے قسم ہے تیرے وصال کی کہ تیری طلب میں ہزارہا دل خون ہو گئے۔ عاشق کا معشوق کے وصال کی قسم کھا کر راہ عشق کے مصائب کا بیان کرنا نہایت موثر طریقہ ہے

مگر حضرت بیدل نے خوب سمجھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

پئے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمت جستجو
بخیال حلقہ زلف او گرہے خورو بختن درآ

بیدل کے اس خیال کے قریب قریب مولانا شبلی نے بھی کہا ہے۔

پیچ وتابے کہ دل غمزدہ در پنہاں داشت	شکن طرہ گیسوئے تو پیدا میکرد
بر گذرگاہ چمن عطر فروشِ سحری	بوئے زلف تو بحث داشت کہ سودا میکرد

عطر فروش سحری سے مراد باد صبا ہے۔

ایک شارح نے اس شعر کا عجیب وغریب مطلب بیان کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ "پیغام وصال جو حصول معرفت کی صبا آخر شب میں یعنی آخر وقت میں بوے پیغام حضرت صمدیت مشتاقانِ حق کے پاس پہنچاتی یعنی مژدہ وصل سناتی ہے۔ تو اس کے سننے سے دل جو ظاہری وجود کا سربراہ کار ہے غم وغصہ سے خون ہو جاتا ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ ہستی مستعار برباد ہو کر اس کی سلطنت ویران ہو جائے۔ چونکہ عارف کامل کا وصال موت سے ہوتا ہے۔ اور دل وجود انسانی کا بادشاہ ہے۔ پس اس کو اس بربادی سے کمال رنج ہوتا ہے۔ اس شعر کا یہی معما ہے۔ جو اس سے اچھی طرح پر حل نہیں ہو سکتا تھا"

حیران ہوں کہ یہ معنے کیسے ہیں اور کس طرح درست ہیں۔ یہ حالت صرف کسی بڑے دنیا پرست کافر کے دل کی ہو سکتی ہے۔ عاشق کے دل کی یہ صورت نہیں ہوتی۔

(۳) **ترجمہ**۔ شراب سے سجادہ کو رنگین کر اگر تجھے پیر مغاں کہتا ہے۔ کیونکہ سالک منزلوں کی راہ ورسم سے ناواقف نہیں ہوتا۔

سجادہ۔ بالفتح وبالضم۔ مصلے۔ جائے نماز۔ **مغاں**۔ جمع مغ بالضم آتش پرست۔ **سالک**۔ بکسر لام۔ راہ پر چلنے والا۔ اصطلاح صوفیہ میں سالک مراد اس طالب تقرب حق تعالے سے ہے۔ جس کو عقل معاش بھی ہو۔ **منزلہا** سے مراد منزلہائے عشق۔

اس شعر میں بتلایا گیا ہے۔ کہ طلب حق میں عاشق کو اپنے راہ نما کی اطاعت پوری پوری کرنی چاہئے۔ یہاں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح احکام الہی میں اوامر ونواہی کی بے طلب دلیل تعمیل کرنی چاہئے۔ خواہ کوئی حکم عقل انسانی کے خلاف ہی ہو کیونکہ انسانی عقل ضعیف ہے اور محدود ہے۔ خدائے تعالے جو عالم الغیب ہے اور حکیم مطلق ہے۔ اس کا کوئی فعل اور کوئی حکم خلاف مصلحت نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے اطاعت حق میں انسان کو کسی قسم کی چوں وچرا کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح انبیاء کے احکام کی تعمیل میں بھی پیرو کو کوئی بحث نہیں ہونی چاہئے۔ قرآن کریم میں ابلیس وآدم کے قصہ میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ ہم کو اپنے معبود کے ساتھ استدلال کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ فرشتوں کو جب حکم ہوا۔ کہ آدم کے سامنے سجدہ کریں۔ تو سب نے حکم کی تعمیل کی۔ مگر ابلیس نے انکار کردیا اور کہا کہ مجھے تونے نار سے پیدا کیا ہے۔ اور آدم کو خاک سے چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ میں اس سے افضل ہوں۔ کیوں سجدہ کروں۔ علاوہ ازیں یہ عام اور مسلمہ مسئلہ ہے۔ کہ مخلوق کو اپنے خالق کے سوا کسی کے آگے سجدہ نہیں کرنا چاہئے اور خداوند کریم کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے بظاہر ابلیس کے دلائل تو قوی تھے۔ مگر ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین صرف حکم عدولی سے کافر ہو گیا۔

گذر ز چوں وچرا و رہ اطاعت گیر	کہ زشت وخوار عزازیل شد با استدلال

حضرت موسےٰ ؑ اور حضرت خضر ؑ کا قصہ بھی اس اصول کی تشریح کرتا ہے۔ جب حضرت خضر ؑ نے ایک کشتی کو جس میں انہیں کشتیبان نے مفت سوار کیا تھا۔ توڑ ڈالا۔ اور اس صاحب خانہ کی جس نے ان کو رات کی روٹی بھی نہ دی تھی۔ دیوار تعمیر کردی اور ایک معصوم بچے کو جسکے والدین نہایت متقی اور پرہیز گار تھے۔ مار ڈالا۔ تو حضرت موسےٰ معترض ہوئے۔ کہ تو یہ کام ناجائز کر رہا ہے۔ اور بظاہر حالات یہ تمام کام بے جا تھے۔ مگر بالفاظ مولانا روم

آں پسر را کش خضر ببرید حلق	سر آں را در نیابد عام خلق
آنکہ از حق یابد او وحی جواب	ہرچہ فرماید بود عین صواب

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست
نائب است و دست او دست خداست

گر خضر در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکست خضر ہست

وہم موسیٰ با ہمہ نور و بصر
شد ازاں محجوب تو بے پر مپر

آں گل سرخ است تو خونش مخواں
مست عقل است آں تو مجنونش مخواں

طفل میلرزد ز نیش احتجام
مادر مشفق دراں غم شاد کام

نیم جان بستاند و صد جاں دہد
انچہ در وہمت نیاید آں دہد

تو قیاس از خویش میگری ولیک
دور دور افتادہ بنگر تو نیک

خواجہ خضرؑ نے جو کچھ کیا وہ بحکم الٰہ تھا اور مبنی بر مصلحت تھا۔ گرچہ ایک پیغمبر کی عقل بھی اس کی مصلحت کو نہ دیکھ سکی اور اُسے ناجائز فعل قرار دیا۔

خواجہ حافظ کا اس شعر سے بھی یہی مطلب ہے۔ کہ اگر تجھے ساقی حکم دے کہ مصلےٰ کو شراب سے تر کر دے تو بالکل نہ ڈر اور حکم کو مان لے۔ کیونکہ اس میں کوئی حکمت ہوگی۔

منازل عشق میں سالک جو تیرا راہ نما ہے۔ تجھے اس کی کامل اطاعت کرنی لازم ہے۔ اگر وہ تجھے کوئی ایسا حکم دے جو تمہیں خلاف شرع نظر آئے۔ تو مت جھجک۔ کیونکہ سالک اس راستہ کے نشیب و فراز سے ناواقف نہیں ہے

نیز منزلہائے عشق میں شراب کی ضرورت کا بیان شعر (۱) میں ہو چکا ہے

(۴) ترجمہ۔ مجھے منزل معشوق میں کیا امن اور عیش ہے۔ جب ہر وقت جرس فریاد کرتا ہے کہ محمل باندھو۔

منزل۔ اترنے کی جگہ۔ مسافر کے آرام کی جگہ۔ خانہ مکان۔ **جرس**۔ بفتحین۔ درائے کلاں۔ گھنٹہ۔ **محملہا**۔ جمع محمل۔ کجاوہ۔ صیغہ اسم ظرف از حمل ہودج۔

منزل جاناں سے یہاں مراد منزل عشق لینی چاہیئے۔ یعنی مسافر عشق منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے اثنائے سفر میں جہاں جہاں شب باش ہوتا ہے۔ ٹھیرتا ہے

یہاں منزل جاناں کا مطلب منزل مقصود نہیں ہے۔ بلکہ درمیانی منزلوں کی طرف اشارہ ہے۔ منزل جاناں اس واسطے کہا گیا ہے۔ کہ چونکہ منازل عشق سب کی سب محبوب کی طلب میں طے کی جاتی ہیں۔ لہذا وہ تمام منازل منازل عشق یا منازل جاناں کہی جاسکتی ہیں۔

یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ مسافر کو درمیانی منزلوں پر گرچہ وہ وہاں شب باش ضرور ہوتا ہے اور آرام کرتا ہے۔ پورا اطمینان اور راحت نہیں ہوتی۔ جب تک وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ جاتا۔ اس وقت تک وہ درمیانی منزلوں پر آرام کرنے کے وقت بھی بے آرام رہتا ہے۔ کیونکہ اس کے دل میں ہر وقت منزل مقصود تک پہنچنے کا خیال رہتا ہے۔ اور وہ خیال اس کو قرار نہیں دیتا۔

فریاد جرس سے مراد بانگ درا ہے۔ جب قافلہ منزل سے روانہ ہونے لگتا ہے تو اس سے کچھ دیر پہلے گھنٹہ بجایا جاتا ہے۔ جس سے مقصود یہ ہوتا ہے۔ کہ تمام اہل قافلہ اپنا اپنا اسباب باندھ لیں اور اپنی اپنی مرکب اور محمل کا انتظام کرلیں۔

شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ عاشق کو طلب محبوب میں کئی منازل طے کرنی پڑتی ہیں۔ اور جب تک وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ وہ درمیانی منازل پر ٹھیرتا تو ضرور ہے مگر اس کے دل کو آرام و تسکین بالکل نہیں ہوتی۔ کیونکہ درمیانی منازل آرام جاوداں کے لئے نہیں ہوتیں۔ بلکہ صرف تکان کو دور کرنے اور دوسری منزل کے لئے تیار ہونے کے لئے ہوتی ہیں۔ جب تک عاشق اپنے محبوب کا وصال حاصل نہیں کرتا اُسے چین نہیں ہوتا۔ اس کی نگاہیں ہر وقت منزل مقصود پر لگی ہوتی ہیں۔ اس کو کسی قسم کا امن و عیش نصیب نہیں ہوتا۔

دنیا بھی انہی منازل میں سے ایک ہے۔ اسی لئے عاشقان صادق کو اس زندگی مستعار میں ہرگز چین نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا بھی ایک درمیانی منزل ہے۔ جہاں مسافر کو صرف شب باشی کے لئے ٹھیرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ زیادہ نہیں۔ اور دوسری منزل کا کھٹکا ہر وقت دل میں ہوتا ہے۔

سایہ و چشمہ بصحرا دمے عیشے دارد	اگر اندیشۂ منزل نبود رہزن ما

حکایت مولانا طوطی ترشیزی نے وصیت کی تھی۔ کہ ان کی قبر پر ان کی اپنی حسب ذیل غزل لکھی جائے۔ چنانچہ یہ غزل ان کی وفات کے بعد ان کی قبر پر لکھی گئی۔ یہ غزل اور خصوصاً اس کا تیسرا شعر خواجہ حافظ کے اس شعر کی نہایت عمدہ تشریح ہے۔

وقت آں شد کہ دل از دام ہوس باز رہد	طوطی روح ز بیداد قفس باز رہد
تا بکے جور رقیب و ستم یار کشد	وقت شد کز ستم ناکس و کس باز رہد
بحریم حرم وصل بود محمل تن	از بیابان غم و بانگ جرس باز رہد
طوطی روح رسد در شکرستان وصال	شاہ باز یست ز غوغائے مگس باز رہد

(۵) **ترجمہ**۔ رات اندھیری ہے۔ موجوں کا ڈر ہے اور ایسا گرداب سد راہ ہے (یا ایسا خطرناک گرداب ہے)۔ ہمارا حال سبکساران ساحل کیا جانیں۔

حائل۔ مانع۔ دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ۔ **ہائل**۔ ہولناک۔ شدید۔ ڈراؤنا۔ مشتق از ہول۔

اس شعر میں ہجوم مصائب کا بیان ہے۔ جو عاشق کو راہ طلب میں پیش آتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ وہ واصل لوگ جو اپنے محبوب کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اور منازل کو طے کر چکے ہیں۔ وہ ہمارا حال کیا جانیں۔ ہم تا حال ایک بحر بیکران کی شناوری کر رہے ہیں۔ جس میں موجوں کا ڈر ہے۔ گرداب کا خوف ہے۔ اور بوجہ اندھیری رات ہونے کے یہ مصائب دوبالا ہو گئی ہیں۔ راہ عشق میں دنیا بھی ایک ایسی منزل ہے۔ جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ منزل نہایت مشکل ہے۔ نہایت خطرناک ہے۔ گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔ راہ زنی کا ڈر ہے اس منزل میں ہزارہا کارواں لوٹے گئے۔ ہزار ہا رہرو بھٹک گئے۔ شاعر نے پہلے شعر میں جن مشکلات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ یہی مشکلات ہیں۔ جن کی

اس شعر میں توضیح کر دی گئی ہے۔ جس طرح خواجہ حافظ نے اس منزل کو دریا سے نسبت دے کر اس کے مصائب بیان کئے ہیں۔ اسی طرح عارف نظامی نے اس منزل کو ایک دشوار گذار راہ بیان کر کے اس کے آسان کرنے کی تجویز کی ہے۔

جہاں تیرہ است و رہ مشکل جنیبت عناں درکش
گراں جانی مکن ہرگز کہ در بزم سبکروحاں

زمانے رخت ہستی را بخلوت گاہ جاں درکش
چو ساقی گرم رو گردد سبک رطل گراں درکش

نظامی نے بھی منازل عشق کی مصائب کو دور کرنے کی یہاں وہی تجویز بتائی ہے جو خواجہ حافظ نے اس غزل کے شعر اول میں بیان کی ہے۔

مرزا غالب دہلوی نے بھی بحر حیات کے پر خطر ہونے پر ایک شعر کہا ہے جس میں مصائب سفر اس شعر سے بھی زیادہ بیان کئے گئے ہیں وہ کہتے ہیں

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتہ است

دریائے محبت میں تلاطم امواج۔ گرداب۔ اور تاریکی فی الحقیقت ایسے دل شکن اور روح فرسا لوازم ہیں کہ حضرت امیر مینائی کے دل میں تو انہوں نے یک گونہ یاس کی صورت پیدا کر دی۔ اور ان کو تو یہ شک بھی ہو گیا کہ اس دریا کا کوئی ساحل بھی ہے یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

دریائے محبت سے جو پار اُتریں وہ جانیں
ہوتا ہے خدا جانے کہ ساحل نہیں ہوتا

خواجہ حافظ نے البتہ سبکساران ساحلہا کا ذکر کر کے اس دریا کو ناپیدا کنار خیال نہیں کیا۔ اور باوجود دریا کے پر خطر ہونے کے وہ ساحل پر پہنچنے سے مایوس نہیں ہوتے اور امید رکھتے ہیں کہ ہم بھی کبھی اس زمرۂ سبکساراں ساحلہا میں شامل ہونگے

دوسرے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ سبکساراں ساحلہا سے مراد فرشتے لی جاویں کیونکہ وہ فی الحقیقت سبکسار ہیں۔ ان کو انسانی مصائب کا بالکل علم نہیں ہے۔ دنیا میں رہ کر آدمی کو راہ حق میں جو جو مشکلات پیش آتی ہیں۔ فرشتے ان سے ناآشنا ہیں۔ کیونکہ انسانی فطرت کے ساتھ جو کمزوریاں شامل ہیں۔ فرشتے ان سے پاک ہیں۔ انسان کے

سامنے ہزارہا موقع لغزش کے ہیں فرشتوں کے پائے لغزش ہی نہیں۔ وہ گناہ کے قابل ہی نہیں۔ اس صورت میں گویا انسان اور فرشتہ کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ اگر آدمی باوجود ان کمزوریوں کے منزلِ مقصود کو پہنچ جائے۔ تو وہ فرشتوں سے بدرجہا افضل ہے۔

ہاروت وماروت انسان پر طعنہ زنی کرتے تھے۔ آخر دیکھ لیا

اے برادر ما بگرداب اندریم		وان کہ شنعت می زند بر ساحل است	(سعدی)

(۶) ترجمہ۔ میرے تمام کام کا خودکامی کی وجہ سے نتیجہ بدنامی ہوا وہ راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ جس پر محفلیں قائم ہوں۔

خودکامی۔ خودرائی۔ خودی

صوفیائے کرام کے نزدیک کامل توحید یہ ہے کہ سوائے ذات خدا کے اور کچھ موجود نہیں سمجھتے۔ وہ وحدت وجود کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک جو کچھ ہے۔ خدا ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ وہ خدا اور انسان کے درمیان بھی من و تو کے روادار نہیں۔ ان کے نزدیک اگر آدمی اپنے آپ کو ایک ایسی علیحدہ معین اور موجود چیز خیال کرے جو ذات باری سے الگ ہو۔ تو یہ بھی کفر ہے۔ ان کے نزدیک ع خودی کفر است اگر خود پارسائے ست۔

التوحید اسقاط الاضافات۔ یعنی توحید تمام اضافات کو ساقط کرتی ہے۔ یعنی کسی فعل یا ہستی کو اپنی طرف منسوب کرنا یا صنعت وجود کی موجود مطلق کے سوا اور سے اضافت کرنا توحید کے اصول کے برخلاف ہے۔ توحید پر کامل ایمان صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ انسان کسی فعل کسی وجود کسی ہستی کو منسوب بہ غیر نہ کرے۔ یعنی اس کے دل سے من و تو کا پردہ اٹھ جائے۔ جب تک محبوب کے ساتھ عاشق کا تعلق من و تو کا تعلق ہے۔ اس وقت تک یہ خیال کرنا چاہئے کہ توحید نہیں بلکہ کثرت کا قائل ہے۔ پس توحید کے لئے خودی کو درمیان سے بالکل اٹھا لینا چاہئے۔

پس جب تک پردہ خودی درمیان ہے اس وقت تک کمال توحید حاصل

نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی طالب کو اپنے مطلوب کے ساتھ وصل حقیقی ہو سکتا ہے۔

ز خود کامی بروں آ جلوہ رفعت تماشا کن		کہ معراج سرافرازی ہمیں یک نردباں باشد	

راہ عشق میں اگر عاشق نے خود کامی سے کام لیا تو گویا اس نے وحدت کو زائل کر کے کثرت کو پیدا کر لیا۔ اور راز عشق کا اس صورت میں مخفی رکھنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ایک دفعہ جب خیال کثرت پیدا ہو گیا۔ تو آدمی اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے۔ کہ پھر ایک اور دو تک نوبت نہیں رہتی۔ بلکہ اعداد غیر محدود ہو جاتے ہیں۔ اور عالم کثرت میں صرف عاشق معشوق تک معاملہ نہیں رہتا۔ بلکہ کہیں رقیب پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہیں قاصد۔ اِدھر محفل یار پیدا ہو جاتی ہے۔ اُدھر دربان آکھڑا ہوتا ہے۔ گویا کثرت کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ کوئی تعداد ہی نہیں رہتی۔ پھر ظاہر ہے۔ کہ ایسی صورت میں راز عاشق و معشوق بغیر فاش ہوئے نہیں رہتا۔

رسول کریم ؐ فرماتے ہیں کہ کل سر جاوز الاثنین شاع۔ یعنی جو راز دو سے تجاوز کر گیا۔ وہ سمجھو کہ فاش ہو گیا۔ بعض شارحین نے اس حدیث کے یہ معنے لئے ہیں۔ کہ جب راز دو لبوں سے نکل گیا یعنے منہ سے نکل گیا تو جانو کہ شائع ہو گیا۔ گویا راز اسی وقت تک ہے۔ جب تک آدمی کے سینہ کے اندر ہے منہ سے نکلا۔ تو سمجھو کہ گیا۔

پس ظاہر ہے کہ راز کثرت کی تاب نہیں لا سکتا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ عاشق کی خود رائی کی وجہ سے کثرت پیدا ہو گئی۔ اور جب کثرت پیدا ہوئی۔ تو راز عاشق و معشوق پنہاں نہ رہ سکا۔ ظاہر ہو گیا۔ اور موجب بدنامی ہوا۔

(۷) **ترجمہ**۔ اگر تو حضوری چاہتا ہے۔ تو اے حافظ اس سے غائب نہ ہو۔ اور جب تو اپنے مطلوب کو پا لے تو دنیا اور مافیہا کو چھوڑ دے۔

حضوری۔ حضور بضمتین۔ مصدر بمعنے حاضر ہونا نقیض غیب۔ توجہ حاصل کرنا۔ عزت حاصل کرنا۔ **غائب** از غیبت بالفتح۔ ضد حاضر۔ **دنیا**۔ نزدیک شوندہ چونکہ دنیا بہ نسبت عاقبت کے نزدیک ہے۔ لہذا یہ نام ہوا۔ یا مونث ادنیٰ مشتق از دنائت۔ دنیا چونکہ زبون ہے اس لئے یہ نام ہوا۔

اس شعر کا مطلب صاف ہے اور چنداں قابل تشریح نہیں۔ پہلے مصرع میں جو مطلب ادا کیا گیا ہے۔ وہی دوسرے مصرع میں بزبان عربی بیان ہوا ہے۔ حاضر ضد غائب ہے۔ پس عاشق اگر اپنے معشوق کے دربار میں حاضر رہنا چاہتا ہے۔ اور اس کے سامنے کچھ عزت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ غائب نہ ہو اس جگہ حضوری کے معنے صرف حاضر ہونے کے ہنیں لینے چاہئیں۔ کیونکہ یہ کہنا کہ اگر حاضر ہونا چاہتا ہے تو غائب مت ہو۔ چنداں فصیح ہنیں۔ اس لئے **حضور** سے یہاں مراد عزت اور توجہ حاصل کرنا ہے۔ یعنی عاشق اگر معشوق کی چشم عنایت چاہتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ اس سے کسی وقت جدا نہ ہو۔ اور ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہے۔ اس کو دل سے نہ بھلائے۔

عربی فقرے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر جسے تو محبت کرتا ہے اسے مل جاوے۔ تو پھر دنیا کو چھوڑ دے۔ یعنی اگر محبوب کی ملاقات حاصل کرے تو پھر ترک دنیا کردے۔ کیونکہ جب تک تو ایسا نہیں کریگا۔ تجھے وصال محبوب میں حقیقی اور کامل خوشی نہیں حاصل ہوگی

اس شعر کا مطلب ایک اور طرح بھی بیان ہوسکتا ہے۔ یعنی اگر **حضوری** اور عین **وصال** کو دو مختلف منازل قرار دیا جاوے۔ تو یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر حضوری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو تجھے ہر وقت اور ہر کام میں اپنے محبوب کا خیال رکھنا چاہئے یعنی ع بہر کارے کہ باشی با خدا باش۔ اس منزل پر صرف اتنا ضروری ہے۔ کہ تو اپنے محبوب کا خیال دل سے کسی وقت محو نہ کرے۔ تمام معاملات اور فرائض دنیوی کو بھی سرانجام دے۔ مگر ساتھ ہی اپنے محبوب کو ہر وقت اور ہر فعل میں یاد رکھے۔ لیکن دوسرے مصرع میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اگر تو منزل حضوری سے گذر کر ملاقات یعنی وصال حاصل کرلے۔ تو پھر دنیا کو قطعاً ترک کردے۔ اور فنافی المحبوب ہوجا۔

بعض شارحین نے دوسرے مصرعہ پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ پہلے ملاقات حاصل کرکے پھر دنیا کو چھوڑنے کے کیا معنے۔ پہلے دنیا کو چھوڑ کر پھر حصول وصال کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ اعتراض یوں بھی قابل التفات نہیں ہے۔ مگر اس شعر

کی جو دوسری صورت معانی بیان کی گئی ہے - اس صورت میں یہ اعتراض بالکل وارد ہی نہیں ہو سکتا ء

غزل (۲)

اے فروغ ماہ حسن از روے رخشانِ شما	۱	آبروے خوبی از چاہِ زنخدانِ شما
عزم دیدار تو دارد جان برلب آمدہ	۲	باز گردد یا بر آید چیست فرمانِ شما
کے دہد دست این غرض یارب کہ ہمدستان شوند	۳	خاطر مجموع ما زلفِ پریشانِ شما
کس بدور نرگست طرفی نہ بست از عافیت	۴	بہ کہ نفروشند مستوری بمستانِ شما
بخت خواب آلود ما بیدار خواہد شد مگر	۵	زانکہ زد بر دیدہ آبے روے رخشانِ شما
با صبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستہ	۶	بو کہ بوے بشنویم از خاکِ بستانِ شما
دل خرابی میکند دلدار را آگہ کنید	۷	زینہار اے دوستان جانِ من و جانِ شما
عمرتان باد و دراز اے ساقیان بزم جم	۸	گرچہ جامِ ما نشد پُر مے بدورانِ شما
اے صبا با ساکنان شہر یزد از ما بگو	۹ ق	کاے سرِ ناحق شناسان گوے میدانِ شما
گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست	۱۰	بندۂ شاہِ شمائیم و ثنا خوانِ شما
دور دار از خاک و خون دامن چو بر ما بگذری	۱۱	کاندرین رہ کشتہ بسیارند قربانِ شما
اے شہنشاہ بلند اختر خدارا ہمتے	۱۲	تا ببوسم ہمچو گردون خاکِ ایوانِ شما
۱۳	میکند حافظ دعائے بشنو آمینے بگو روزئ ما باد لعل شکر افشانِ شما	۱۳

(۱) ترجمہ - اے کہ ماہ حسن کی چمک تیرے روشن چہرے سے ہے - حسن کی آبرو تیرے چاہ زنخدان سے ہے -

فروغ - بفتحتین بمعنے روشنی - ماہ حسن - حسن کا چاند - یہاں بمعنے حسن مطلق) -

زنخدان۔ بمعنے زنخ و ذقن۔ و آن زائد

معشوق کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ تمام عالم میں جسقدر حسن ہے۔ اس کی خوبصورتی اور اس کی روشنی کا منبع صرف تیرا روشن چہرہ ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے۔ کہ چاند کی روشنی ذاتی نہیں۔ بلکہ آفتاب کی روشنی کا پرتو ہے۔ یعنی چاند بنفسہ روشن نہیں۔ سورج کی شعاعیں اس سے منعکس ہو کر چاند کو روشن دکھاتی ہیں۔ اسی طرح شاعر کہتا ہے۔ کہ حسن کے چاند کی روشنی یعنی سارے جہاں کے حسینوں کا حسن تیرے حسن کا پرتو ہے۔ تیرے روشن چہرہ کی روشنی ہر ایک خوبصورت شے پر پڑ کر اسے خوبصورت دکھاتی ہے۔

فکل ملیح حسنہ من جمالہ		معار لہ بل حسن کل ملیحتہ	(لمعات)

یعنی جسقدر خوبصورت ہیں۔ ان کی خوبصورتی اسی کے جمال سے عاریت لی ہوئی ہے اہل تصوف کے نزدیک تمام جہاں کے نور کا ماخذ نور الٰہی ہے۔ وہ چونکہ اس کی ذات کے سوا اور کسی کو موجود ہی نہیں گنتے۔ اس لئے کسی چیز کا جمال بھی جمال الٰہی سے الگ شمار نہیں کرتے۔

آں را کہ بجز د وجود نبود		او راز کجا جمال باشد	(لمعات)

دوسرے مصرعہ کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلے مصرعہ کا ہے۔ پہلے مصرعہ کی طرح الفاظ مجاز میں مکرر وہی حقیقت ظاہر کی ہے۔ اور کہا ہے کہ خوبی یعنی حسن کی رونق تیرے ہی چاہ زنخداں سے ہے۔

اس مصرع میں نزاکت یہ ہے۔ کہ لفظ آب اور چاہ کو بہ صنعت ایہام استعمال کیا گیا ہے۔ اگر آب کو بمعنے معروف پانی کہا جاتے۔ تو گویا مصرع ہذا کا یہ مطلب ہوا۔ کہ خوبروئی کا تمام پانی تیرے ہی چاہ زنخداں سے آیا ہوا ہے۔ مگر الفاظ کی صرف نزاکت استعمال ہی ہے۔ مطلب بس اتنا ہی ہے کہ تمام حسن کی آبروی تیرے ہی زنخداں کی وجہ سے ہے۔

(۲) ترجمہ۔ لبوں پہ آئی ہوئی جان تیرے دیدار کا ارادہ رکھتی ہے۔ واپس ہو جائے یا باہر آجائے۔ تمہارا کیا حکم ہے۔

شعر صاف ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ جان لبوں پر آئی ہے۔ اور تیرے دیدار کی شایق ہے۔ اب تیری مرضی پر منحصر ہے کہ تو اسے دیدار دے کر دوبارہ زندگی بخشے یا اسے دیدار سے محروم رکھے۔ اور اسی حرمان میں وہ قالب سے جدا ہو جائے۔

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم		پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد	

دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ کہا جائے کہ جان تیرے دیدار کے ارادے پر جسم خاکی سے چل کر لبوں تک آپہنچی ہے۔ اب تیرے حکم کا انتظار ہے۔ اگر تو اجازت دے۔ تو لبوں سے بھی باہر آکر تیرا دیدار کرلے یا پھر واپس اپنی جگہ پر چلی جاوے۔ یہ کہا گیا ہے کہ سوائے موت کے وصال محبوب مکمل نہیں ہوتا۔ دم واپسین پر کشف الغطا کا ہونا بھی اسی اصول کی تائید میں ہے۔ نزع کے وقت خالق و مخلوق کے درمیان جو پردہ ہوتا ہے وہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور آدمی کو دیدار الٰہی حاصل ہو جاتا ہے

(۳) ترجمہ۔ اے خدا یہ مدعا کب حاصل ہوگا کہ متفق ہو جائیں۔ میری دلجمعی اور تمہاری زلف پریشان۔

دست دادن۔ میسر ہونا۔ ہمدستان۔ ہمدست۔ شریک متفق برابر۔ ہمقدرت۔ ان زائد یا بمعنے ہمداستان۔ بہ تخفیف الف یعنے ہمکلام

معشوق کی زلف پریشان ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ عاشق کے دل کو بھی اپنے سودا میں پریشان رکھتی ہے۔ خواجہ صاحب دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ دن کب ہوگا۔ جب میری دلجمعی اور تیری زلف پریشان متفق ہونگی۔ بجائے ہمداستان کے ہمدست مراد لینا زیادہ موزون ہے۔ لیکن جسطرح خاطر مجموع ما اور زلف پریشان شما میں لفظی تضاد ہے اسی طرح ان دونو کا فی الواقع یک جا ہونا بھی اجتماع ضدین ہوگا۔ تاہم عاشق کی یہ خواہش ضرور ہوتی ہے۔ کہ اسے جمعیت دل بھی نصیب ہو اور زلف پریشان کا سودا بھی رہے۔

دیکھو ردیف ہذا غزل (۱۰) شعر (۳)

(۴) ترجمہ۔ کسی نے تیرے نرگس کے عہد میں آرام حاصل نہ کیا۔ اچھا ہے۔ کہ تیری مست آنکھوں کے ہاتھ مستوری بیچ دیں۔

نرگس ۔ چشم مست معشوق ۔ **طرف بستن** ۔ حاصل کرنا ۔ فائدہ و نفع اٹھانا
وجہ تسمیہ یہ ہے کہ طرف کے معنی کلیچہ کمر کے ہیں ۔ جو آرائش کے لئے باندھتے ہیں ۔ **مستوری**
ضد مستی ۔

مطلب یہ ہے کہ تیری مست آنکھوں کے عہد میں کسی کو آرام نصیب نہ ہوا اس لئے بہتر ہو کہ عاشق اپنی مستوری یعنی ثقاہت و ہوش کو تیری مست آنکھوں کے بدلے بیچ ڈالیں ۔
اس شعر میں پھر ظاہر کیا گیا ہے کہ عاشق کو جب تک وہ ہوش بیچکر مستی نہ خریدے محبت کے مشکل راستہ پر آرام نصیب نہیں ہو سکتا ۔ اس کے علاوہ بفحوائے الناس علی دین ملوکھم جب دیار عشق میں عنان سلطنت ہی نرگس مست کے ہاتھوں میں ہے ۔ تو ضرور ہے کہ حصول عافیت کے لیے عشاق کو وہی مستی کی زندگی بسر کرنی چاہیئے ۔
حدیث میں آیا ہے ۔ الدنیا ساعۃٌ ولیس فیھا راحۃ چونکہ دنیا میں فی الحقیقت راحت مشکل ہے ۔ اور خاص کر دنیا دار آدمی کو یقیناً مرتے دم تک آرام نصیب نہیں ہوتا اس لئے بہتر ہے کہ انسان مستوری کو مستی کے بدلے فروخت کرے ۔ یعنی عشق الہی کے نشہ میں سرشار ہو جاوے ۔ تاکہ دنیا کے رنج و الم اسے ہر وقت مضمحل نہ رکھیں ۔

ساقیا برخیز و در دہ جام را		خاک بر سر کن غم ایام را		

اپنی مستوری کو معشوق کی مستی چشم پر نثار کرنے سے شاعر نے یک گونہ مسئلہ تسلیم و رضا کی طرف بھی اشارہ کیا ہے ۔ اور اس کی تصدیق کی ہے ۔

در کارخانہ کہ بنا کش بغفلت است		ہشیار زیستن نہ ز قانون حکمت است		

(۵) **ترجمہ** ۔ شاید ہمارا سویا ہوا نصیبہ جاگ اٹھے ۔ کیونکہ آنکھوں پر تیرے روشن چہرے نے پانی گرایا ہے ۔
عام دستور ہے کہ سوئے ہوئے آدمی کو جگانے کے لئے اس پر پانی چھڑکا جاتا ہے ۔ نیز اگر آدمی خواب سے بیدار ہو کر بھی پورے طور پر ہوش میں نہ آئے ۔ اور ابھی تک اثر خواب باقی ہو ۔ تو بھی منہ یا آنکھوں پر پانی چھڑکا جاتا ہے ۔ کہ آدمی بالکل ہوشیار ہو جائے شاعر کہتا ہے ۔ کہ میرے سوتے ہوئے نصیب اب شاید جاگ اٹھیں گے ۔ کیونکہ تیرے

روشن چہرے نے آنکھوں پر پانی چھڑکا ہے۔ عاشق کی آنکھ یوں بھی پرنم ہوتی ہے اور پھر کسی روشن چیز کو دیکھکر آنکھوں میں اور بھی پانی آجاتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ اے محبوب تیرے روشن چہرہ کا نظارہ چونکہ مجھے نصیب ہوا ہے اس لئے اب امید ہے کہ میرے سوئے ہوئے نصیب جاگ اٹھیں گے۔ ظاہر ہے کہ معشوق کا دیدار خود بھی ایک اعلےٰ خوش نصیبی ہے۔

مظہر جان جاناں کی آنکھوں سے تو سیلاب چل گئے۔ مگر اس کا بخت گرانخواب بیدار نہ ہوا۔

آئے نزد بروے گرانخواب بخت ما		با آنکہ گریہ داد بہ سیلاب رخت ما	

لفظ مگر کے معنے اس شعر میں لیکن نہیں بلکہ شاید ہیں۔

(۶) **ترجمہ** - صبا کے ہمراہ اپنے چہرہ سے ایک گلدستہ بھیج۔ شاید کہ ہم بھی تیرے باغ کی خاک کی خوشبو سونگھ سکیں۔

بو - مخفف بود بمعنے شاید۔ **بشنویم** از شنیدن بالفتح بہ مصدر۔ دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ سننا اور سونگھنا یہاں سونگھنا ہے۔ **بستان** - مخفف بوستان یعنی باغ۔

آواز اور خوشبو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک چونکہ صرف ہوا کے ذریعے پہنچتی ہے اس لئے شاعر ہمیشہ عاشق و معشوق کے درمیان قاصد کا کام باد صبا سے لیتے ہیں۔ رخسار معشوق کو بوجہ سرخی - نزاکت اور خوشبو کے گل سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہاں گلدستہ سے مراد صرف خوشبو کے لینے چاہئیں۔ کیونکہ صبا گلدستہ کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک نہیں پہنچا سکتی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ صبا کے ذریعے گل رخسار کی خوشبو مجھ تک بھیج۔ تاکہ میں بھی تمہارے گلشن کی سرزمین کی خوشبو سے اپنے دماغ کو معطر کرسکوں۔

(۷) ترجمہ - دل خرابی کرتا ہے۔ معشوق کو خبر دو۔ ضرور اے دوستو میری اور تمہاری جان کی قسم ہے۔

چونکہ عاشق کا دل اپنے قابو میں نہیں ہوتا۔ بلکہ معشوق کے بس میں ہوتا ہے۔ اس لئے اگر دل کوئی خرابی برپا کرنے لگے تو ضرور ہے۔ کہ دلدار کو اطلاع دی جائے۔ کیونکہ وہی اسے روک سکتا ہے۔ اسی لئے عاشق دوستان ہمشرب کو اپنی اور ان کی جان کی قسم دے کر بڑے زور سے کہتا ہے۔ کہ وہ اس کے معشوق کو خبر کریں تاکہ وہ دل کو خرابی سے روک لے۔ عاشق کا دل جو خرابیاں کر سکتا ہے۔ وہ ظاہر ہیں قابل تشریح نہیں۔ شارحین نے یہ بھی معنے کئے ہیں۔ کہ اب طاقت اخفائے راز نہیں رہی۔ دل اس راز کو افشا کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے دلدار کی مدد کی درخواست کی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک دل قابو میں رہیگا۔ راز کا اخفا ممکن ہے۔ مگر جب دل قابو سے گیا۔ تو عاشق ہزارہا ایسی باتیں کرنے لگتا ہے۔ جن سے رازِ عشق کھل جاتا ہے۔ خواجہ حافظ نے خود بھی اس خیال کو دوسری جگہ ظاہر کیا ہے

	دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا		دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا	

(۸) ترجمہ۔ اے بزم جم کے ساقیو تمہاری عمر دراز ہو۔ گرچہ ہمارا پیالہ تمہارے عہد میں شراب سے کبھی نہ بھرا۔

جم بمعنے جمشید جام کو جم سے یہ نسبت ہے کہ سب سے پہلے جمشید نے جام ایجاد کیا۔ **بزم جم**۔ سے مراد بھی بزم مے ہے۔

ساقیان بزم جم سے مخاطب ہو کر عاشق کہتا ہے۔ کہ اگرچہ تمہارے عہد میں ہم کو کبھی شراب سے بھرا ہوا پیالہ نصیب نہیں ہوا۔ تو بھی ہماری دعا یہی ہے۔ کہ خدا تمہاری عمر دراز کرے کیونکہ جتنا بھی شراب ہم کو ملا ہے۔ وہ آپ کی مہربانی سے ہے۔ اور اس کا شکریہ لازم ہے۔ اور آئندہ بھی اگر کچھ امید ہے۔ تو تم سے ہی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی قاعدہ ہے۔ کہ میخوار کو اگر ہزار جام پُر دیا جاوے پھر بھی وہ کمی کی شکایت ہی کریگا۔ جام کیا اگر ساقی خم کے خم ہی لنڈھا دے تو بھی میخوار کی تسلی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ صدائے ہل من مزید ہی سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح عاشق حق کو بھی کبھی سیری نہیں ہوتی۔ وہ جتنا اپنے محبوب کے قریب ہوتا ہے۔ اتنی ہی "آتش عشق تیز تر گردد"۔ مے سے مراد جو صوفیائے کرام لیتے ہیں۔ وہ مفصل لکھی جا چکی ہے۔ اور اس لیئے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

لفظ دوراں کے استعمال میں بھی ایک خوبی ہے۔ جو قابل ذکر ہے۔ وہ یہ ہے کہ لفظ دوراں گرچہ یہاں بمعنے عہد لیا گیا ہے۔ مگر بزم مے میں دور ساغر بھی ہوتا ہے۔ اور یہاں کنایتاً دور ساغر سے بھی مراد لی جا سکتی ہے۔

بعض شارحین کو ہر شعر کے حقیقی معنے اور معنوی مطلب کے بیان کرنے کا اتنا شوق ہے کہ انہوں نے جم سے مراد حضور سرور کائنات کی ذات خاص لی ہے اور ساقیان بزم جم کو صحابہ کرام رضا سے تاویل کیا ہے۔ مگر کیا ضرور ہے کہ اس حد تک تاویلیں کی جاویں۔ اصطلاحات تصوف میں سب کچھ درست ہے۔ مگر پھر بھی ع

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

(۹) ترجمہ۔ اے صبا یزد کے باشندوں کو ہماری طرف سے کہو۔ کہ اے ناحق شناسوں کا سر تمہاری میدان کی گیند ہو۔

(۱۰) ترجمہ۔ گرچہ ہم قرب سے دور ہیں۔ ہمت دور نہیں۔ ہم تمہارے بادشاہ کے غلام اور تمہارے ثنا خواں ہیں۔ ہمت۔ قصد دل۔ ارادہ۔ نیز بمعنے دعا۔

یہ دونو شعر قطعہ بند ہیں اور اسی لے ان دونو کی تشریح یک جا لکھنی مناسب ہے اس غزل میں اب تک مطالب عشق کا بیان رہا ہے۔ اب ان دو شعروں میں شاعر نے بطریق گریز جو صنعت قطع الکلام کی ایک قسم ہے فوراً روئے سخن دوسری طرف کر لیا ہے۔ اور شہر یزد کے باشندگان اور بادشاہ کی دعا اور مدح میں یہ دو شعر کہ کر پھر بطریق سابق بیان عشق میں باقی غزل لکھی ہے۔

شعر نمبر (۹) میں صنعت اعتراض ہے۔ چنانچہ شاعر نے ضمن کلام میں دوسرا مصرع سالم دعائیہ لکھا ہے۔

اس شعر میں بھی حسب دستور صبا کو قاصد بنایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے صبا میری طرف سے جا کر اہل یزد کو کہ اے اہل یزد (خدا کرے کہ ناشکر گذاروں کے سر تمہارے چوگاں کی گیند نیں) میں گرچہ تم سے دور ہوں۔ میں میرا دل تم سے دور نہیں۔ میں تمہارا دعا گو ہوں اور یہاں اس فاصلہ پر بھی تمہارے بادشاہ کا غلام ہوں اور تمہارا مداح۔

۔یہاں دعائیہ فقرہ کے استعمال میں ایک اور نزاکت بھی ہے۔ کیونکہ یہ فقرہ صرف بغرض دعا استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ شاعر کو اپنے بیان کی راستی کی تائید بھی اس دعا سے مطلوب ہے۔ گویا شاعر کہتا ہے کہ اے اہل یزد اگرچہ میں تم سے دور ہوں۔ مگر ناحق شناس نہیں ہوں۔ میرا دل تمہارے نزدیک ہے۔ تمہارا اور تمہارے بادشاہ کا مداح ہوں۔ خدا تمہارے ناحق شناسوں کے سروں کو پامال کرے۔

ایک شارح صاحب نے اس دعائیہ جملہ کے یہ معنے کئے ہیں۔ کہ اے اہل یزد تم نے ناحق شناسوں کے سروں کو اپنے کھیلنے کی گیند بنایا ہے۔ یعنی غیروں سے ربط وضبط پیدا کیا ہے۔ یہ معنی عجیب ہیں۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ حقیقی معنے بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو صرف ظاہر دار تھے اور دل میں عشق حقیقی کا جذبہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ محبوب حقیقی کے پاس پہنچ گئے اور ہم رہ گئے۔ العجب۔

(۱۱) **ترجمہ**۔ جب تو ہمارے پاس سے گذرے تو دامن کو خاک وخون سے بچانا۔ کیونکہ اس راہ میں بہت تم پر قربان ہو چکے ہیں۔

عاشق ہمیشہ اپنے آپ کو معشوق کے ادا کا کشتہ خیال کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ کشتگان خنجر تسلیم۔ کشتہ ناز وغیرہ وغیرہ الفاظ کا استعمال عام ہے۔ بخون غلطیدن بسمل بھی اسی قبیل سے ہے۔ شاعر اپنے معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ کہ اگر تو کبھی مہربانی کر کے مجھ بسمل کے پاس سے گزرے تو اپنے دامن کو خون وخاک سے بچانا۔ کیونکہ جس راہ پر میں خاک وخون میں تڑپ رہا ہوں وہاں اور بھی ہزاروں عاشق قربان ہو چکے ہیں اور تمام راہ پر خون گرا ہوا ہے دامن بچا کر چلنا کہ اس پر خون کا نشان نہ ہو جائے مگر معشوق کو اس بچ کر چلنے سے کیا فائدہ عاشق اسکی حنا سے کف پا کو کہدینگے۔ کہ شہیدوں کا خون ہے۔ یا یہ کہ دینگے کہ

	آلودہ کرد خنجرؑ از خون عاشقاں		ایں طرفہ مکر بین کہ حنارا بہانہ ساخت	

جرم تو پھر بھی ثابت ہوگا۔

ایک شارح صاحب جو شعروں کا معنوی مطلب بیان کرنے کے بہت شائق ہیں اس شعر کے حقیقی معنے یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ اے مرشد کامل اگر تو ہمارے پاس ہو

ہوکر گزرے یعنی لوگوں کو اپنا مرید بناتے تو خاک و خون سے اپنا دامن بچائے رہنا۔ یعنی دنیا داروں اور ظاہر پرستوں سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ وہ بھی گرچہ تجھ پر قرباں ہیں۔ مگر ذاتی اور دنیاوی اغراض کی وجہ سے۔ ہم تیرے سچے طالب ہیں غیروں پر فیضاں ضائع نہ کر اور ان سے بچا رہ"۔

(۱۲) ترجمہ۔ اے بلند اختر بادشاہ خدا کے لئے ہمت بخش۔ تاکہ آسمان کی طرح تمہارے خاک ایوان کو بوسہ دوں۔

ایوان - بالفتح۔ ایواں بالکسر و یاے معروف معرب۔ نشستگاہ بلند جس پر چھت ہو۔

اس شعر میں شاعر نے اپنے معشوق یا ممدوح کی ایوان کی عظمت و رفعت کو بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ جس طرح آسمان تیرے ایوان کو چومتا ہے۔ اسی طرح مجھے بھی اتنی اولوالعزمی اور رفعت نصیب ہو کہ میں بھی تیرے ایوان کے فرش کو چوم سکوں۔ گویا فرشِ ایوان آسمان سے بھی اوپر ہے۔ کہ آسمان نیچے سے اسے چومتا ہے۔

ظہیر فاریابی نے قزل ارسلان کی مدح میں لکھا تھا کہ

فریاد من ز ظارم گردوں گزشت نیست		امکان آن کہ زحمت آں آستان دہد	
نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پا		تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد	

جس پر حضرت شیخ سعدی نے تعریض لکھی۔

چہ حاجت کہ نہ کرسئے آسماں		نہی زیر پائے قزل ارسلاں	

(۱۳) ترجمہ۔ حافظ دعا کرتا ہے۔ سنو اور آمین کہو۔ کہ تمہارا لعل شکر افشاں ہمارے نصیب ہو۔

لعل شکر افشاں - لب لعل معرب لال جوہر سرخ رنگ قیمتی۔ لب کو بوجہ سرخی لال سے تشبیہ دیتے ہیں اور بوجہ شیرینی شکر افشاں کہا ہے۔ لب لعل شکر خا بھی کہا ہے۔

اس دعا میں حافظ صاحب اپنے معشوق کو بھی شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں

دوسرے لفظوں میں معشوق سے اس درخواست کے منظور کرنے کی التجا کرتے ہیں۔ لطافت بیان قابل داد ہے۔

خواجہ صاحب نے دعا کرنے سے پہلے ہی آمین کی درخواست کردی ہے۔ اس تقدیم و تاخیر کی وجہ ظاہر ہے۔ شعر الف ۱/۲ میں بھی خواجہ صاحب معشوق کو اسی قسم کی دعا میں شریک ہونے کو کہتے ہیں۔

غزل (۴)

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا	۱	دردا کہ راز پنہان خواہد شد آشکارا
دہ روزہ مہر گردون افسانہ ایست و افسون	۲	نیکی بجائے یاران فرصت شمار یارا
کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز	۳	باشد کہ باز بینیم آن یار آشنا را
در حلقۂ گل و مل خوش خواند دوش بلبل	۴	ہاتِ الصَّبُوحَ ہُبُّوا یا ایہا السُّکارا
اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت	۵	روزے تفقدے کن درویش بینوا را
آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است	۶	با دوستان تلطف با دشمنان مدارا
در کوئے نیکنامے ما را گذر ندادند	۷	گر تو نمے پسندی تغییر کن قضا را
آئینۂ سکندر جام جم است بنگر	۸	تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا
سرکش مشو کہ چون شمع از غیرتت بسوزد	۹	دلبر کہ در کف او موم است سنگ خارا
گر مطرب حریفان این پارسی بخواند	۱۰	در رقص حالت آرد پیران پارسا را
آن تلخوش کہ صوفی ام الخبائثش خواند	۱۱	اشہیٰ لنا و احلیٰ من قبلۃ العذارا
ہنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی	۱۲	کاین کیمیائے ہستی قارون کند گدا را
خوبان پارسی گو بخشندگان عمرند	۱۳	ساقی بدہ بشارت پیران پارسا را
حافظ بخود نپوشید این خرقۂ مے آلود	۱۴	اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

(۱) ترجمہ - دل ہاتھ سے جاتا ہے - اے صاحبدلو! خدا کے لئے (مدد کرو)
افسوس کہ مخفی راز فاش ہو جائیگا -
صاحب دل - اہل دل - وہ آدمی جس کے پہلو میں دل ہو اور دل میں درد ہو - **خدارا** برائے خدا مدد کرو -
جب عشق ابتدائے منزل سے گذر جاتا ہے تو عاشق کا دل رفتہ رفتہ بیقرار اور قابو سے باہر ہوتا جاتا ہے - ابتدا میں جب تک دل کے ساتھ پاسبان عقل ہوتا ہے دل اختیار میں ہوتا ہے - اور رازِ عشق پوشیدہ رہتا ہے - مگر جسقدر آتش عشق تیز تر ہوتی ہے - اُسی قدر دل بھی عاشق کے قابو سے نکلتا جاتا ہے - اور پھر عاشق کے حرکات وسکنات تابع عقل نہیں رہتے - ظاہر ہے کہ اس صورت میں راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا -
خواجہ حافظ صاحب بزرگانِ ہمشرب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں - کہ میرا دل قابو سے باہر ہو رہا ہے - برائے خدا میری مدد کرو ورنہ افسوس کہ رازِ عشق جواب تک میں نے بصد محنت پوشیدہ رکھا ہوا تھا ظاہر ہو جائیگا - نیز دیکھو شعر ۳ پہلا +
(۲) ترجمہ - زمانہ کی دہ روز محبت ایک افسانہ اور افسوں ہے - اے دوست دوستوں کے ساتھ نیکی کرنا غنیمت جان -
افسانہ - سرگذشت - ماجرا - حکایت بے اصل مجاز - **افسوں** - از قسم سحر
دہ روزہ - تعین اعداد سے غرض نہیں - دہ روزہ یا دوروزہ سے مراد صرف یہ ہے - کہ دنیا میں انسان کا قیام بہت تھوڑا ہے - اسی طرح بہت تعداد ظاہر کرنے کے لئے ہزار یا دہ ہزار کہدیتے ہیں - وہاں بھی مراد ہزار یا دہ ہزار سے نہیں ہوتی
یہ شعر اخلاق میں ہے اور بالکل صاف ہے - مطلب یہ ہے - کہ دنیا کی چند روزہ ہستی محض خواب وخیال ہے - قرآن شریف میں بھی دنیا کو لہو و لعب کہا گیا ہے
اگر کسی کے ساتھ کچھ نیکی ہو سکتی ہے - تو کر اور موقعہ کو غنیمت جان -
حضرت شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں -

نیکی کن اے فلان وغنیمت شمار عمر	زان پیشتر کہ بانگ برآید فلان نماند

(۳۴) ترجمہ ۔ ہم کشتی پر بیٹھے ہیں اے موافق ہوا چل ۔ شاید کہ ہم پھر اس یار آشنا کو دیکھیں ۔

شرط ۔ بالضم ۔ باد موافق ونشانی وعلامت ۔ باد موافق کو بھی شرط اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ جہاز کے چلنے کی اور طوفان کے دور ہونے کی نشانی ہے ۔

میر نور الہ نے شرح گلستان میں لکھا ہے ۔ کہ شرط ان معنوں میں بالفتح ہے ۔

آشنا ۔ بمعنے شناور یعنی تیراک دشناوری یعنی تیرنا از برہان قاطع ۔

رسالہ عبدالواسع میں بھی لکھا ہے ۔ کہ آشنا بمعنی شناور وشناوری آیا ہے ۔ مثلاً مولانا روم نے لکھا ہے ۔ ع آشنا بگذار در کشتی نوح + امیر خسرو کہتے ہیں ۔ ع ماہی چوبین آب آشنا ۔ آشنا کے دوسرے معنی مشہور ہیں ۔

بعض نسخوں میں لفظ شستگانیم ہے اور بعض میں شکستگانیم ۔ بقول عبد الواسع اگر شکستگانیم پڑھا جاتے ۔ تو لفظ آشنا سے مراد شناور لی جاویگی ۔ اور اگر شستگانیم پڑھا جاوے تو آشنا سے مراد دوست ہوگی ۔

شعر کا مطلب صاف ہے ۔ کہ ہم کشتی پر سوار ہیں اور کشتی ٹوٹی ہوئی ہے ۔ اے باد موافق چل اور ہماری کشتی کو اس تیراک دوست کے پاس لے جا کہ وہ ہم کو بھی بچالے ۔ یا کہ ہم کشتی پر سوار ہیں اے باد موافق چل اور ہمیں اپنے دوست تک پہنچادے

اکثر شعرا نے حیات دنیا کو کشتی سے تشبیہ دی ہے ۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں ۔

جہاز عمر رواں پر سوار بیٹھے ہیں	سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

شیخ محمد ابراہیم ذوق نے کہا ہے ۔

ذوق اس بحر فنا میں کشتی عمر رواں	جس جگہ پر جالگی وہی کنارا ہوگیا

خواجہ حافظ نے بھی شب تاریک بیم موج والے شعر میں یہی تشبیہ استعمال کی ہے ۔ اور اس شعر میں پھر راہ عشق کو بحر فرض کر کے باد موافق سے التجا کی ہے کہ وہ انہیں منزل مقصود تک لے چلے ۔ تاکہ انہیں وصال یار نصیب ہو ؛

(۴) ترجمہ - حلقہ گل ومل میں کل بلبل کیا اچھا کہتی تھی - شراب صبوحی لاؤ - اے مستو جلد آؤ -

مل - بالضم - شراب - **صبوح** - بفتح میخواروں میں شراب کے نام بھی وقت وقت پر ہیں - صبح جو شراب پی جاتی ہے - اسے صبوح کہتے ہیں - اور جو شام کو پی جائے اسے غبوق - **سُکاری** - بفتح و بالضم - مستان -

حلقہ گل ومل سے وہ بزم مراد لی جانی چاہیئے - جو چمن میں ہو - کیونکہ گل و مل ہر دو کا ہونا ضروری ہے - اور پھر بلبل کا تو دوسری جگہ موجود ہونا اور بھی مشکل ہے - باغ میں بزم مے لگی ہے اور دور جام جاری ہے - صبح کا وقت ہے - بلبلیں چہچہا رہی ہیں - مستوں کے نزدیک ہر شے مست ہوتی ہے - **شعر**

خرد مست و ملائک مست و جاں مست		ہوا مست و زمیں مست و زماں مست		

نغمہ عندلیب سے انہوں نے یہی سمجھا - کہ شاید عنادل بھی دور ساغر کی تاکید کر رہی ہے -

(۵) ترجمہ - اے صاحب کرامت - سلامتی کے شکرانہ میں کسی روز درویش بے نوا پر مہربانی کر -

تفقد - تلاش گمشدہ - پرسش - مجازاً بمعنے دلجوئی - مہربانی و غمخواری -

درویش - اصل میں درآویز ہے - گدا چونکہ بوقت سوال دروازہ پکڑتا ہے اس لئے درآویز یا درویش ہوا - فقیراں صاحب معرفت اور خدارسیدگاں گوشہ نشین کو بھی درویش کہتے ہیں -

مولف غیاث اللغات کی رائے ہے کہ ان دوسرے معنوں میں اس لفظ کو بالضم برائے تمیز پڑھنا چاہیئے - کیونکہ ایک گدا اور ایک بزرگ خدارسیدہ کے لئے ایک ہی لفظ نامناسب ہے - درویش بمعنے ثانی مرکب از **در** بمعنے معروف و **ویش** بجائے وش کلمہ تشبیہ -

شکرانہ سلامت - اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں - ایک یہ کہ "اپنی سلامتی کے شکریہ میں" یعنی خدا نے تجھے بزرگی بخشی ہے - اس کے شکریہ میں مجھ پر نوازش کر -

دوم یہ کہ "ہدیہ سلام پیش کرتا ہوں" یعنی اے صاحب کرامت تجھ پر سلام ہو۔ مجھ پر بھی کبھی نظر عنایت فرما۔

لفظ شکرانہ میں جو کلمہ آنہ ہے۔ وہ کبھی بطور کلمہ لیاقت اور کبھی بطور کلمہ نسبت استعمال کیا ہوتا ہے۔ عموماً لفظ شکرانہ بمعنے پیشکش استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے شکرانہ سلامت میں دو معنوں کا احتمال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ شعر کا مطلب صاف ہے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔

(۶) ترجمہ۔ دونو جہانوں کا آرام ان دو حرفوں کی تفسیر ہے۔ دوستوں کے ساتھ لطف اور دشمنوں کے ساتھ مدارا

گیتی۔ بالکسر عالم دنیا۔ مدارا۔ دراصل مدارات ہے۔ کلام فارسی میں ت گرا دیتے ہیں۔ بمعنے صلح۔ آشتی۔ رعایت۔ یہ شعر بھی اخلاق میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا و عاقبت کا آرام اسی میں ہے۔ کہ آدمی دوستوں پر مہربان ہو اور دشمنوں کے ساتھ بھی صلح و آشتی رکھے اور ان کے ساتھ رعایت سے پیش آوے۔ تلطف اور مدارا میں اس قدر فرق ہے۔ کہ تلطف میں عملی ہمدردی اور امداد شامل ہے۔ اور مدارا میں صرف ضرر رسانی اور عداوت کی نفی کی گئی ہے۔ اور قدرے رعایت بھی شامل ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ کہ

شنیدم کہ مردان راہ خدا	دلِ دشمنان ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام	کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

دشمنوں کے ساتھ جو سلوک مردان خدا کا ہونا چاہیئے۔ وہ مندرجہ ذیل اشعاروں سے بھی واضح ہوتا ہے۔

اگر دشمن نسازد با تو اے دوست	ترا باید کہ با دشمن بسازی
دگر رنجے دہد مخروش و مخراش	توکل کن بہ لطف بے نیازی
دگر نہ چند روزے صبر فرما	نہ او ماند نہ تو نے فخر رازی

(۷) ترجمہ ۔ نیکنامی کے کوچہ میں مجھے نہ گزرنے دیا ۔ اگر تجھے پسند نہیں تو قضا کو تبدیل کر دے ۔

نداد ند کا فاعل عاملان قضا و قدر ہے ۔ **تغییر** ۔ بروزن تشریف ۔عام فارسی استعمال میں ایک ی تخفیف کر کے تغیر کہتے ہیں ۔ بدل دینا ۔

شعر کا مطلب تو صاف ہے ۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ مجھ کو عاملان قضا و قدر نے نیکنامی کے کوچہ سے گزرنے کی اجازت ہی نہیں دی ۔ یعنی میری قسمت میں ہی بدنامی لکھی ہے ۔ تو پھر میرا کیا اختیار ہے ۔ البتہ اگر تجھ کو یہ بات پسند نہیں ۔ تو میری قسمت کو تبدیل کر دے ۔ ظاہر ہے ۔ کہ مخاطب کو خواجہ صاحب کی قسمت میں تغیر کرنے کی طاقت نہیں ۔ صرف اپنی مجبوری کی تصدیق کرائی ہے ۔ کہ میں اگر مجبور ہوں ۔ تو تو ہی اگر کچھ کر سکتا ہے ۔ تو کر ۔

مسئلہ جبر و قدر

اس شعر میں خواجہ صاحب نے مسئلہ جبر و اختیار کی بحث چھیڑی ہے اور خود کو مجبور خیال کیا ہے ۔ چونکہ یہ ایک ضروری مسئلہ ہے اور اسی شعر میں نہیں ۔ بلکہ خواجہ صاحب کی کلام میں سینکڑوں جگہ اور دیگر شعرائے ایران و ہند کی تصنیفات میں ہزاروں جگہ اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ کہ جبر و اختیار کے متعلق مجملاً یہاں کچھ بیان کر دیا جاوے ۔

یہ مسئلہ ایسا ادق اور پیچیدہ ہے ۔ کہ اس پر قطعی رائے ابھی تک کوئی قائم نہیں ہوئی ۔ جبری اور اختیاری ہر دو فریق کے پاس ایسے ایسے دلائل موجود ہیں ۔ جن کا دوسرے کے پاس جواب نہیں ۔ پیشتر اس کے کہ اس مسئلہ کے متعلق مختلف فلاسفروں کے اقوال بیان کئے جاویں ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ کہ قوت ارادی اور قوت فیصلہ کے متعلق محققان فرنگ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں ۔ اس کا ذکر کیا جاوے ۔

پروفیسر سٹیوٹ لکھتا ہے ۔ کہ جب انسان کو کسی فعل کے کرنے

یا نہ کرنے کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے۔ تو پہلے اس کے دماغ میں ایک موازنہ کی کیفیت ہوتی ہے۔ خیال میں دو بالمقابل طریق عمل موجود ہوتے ہیں۔ اور ترازو کی طرح دل کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف مائل ہوتا ہے۔ آخر کار دماغ ایک طریق عمل پر پابند ہونے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ فرقہ اختیاری کی رائے ہے کہ جب دماغی موازانہ جاری ہوتا ہے۔ آدمی کے دل میں ایک نیا خیال یک لخت آکر دل کو ایک طرف یا دوسری طرف مائل کر دیتا ہے۔ اور یہ نیا خیال حالت موازنہ میں موجود نہیں ہوتا۔ اور نہ اس آدمی کی خلقت میں موجود ہو جاتا ہے اور نہ ہی اس آدمی کی گذشتہ زندگی اور نہ اس کی اجداد کی زندگی کے حالات کا اس نئے خیال کا کچھ تعلق ہوتا ہے۔ گویا یہ نیا خیال بالکل ہی ایک نئی چیز ہوتی ہے۔ جو عین اسوقت آموجود ہوتی ہے۔ برخلاف اسکے فرقہ جبریہ کی رائے ہے۔ کہ یہ فیصلہ کن خیال جو دماغی ترازو کے ایک طرف کو آکر بھاری کر دیتا ہے وہ نیا نہیں ہوتا بلکہ عمل موازنہ میں جو کوائف موجود ہوتے ہیں۔ انکا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ اب یہ امر تو مسلمہ ہے کہ جب انسانی دماغ اس حالت موازنہ سے حالت فیصلہ کی طرف انتقال کرتا ہے۔ تو یہ تبدیلی ایسی نامعلوم اور یک لخت ہوتی ہے کہ فریقین کی رائے کی تائید یا تردید کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ مگر چونکہ فرقہ اختیاری ایک نئے اور بالکل ہی نئے خیال کے پیدا ہو جانے کے حامی ہیں اس لئے بار ثبوت ان پر ہے۔ کہ وہ اپنے بیان کی تائید میں ثبوت پیش کریں ہم ان کے بیان کی مکمل تردید تو بیشک نہیں کر سکتے۔ مگر ان کے بیان کو صحیح ماننے پر بھی ہم مجبور نہیں۔

حالت موازنہ کو جیسا پہلے کہا گیا ہے کہ ترازو سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جس میں وزن کیا جا رہا ہو اور کبھی ایک پلڑا اور کبھی دوسرا پلڑا بیٹھتا ہو۔ جوں جوں یہ عمل موازنہ مکمل ہوتا جاتا ہے۔ پلڑوں کا اٹھنا بیٹھنا کم ہوتا جاتا ہے۔ اور آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ترازو کے پلڑے ایک خاص صورت

اختیار کرتے ہیں۔ یعنی ایک طرف صاف طور سے جھک جاتی ہے۔ اور اس حالت میں دماغ جس طریق عمل پر مائل ہو جاتا ہے۔ اس پر کاربند ہونے کا مصمم فیصلہ اور ارادہ کر لیتا ہے مگر یہ ایک سادہ خیال ہے۔ اس سے زیادہ پیچیدہ صورتیں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً دماغ دو مختلف طریق عمل کے درمیان موازانہ کر رہا ہے۔ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ دونوں پلڑے علی الترتیب اٹھتے اور جھکتے جاتے ہیں۔ اور کوئی خاص مستقل صورت اختیار کرتے ہی نہیں ایسی صورت میں فرقہ اختیاریہ کی رائے کے مطابق ضروری ہے۔ کہ کوئی نیا خیال اس مشکل کو حل کرنے کے لئے آموجود ہو اور ترازو کے ایک پلڑے میں آکر اُسے یقیناً اور مستقل طور سے جھکا دے۔ تاکہ دماغ صورت فیصلہ اختیار کرے اس پیچیدہ صورت کو فرقہ جبریہ یوں حل کرتا ہے۔ کہ جب صورت موازانہ جاری ہوتی ہے۔ اور کوئی فیصلہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ دل کبھی ایک فعل کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور کبھی دوسرے کی طرف اور یہ کشمکش جاری ہوتی ہے۔ اس وقت فیصلہ کرانے والی دو صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ انسان کو اس موازنہ کی حالت سے اگر وہ بہت دیر تک رہے نفرت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ صورت تکلیف دہ ہے۔ دوم یہ کہ دنیا کے واقعات آدمی کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہ کچھ فیصلہ ضرور کرے اور کسی نہ کسی طریق عمل کو ضروری عملی جامہ پہنائے۔ اور جب یہ صورت ہو جاتی ہے۔ کہ دماغ موازانہ سے تنگ آجاتا ہے۔ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ تو دماغ ایک طرفہ ایسی لاپرواہی سے مائل ہو جاتا ہے جیسے ہم سیگریٹ بکس میں سے ایک سیگریٹ اٹھا لیتے ہیں۔ اور یہ پرواہ نہیں ہوتی۔ کہ کون سا اُٹھائیں۔ آدمی بھی ایسی صورتوں میں دو مختلف طریقوں سے ایک کو ایسی ہی بے پرواہی سے اختیار کر لیتا ہے۔

جب دماغ فیصلہ کر لیتا ہے۔ کہ کون سا کام کرتا ہے۔ تو پھر وہ خیال اس کے دل میں رفتہ رفتہ محکم ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض آدمی ایسے ضدی پیدا ہوئے ہیں۔ کہ وہ اس خیال سے ہرگز نہیں ٹلتے اور بعض آدمی ایسے کمزور بھی پیدا ہوئے ہیں۔ کہ جن کا فیصلہ کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ نہ ان کو خود اپنی قوت فیصلہ پر اعتبار ہے اور نہ لوگوں کو۔ اسی بحث میں حکمائے فرنگ نے ان افعال کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو انسان سے بے اختیار

اور بے قصد سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور ان تصورات کا بیان بھی کیا ہے جو خود بخود انسان کے دماغ میں محکم ہو جاتے ہیں۔ انسانی وجود کے اندر بعض ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کا نتیجہ آدمی کی قوت ارادی کے ماتحت نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک خاص مستقل ارادہ کے برخلاف بھی انسان سے بعض فعل سرزد ہو جاتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک فوج نے ایک پہاڑی کی چوٹی پر اندھیری رات میں ایک قلعہ کو سر کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ خاموشی اس فتح کے لئے لازمی ہے۔ کھانسنا یا چھینکنا اس تمام مہم کی بربادی کا موجب ہوگا۔ اب ایک سپاہی کے ناک کے اندر کی جھلی میں بہت زور سے بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے ارادہ کو اور محکم کرتا ہے اور ہر ذریعہ سے چھینک کو روکتا ہے۔ مگر وہ نہیں رُکتی۔ گویا جسم کے اندرونی عمل نے اس کی قوت ارادہ کو مغلوب کر لیا ہے۔

اور کئی ایسی مثالیں ہیں جہاں قوت ارادہ ایک طرز عمل کو چاہتی ہے۔ مگر انسانی وجود اور دماغ کے بعض عارضی کوائف اس وقت ایسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو ایک تصور محکم دماغ میں قائم کر دیتے ہیں۔ یہ تصور گرچہ عارضی ہوتا ہے۔ اور عارضی خیالات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر اسقدر محکم ہوتا ہے۔ کہ قوت ارادہ پر عارضی طور سے غالب آجاتا ہے مثلاً ایک آدمی ایک نہایت بلند مینار پر چڑھتا ہے۔ اور اس کے دل میں معاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر آدمی یہاں سے گرے تو کیا نظارہ ہو۔ ہر چند اس کی قوت ارادی اس کے خلاف ہے۔ اور وہ فیصلہ کرتا ہے۔ کہ گرنا مہلک ہے اور میں کبھی نہ کرونگا۔ مگر وہ تصور محکم جس کا پہلے ذکر کیا ہے۔ وہ ایسا دلکش اور محکم ہے کہ وہ غالب آجاتا ہے۔ اور بعض ایسے واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ کہ آدمی نہایت بلند میناروں سے باوجود قوت ارادہ اور فیصلہ کے برخلاف ہونے کے محض اپنی تصورات محکمہ سے مغلوب ہو کر گر پڑے ہیں۔

پروفیسر ریبٹ نے ایک آدمی کی مثال لکھی ہے۔ جس کے دل میں اپنی ماں کو قتل کرنے کا تصور محکم پیدا ہو گیا۔ اس نے ماں کو کہا کہ میں تیرا نہایت ممنون ہوں۔ میں تہ دل سے تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ مگر کچھ عرصہ سے میرے دل میں

میں یہ تصور جاگزین ہوگیا ہے۔ کہ میں تجھے ماردوں۔ اس تصور محکمہ سے تنگ آکر وہ گھر بار چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اور فوج میں نوکری کر لیتا ہے۔ وہاں جاکر یہ تصور محکمہ بدل جاتا ہے اور اپنی سالی کو مارنے کا خیال ہو جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد کسی نے اسے کہا کہ تیری سالی فوت ہو چکی ہے۔ اس لئے وہ اپنے گھر واپس آتا ہے۔ مگر وہاں جاکر یہ دیکھتا ہے۔ کہ اس کی سالی زندہ موجود ہے۔ اس کو اس واقعہ سے نہایت رنج ہوتا ہے اپنے بھائی کو کہتا ہے کہ مجھ کو مضبوط رسی سے باندھ کر ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ کہ مجھے پاگل خانہ میں داخل کرے۔

پاگل خانہ کے ڈاکٹر کو جو چھٹی اس نے لکھی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ "میں آپ کے ماتحت آرہا ہوں۔ میں وہاں ایسا ہونگا۔ جیسے کہ میں اپنی پلٹن میں رہتا تھا۔ آپ خیال کریں گے۔ کہ میں اچھا ہو گیا ہوں۔ مگر آپ کبھی یقین نہ کریں۔ اور مجھے کبھی باہر نہ نکلنے دیں۔ میری آزادی کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ میں ایک ایسے جرم کا ارتکاب کرونگا۔ جس سے مجھے خود نفرت ہے۔"

تصورات محکمہ جو جسمانی حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں وہ دماغی صحت کی صورت میں بھی واقعہ ہو جاتے ہیں۔

انسانی خیالات کی رو اس کی قوت ارادہ کی پورے طور پر مطیع نہیں ہے۔ مثلاً ہر ایک آدمی چاہتا ہے۔ کہ اسے دنیا کے افکار مضمحل نہ کریں اور وہ ان کی طرف بالکل متوجہ ہی نہ ہو۔ وہ اس کا پختہ ارادہ بھی کرتا ہے۔ مگر تمام دنیا میں کسی آدمی کا دماغ ایسا زبردست طاقت ور نہیں کہ وہ اس آرادہ میں کامیاب ہو سکے

حکمائے فرنگ نے اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آزادی ارادہ یعنی اختیار فعل مکمل طور سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ بحث ایسی پیچیدہ ہے۔ کہ جسقدر ہم اس میں غور کرتے ہیں۔ یہ ایک معمابنتی چلی جاتی ہے۔

چنانچہ بعض حکمائے فرنگ نے جب وہ کسی قطعی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ تو یہ کہدیا کہ انسان کو اپنے افعال میں اسقدر اختیار ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اپنے اختیار میں

کچھ رکھا ہی نہیں۔ اور خدا کو انسانی افعال پر اسقدر اختیار ہے کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے انسان کے ہاتھ میں مطلق کوئی اختیار دیا ہی نہیں۔"

بظاہر یہ اجتماع ضدین ہے۔ مگر اس سے بہتر فیصلہ بھی اب تک حکیموں نے نہیں کیا۔

اب حکمائے اسلام کے بعض آرائے کا اقتباس درج کرتے ہیں۔ یہاں فرقہ جبریہ کی طرف سے ایک یہ دلیل بھی پیش ہوتی ہے۔ کہ خداوندکریم کو جو عالم الغیب ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کا علم ہے اور وہ علم صحیح ہے۔ پس جب یہ صورت ہے۔ تو جو کام کل میں نے کرنا ہے۔ وہ خداوند تعالےٰ کو آج معلوم ہے۔ چونکہ اس کا علم صحیح ہے اس لیے ضروری ہے کہ میں کل ضرور وہ کام کرونگا۔ کوئی طریقہ نہیں کہ وہ کام مجھ سے سرزد نہ ہوسکے۔ کوئی تدبیر کوئی تجویز کارگر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے انسان کا اختیار کہاں ہے۔

دوسرا فریق کہتا ہے۔ کہ لیس للانسان الا ما سعی۔ خدا کا فرمان ہے اور وہ سب کچھ انسان کی سعی پر چھوڑتا ہے۔ دوسری جگہ آیا ہے۔ اللہ لا یغیر مابقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ اس کا جواب بھی کوئی فرقہ جبریہ کے پاس نہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ ذالک بان اللہ لم یکن مغیراً نعمتً انعمہا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسھم (الانفال)

ادھر پھر قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ انسان کچھ ارادہ نہیں کرسکتا جب تک ہم ارادہ نہ کریں۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین (سپارہ ۳۰ ع ۴) اور ساتھ ہی یہ بھی آیا ہے کہ واللہ خلقکم وما تعملون (سپارہ ۲۳ ع ۷) کہ خدا تمہارا اور تمہارے افعال کا خالق ہے۔

اس تمام بحث کا یہی نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی ایک حد تک مختار ہے اور اس سے آگے مجبور۔ پروفیسر ہومز نے کہا ہے کہ آدمی اس قطرہ آب کی مانند ہے جو ایک بند شیشہ کی گولی کے اندر ہو۔ اُس خلا کے اندر وہ اِدھر اُدھر حرکت کرسکتا ہے

مگر زیادہ نہیں۔ گویا وہ ایک خاص حد کے اندر مختار ہے۔ اور پھر مجبور۔

اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے مراد صرف اتنی ہے۔ کہ بطور اجمال فریقین کی رائے اور ان کی تائید ی دلائل یک جا کر دیئے جائیں۔ تاکہ ناظرین خود بخود اپنی اپنی رائے قایم کریں۔ ورنہ اس سوال پر قطعی رائے تو راقم الحروف کی بساط سے باہر ہے۔

خواجہ حافظ بھی اور شعرا کی طرح جبری خیالات کے ہیں۔ البتہ اتنا کہدیا ہے کہ

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ		تو در طریق ادب کوش و گناہ من است

اور یہ اصول اصول شریعت کے بھی موافق ہے۔ اور جملہ حکمائے اسلام کی رائے کا لب لباب بھی یہی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔ ارادہ میں مجبور ہے اور فعل میں مختار۔ اَلْاِنْسَانُ مُخْتَارٌ فِی فِعْلِہٖ وَ مَجْبُوْرٌ فِی اِخْتِیَارِہٖ۔

	یہ بھی تھی اک طرح کی بیصبری دے کے یہ اختیار تھوڑا سا جب کہ دل ہی نہیں ہی قابو کا		ورنہ میں ہوں حقیقتاً جبری کیا یہ اتکا دیا ہے روڑا سا۔ لگے اس اختیار کو لو کا۔	(نذیر احمد)

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ۔ یعنی نہ جبر ہے نہ قدر ہے۔ بلکہ بین بین ہے۔

(۸) **ترجمہ**۔ جام جم آئینہ سکندر ہے۔ دیکھ تا تجھ پر ملک دارا کا حال روشن کرے۔

آئینہ سکندر۔ **جام جم یا جام جمشید**۔ اور **جام جہان نما یا جام جہان بین یا جام کیخسرو**۔ ان تینوں کا مختصر حال یہاں لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض شارحین عموماً اور عوام الناس خصوصاً ایک کو دوسرے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اور ان تینوں میں جو فرق ہے اس کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔

آئینہ سکندر۔ سکندر اعظم نے جب شہر سکندریہ کی بنیاد ڈالی۔ تو اہل زنگ

کے منصوبوں سے آگہی حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک مینار بنوایا اور حکمت اور طلسم کے ذریعے سے ایک شیشہ تیار کروا کر اس پر نصب کیا۔ اس پر ایک آدمی مقرر کیا جو لشکر فرنگ کی تیاریاں اس شیشے سے دیکھ کر فوج اسکندر کو بتاتا تھا۔ دو دفعہ لشکر فرنگ کو اس طرح زک ہوئی۔ تیسری دفعہ اس آدمی کی غفلت سے اہل فرنگ کی تیاری کا علم سکندر کو نہ ہو سکا۔ اور اہل فرنگ نے شہر اسکندریہ کو تباہ کر ڈالا اور اس آئینہ کو دریا میں پھینکدیا۔ پھر سکندر نے دوبارہ اس کو دریا سے نکلوا کر مینا رپہ نصب کرایا اور پھر کبھی اہل فرنگ سے زک نہ اٹھائی۔ تواریخ بہجت العالم میں لکھا ہے کہ استنبول تک جو کچھ ہوتا تھا اس آئینہ میں نظر آجاتا تھا۔

جام جم۔ یا جامِ جمشید۔ جام کو جمشید سے یہ نسبت ہے کہ جمشید نے جام بنایا۔ مراد ساغرمے لی جاتی ہے۔

جام جہاں نما۔ یا جام جہان بین یا جام کیخسرو۔ کیخسرو نے ایک جام بنایا تھا جس پر خطوط ہندسے تھے۔ ان خطوط اور دوائر اصطرلاب سے وہ ستاروں کا حال معلوم کرتا تھا۔ اور حوادث روزگار سے آگاہی حاصل کرتا تھا۔

شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ جامِ جم یعنے ساغرمے ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے ذریعہ آئینہ سکندر کی طرح تو ملکِ دارا کے احوال معلوم کر سکتا ہے۔ گویا جامِ جم کیا ہے آئینہ سکندر ہے۔ جس کے ذریعہ سے تو ملک دارا کی حیثیت معلوم کر سکتا ہے۔ یعنی شراب ہی انسان پر دار دنیا کی ناپائیداری اور اس عجوزہ کی غداری ظاہر کرتی ہے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "آئینہ سکندر مبتدا و جام جم خبر است نہ بالعکس چرا کہ احوال ملک عیاں کردن مخصوص جام جم است"۔ یہ میری ناقص رائے میں بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جام جام مبتدا ہے۔ اور آئینہ سکندر خبر۔ کیونکہ احوالِ ملک ظاہر کرنا مخصوص بائینہ سکندر ہے یا مخصوص بجام جہاں نما ہے۔ مخصوص بہ جامِ جم نہیں۔

(۹) ترجمہ۔ سرکش نہ ہو کہ شمع کی طرح تجھے غیرت سے جلا دیگا۔ وہ دلبر جس کے ہاتھ میں سنگ خارا بھی موم ہے۔

خارا۔ سنگ سخت۔ شمع بمعنے موم۔ مجازاً وہ چیز جو موم سے بنا کر روشن کی جائے۔ دوسرا مصرعہ فاعل ہے سوز دکا۔ غیرتت میں ت سوز دکی مفعول ہے۔ یہ شعر بھی اخلاق میں ہے۔ اور ہر ایک شخص کو اسکا مخاطب کیا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو سرکشی نہ کر یعنے مغرور نہ ہو۔ ورنہ وہ دلبر کہ جسکے ہاتھ میں سخت پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔ غیرت میں آکر تجھے شمع کی طرح جلا دے گا۔ ظاہر ہے کہ شمع سرکش ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا سر اٹھا ہوا ہوتا ہے اور وہ جلتی ہے۔ چونکہ کبر صرف ذات کبریا کو موزون ہے اور اسی سے مخصوص ہے۔ اس لیے اگر کوئی دوسرا شخص کبر ظاہر کرے تو قدرتاً غیرت اسکی تاب نہیں لاسکتی۔

(۱۰) ترجمہ۔ اگر یاروں کا مطرب یہ فارسی گائے۔ پیرانِ پارسا کو حالتِ رقص میں لائے گا۔

حریف۔ از حرفت۔ حرفہ۔ بمعنے ہم پیشہ و ہم کار۔ یہ لفظ دوست دشمن ہر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم پیشہ لوگ گرچہ ایک دوسرے کے بوجہ حسد دشمن ہوتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں وہ باہم دوست ہوتے ہیں۔ حریفاں بمعنی ہم مشرباں۔ مطرب حریفاں بمعنی مطرب یاراں۔

بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے۔ "گر مطرب حریفان این نغمہ خوش سرائد۔ مطلب ایک ہی ہے۔ این پارسی سے مراد یہ غزل ہے۔ چونکہ غزل تصوف میں ہے۔ اس لئے اس کو سنکر پیران پارسا کا وجد میں آجانا غیر اغلب نہیں۔ لطف پارسی و پارسا ظاہر۔

(۱۱) ترجمہ۔ وہ تلخوش جس کو صوفی نے ام الخبائث کہا۔ ہمارے نزدیک باکرہ کے بوسہ سے مرغوب تر اور لذیذ تر ہے۔

تلخوش۔ شراب چونکہ تلخ ہوتی ہے۔ اس واسطے شراب کو تلخوش کہا ہے۔

قبلہ - بالضم بوسہ - **عذارا** جمع عذرا بالفتح - دختر دوشیزہ و زن بکر -

حضرت رسول کریم ؐ نے شراب کو ام الخبائث کہا ہے - یعنی تمام خباثتوں کی ماں شراب ہے - اور یہ بالکل درست ہے - اس شعر میں چونکہ قول رسولؐ کی طرف صریح اشارہ کر کے اتنی بیباکی ظاہر کی گئی اس لئے اکثر دلوں میں یہ شعر یک گونہ نفرت پیدا کرتا ہے - راجہ جہانداد خاں صاحب مرحوم چیف آف گکھڑز جو ایک علم دوست بزرگ تھے - لکھتے ہیں - کہ میرے دل میں ہمیشہ اس شعر کا وسوسہ رہتا تھا - اور یہ مشکل کسی طرح حل نہیں ہوتی تھی - ایک رات میں اسی خیال میں سو گیا - خواب میں ایک بزرگ مجھے نظر آئے - جو بدریافت معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ حافظ ہیں - انہوں نے مجھے کہا - کہ تجھے اس شعر پر اعتراض بجا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں - جو تو سمجھتا ہے - حقیقت حال یہ ہے - کہ میرے زمانے میں بعض بزرگ جو درس و تدریس کا کام کرتے تھے - اور بظاہر بڑے متقی اور پرہیزگار تھے - انکا قاعدہ تھا کہ نو رسیدہ خوبصورت لڑکیاں جو اُن کے پاس پڑھا کرتی تھیں - کبھی کبھی موقعہ پا کر وہ اُن پر دست درازی فرمایا کرتے تھے اور بوس و کنار تک نوبت پہنچتی تھی - میرا اس شعر کے کہنے سے یہ مدعا تھا - کہ ان دو گناہوں کا مقابلہ کروں - اور میری رائے ہے کہ شراب پینا اتنا بُرا نہیں جتنا ان بزرگوں کا فعل - میری غرض صرف یہ ہے کہ شراب بدرجہا اس فعل سے اچھی ہے -

مولف اس واقعہ کی صحت کا ذمہ دار نہیں - البتہ شعر کی تشریح قابلقدر اور قابل داد ہے - اس میں شک نہیں کہ شراب پینے سے شراب پینے والے کی اپنی ذات پر اثر پڑتا ہے - اور اس دوسرے فعل سے غیروں کی ذات پر بھی بُرا اثر ہوتا ہے - چنانچہ ہزارہا ایسے فعل ہیں - جو شراب سے زیادہ قبیح اور زیادہ مضر ہیں مگر عوام الناس میں انکو اتنا بُرا نہیں سمجھا جاتا - جتنا شراب کو -

تو فخر بایں کنی کہ من مے نخورم
صد کار کنی کہ مے غلام است آں را (خیام)

(۱۲) ترجمہ - تنگ دستی کے وقت عیش و مستی کی کوشش کر - کیونکہ یہ ہستی کا کیمیا گدا کو قارون بنا دیتا ہے -

اس شعر میں خواجہ صاحب نے ایام تنگدستی کے بسر کرنے کی یہ تجویز بتائی ہے کہ آدمی بجائے افکار و آلام میں مبتلا ہونے کے یہ کوشش کرے کہ خیال کو بالکل ادھر جانے ہی نہ دے۔ اور عیش و مستی کی کوشش کرے۔ عرفی نے بھی کہا ہے۔

ع۔ حدی را تیز تر میخواں چو محمل را گراں بینی

مرزا عبدالقادر بیدل فرماتے ہیں۔

فلک تکلیف جاہت گر کند فال حماقت زن	کہ غیر از گاؤ نتواند کشیدن بار دنیا را

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تنگدستی کا جو علاج تجویز فرمایا ہے وہ یہ ہے

اذا ضاقت بك الاحوال یوما	فثق بالرازق الفرد العلی

(۱۳) ترجمہ۔ معشوقان فارس جو عمر بخشنے والے ہیں۔ اے ساقی پیران پارس کو خوشخبری دے۔

خوبان پارسی کو چونکہ بخشندگان عمر کہا ہے۔ اس لئے اس کی بشارت بھی پیران عمر خوردہ کو ہی چاہئے تھی۔

پارسا کے معنی مشہور ہیں۔ مگر رسالہ عید الواسع میں لکھا ہے۔ کہ یہاں لفظ پارسا بمعنی پارس آیا ہے۔ اور الف زائد ہے۔ خوبان پارسی اور پیران پارسا کی لطافت ربط بھی اس صورت میں زیادہ ہے۔ نیز اسی غزل میں پہلے بھی پیران پارسا آچکا ہے۔ اب انہی معنوں میں پھر پیران پارسا کا لانا تکرار قافیہ ہے۔ جو معیوب ہے۔

بعض نکتہ شناسوں نے خوباں فارسی سے مراد خدا الی ہے اور کہا ہے کہ اس شعر میں اشارہ اس روایت کی طرف ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے میکائیل سے پوچھا کہ خدا تعالےٰ نے کبھی بزبان فارسی بھی کچھ کہا ہے۔ جواب دیا کہ ہاں۔ کہا ہے۔ "کہ چون کنم با این مشت ستمگار جز آنکہ بیامرزم"۔ خدا جانے اس شعر سے اس روائت کی طرف کس طرح اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور اس اشارہ میں کیا لطافت ہے۔

(۱۴) ترجمہ ۔ حافظ نے خود بخود یہ خرقہ مے آلود نہیں پہنا۔ اے پاکدامن شیخ ہم کو معذور رکھ ۔

اس شعر میں پھر مسئلہ جبر و اختیار کی طرف اشارہ ہے ۔ جس کی مجمل کیفیت پہلے غزل ہذا کے شعر (۷) میں بیان ہو چکی ہے ۔

خرقہ مے آلود اور پاکدامن کی لطافت ظاہر ہے ۔

غزل (۴)

۱	ساقی بنور بادہ بر افروز جامِ ما	مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما
۲	ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم	اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما
۳	چنداں بود کرشمہ و ناز سہی قداں	کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما
۴	ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما
۵	مستی بچشم شاید دلبند ما خوش است	زاں رو سپردہ اند بمستی زمام ما
۶	ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست	نان حلال شیخ ز آب حرام ما
۷ ق	اے باد اگر بگلشن احباب بگذری	زنہار عرضہ دہ بر جانان پیام ما
۸	گو نام ما ز یاد بعمداً چہ میبری	خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما
۹	بگرفت ہمچو لالہ دلم در ہواے سرو	اے مرغ بخت کے شوی آخر تو رامِ ما
۱۰	دریاے اخضر فلک و کشتی ہلال ۔	ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما
(۱۱)	حافظ ز دیدہ دانہ اشکی ہمے فشاں	باشد کہ مرغ وصل کند قصد دامِ ما (۱۱)

(۱) ترجمہ ۔ اے ساقی شراب کے نور سے ہمارے پیالہ کو روشن کر

اے مطرب کہو کہ جہان کا کام ہمارے حسب مراد ہے۔
شعر کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ساقی سے جام مے کی درخواست اور مطرب کو ہدایت ہے۔ کہ نغمہ ہائے کامرانی شروع کرے۔ تاکہ بزم طرب بالکل مکمل ہو جائے۔ نور بادہ سے اگر مراد نورِ معرفت لیا جاوے۔ تو جام کو جسم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

(۲) ترجمہ ۔ ہم نے پیالہ میں رخ یار کا عکس دیکھا ہے۔ اے ہمارے شرب مدام کی لذت سے ناآشنا۔
شرب مدام سے مراد دن رات کی بیخودی ہے۔ یعنی وہ نشہ جو کبھی نہ اُترے یا ہر وقت پیتے رہنا۔ خواجہ صاحب معترض کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ کہ تو ہمارے شرب مدام کی لذت سے ناآشنا ہے۔ ع ارے کم بخت تو نے پی ہی نہیں۔ اس لئے معترض ہے۔ ہم نے جام مے میں معشوق کا جلوہ دیکھا ہے۔ اس لیے ہر وقت مست رہتے ہیں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ شراب پردہ خودی کو عاشق و معشوق کے درمیان سے اٹھا دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ عاشق رخ یار کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

(۳) ترجمہ ۔ سہی قدوں کا نازو کرشمہ اسی وقت تک ہے۔ جب کہ ہمارا سرو صنوبر خرام جلوہ افروز ہو۔
کرشمہ ۔ بکسر تین ۔ اشارت بچشم و ابرو ۔ **سہی قداں** ۔ سہی بالفتح بمعنی راست : یہ لفظ صرف سرو کی صفت ہو کر آتا ہے۔ یا بمناسبت سرو سہی قد اور سہی قامت بھی کہتے ہیں۔ مگر لفظ سہی تنہا بمعنی راست کبھی استعمال نہیں ہوتا۔
صنوبر ۔ درخت چلغوزہ ۔ چیل ۔ یہ درخت دراز قد اور سہی قامت ہے۔ اور خاص کر جب ہوا چلتی ہے۔ تو اس کا جھومنا نہایت خوبصورت نظارہ ہوتا ہے۔ صنوبر خرام صفت اور سرو موصوف ہے۔ ہمارا خوش خرام اور سہی قد معشوق۔
شعر چنداں تشریح طلب نہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا ہے۔ کہ معشوقان سہی قامت کا

ناز و انداز اسی وقت تک ہے۔ جب تک ہمارا خوش خرام اور سرو قد معشوق جلوہ افروز نہیں ہوتا۔ یہ مقابلہ معشوقان مجازی اور معشوق حقیقی کے درمیان ہے۔ یا معشوقان مجازی میں سے خواجہ صاحب کے معشوق اور باقی معشوقوں کے درمیان اس امر کی تصریح کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود رائے قائم کرلیں۔

مندرجہ ذیل شعر بھی اسی قبیل سے ہے۔

	چو سلطان عزت علم بر کشد		جہاں سر بجیب عدم در کشد	

حضور سرور کائنات صلعم کا پہلے نبیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

رات محفل میں ہر ایک ماہ پارہ گرم لاف تھا		صبح کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

مولوی سید محمد صادق علی لکھنوی لکھتے ہیں۔ کہ روائیت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے پوچھا کہ ماھذا العشق الذی یدد بین الناس فی العالمین ویقولون عشق فلان وفلانا ؛ حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ ھو کاد قوم غفلوا عن اللہ عزوجل نحذبھم بالمخلوقین۔

(۴) ترجمہ۔ جس آدمی کا دل عشق سے زندہ ہوا وہ کبھی نہیں مرتا۔ جریدہ عالم پر ہمارا دوام لکھا ہے۔

جریدہ عالم۔ جریدہ بمعنی تنہا و شاخ درخت بے برگ و دفتر۔ جریدۂ عالم بمعنی تاریخ عالم۔

مطلب یہ کہ جس آدمی کا دل عشق الہی میں زندہ ہو گیا۔ وہ کبھی نہیں مرتا اور تاریخ عالم میں اس کا نام ہمیشہ کے لئے باقی رہتا ہے۔ گویا فنا فی اللہ ہونے سے بقا باللہ کا درجہ بھی نصیب ہو جاتا ہے۔

	کشتگانِ خنجر تسلیم را		ہر زماں از غیب جانے دیگر است	

جناب رسالت مآب صلعم کا قول ہے۔ کہ ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار۔ یعنی عاشقانِ الہ مرتے نہیں۔ صرف نقل مقام کرتے ہیں اسی مضمون پر امیر مینائی نے کہا ہے کہ

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھیرے	کبھی اس گھر میں آنکلے کبھی اس گھر میں جا ٹھیرے

سورہ آل عمران میں آیا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ہ شہدا کے دل بھی عشق الٰہی میں زندہ ہوتے ہیں اس لئے قرآن مجید میں شہدا کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔اس شعر میں اگر جریدہ عالم سے مراد قرآن شریف لی جاوے۔ تو دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہمارے دعویٰ کی دلیل کلام الٰہی میں بھی موجود ہے۔ قرآن شریف چونکہ تمام دنیا کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اس رعائت سے اسے کتاب عالم یا جریدہ عالم کہنا بیجا نہ ہوگا۔

(۵) ترجمہ۔ ہمارے دلبر یا معشوق کی آنکھ میں مستی اچھی ہے۔ اس واسطے ہماری عنان مستی کے ہاتھ میں دی ہے۔

اس شعر کا مطلب قریب قریب وہی ہے۔ جو غزل نمبر (۲) کے شعر نمبر (۴) میں بیان کیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارے محبوب کی مست آنکھوں میں مستی نہایت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ (یا اس کی نظروں میں مستی اچھی ہے۔ یعنی اسے مستی پسند ہے) اس لئے عاملان قضا و قدر نے ہماری عنان بھی مستی کے ہاتھ میں دی ہے۔
پہلے مصرعہ کی ایک اور طرح بھی تعبیر ہوسکتی ہے۔ اگر چشم شاہد سے مراد ہمارے معشوق کی آنکھوں میں یا ہمارے معشوق کے نزدیک لی جاوے تو شعر کے معنی اس طرح ہونگے۔ چونکہ مستی ہمارے دلبر معشوق کے نزدیک اچھی ہے۔ اس لئے ہماری باگ بھی مستی کے ہاتھ میں دی ہے۔ یعنی ہم پر بھی مستی کو مسلط کیا گیا ہے۔

اصطلاحات تصوف میں بھی چشم محبوب کو مست ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ صاحب گلشن راز نے چشم ولب پر لکھا ہے۔ کہ

ز چشمش خواست بیماری و مستی	ز لعلش گشت پیدا عین ہستی
ز چشم اوست دلہا مست و مخمور	ز لعل اوست جانہا جملہ مستور

اور پھر خواجہ صاحب کے اس خیال کی کہ ہماری عنان بھی مستی کے ہاتھ میں دی ہے اس طرح

تائید کی ہے کہ

وجود ما ہمہ مستی است یا خواب		چہ نسبت خاک را با رب ارباب	

(۶) **ترجمہ** ۔ میں ڈرتا ہوں کہ روز قیامت کو غالب نہ آئے گی ۔ شیخ کی حلال روٹی ہمارے حرام پانی پر ۔

صرفہ ۔ بالفتح ۔ فائدہ و نفع و افزونی ۔ **آب حرام** ۔ شراب **نان حلال**

آب حرام کے مقابلہ میں نان حلال نہایت اچھی ترکیب ہے ۔ نان حلال یہاں طنزاً کہا ہے ورنہ نان حلال کا مقابلہ آب حرام سے نہیں ۔ بلکہ نان حرام کا مقابلہ آب حرام سے ہے **ترسم** کا استعمال بھی خواجہ صاحبؒ نے نہایت خوبصورتی سے کیا ہے ۔ خواجہ صاحب خود نہیں ڈر رہے بلکہ شیخ صاحب کو ڈرا رہے ہیں ۔

شعر کا مضمون صرف اتنا ہے ۔ کہ مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے روز شیخ صاحب کی حرام خوری ہماری شراب خوری سے بڑھ کر نہیں رہے گی ۔ یعنی مجھے یقین ہے ۔ کہ قیامت کے روز شیخ صاحب سے ہماری نسبت زیادہ بازپرس ہوگی ۔

یہاں پھر خواجہ صاحب نے غزل نمبر (۳) کے شعر نمبر (۱۱) کی طرح شراب کا دوسری حرام چیزوں سے مقابلہ کیا ہے ۔ اور کہا ہے کہ شراب بھی حرام ہے ۔ مگر حرام کی روزی اس سے بھی بدتر ہے ۔ گرچہ عوام میں شراب کو بُرا کہنے کا رواج ہوگیا اور دوسری حرام چیزوں کو اتنا بُرا نہیں مانتے ۔ ظاہردار بزرگوں پر یہ الزام عموماً لگایا جاتا ہے ۔ کہ وہ کما کر روٹی کھانے کے عادی نہیں ۔ اپنے مریدوں اور معتقدوں کے پسینے کی کمائی سے بھی زر اندوزی کر لیا کرتے ہیں ۔ اس مضمون پر لسان العصر جناب اکبر نے بھی نہایت خوب کہا ہے ۔

عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے یہ کیوں	اس کی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

یعنی عوام الناس اگر کوئی آدمی شراب پیئے تو اسکا چرچا کرتے ہیں ۔ مگر رشوت سے غریبوں یتیموں کا حق زائل کر کے اپنا پیٹ بھرے یا اور صدہا ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرے ۔ تو اس کی پرسش نہیں کرتے ۔ مگر خدا کے نزدیک جیسا کہ خواجہ صاحب کی رائے

ہے فی الواقع شراب پینے والوں کی نسبت حرام کھانے والوں سے زیادہ باز پرس ہوگی
ایک صاحب اس شعر کے معنے یوں بیان فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ ہمارے عشق میں کوئی قصور واقع ہو جانے کے سبب سے زاہد کا اتقا ہمارے عشق پر قیامت کے روز غالب نہ ہو جائے۔ مگر یہ معنے غلط ہیں۔ اور مذاق شعری کے خلاف
مولانا حالی مرحوم نے بھی اسی مضمون کو نہایت اعلےٰ مذاق میں بیان کیا ہے۔

بُرائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن		کہاں یہ برائی کہاں وہ بُرائی	

ردیف ہذا کی غزل نمبر (۱۰) کا شعر (۴) بھی قریباً اسی مضمون پر ہے۔ نیز دیکھو شعرت ۳/۴ اور شعرت ۱۲/۴ ؎

(۷) ترجمہ۔ اے ہوا اگر تو گلشن احباب میں جائے۔ ضرور جانان کی خدمت میں ہمارا یہ پیغام عرض کر دینا۔

(۸) ترجمہ۔ کہو کہ ہمارا نام عمداً تو کیوں بھلاتا ہے وہ وقت خود آجائیگا جب تو ہمارے نام کو بھول جائیگا

یہ ہر دو شعر قطعہ بند ہیں۔ قاصدِ صبا کو عاشق کہتا ہے۔ کہ اگر بزم جانان میں جائے تو میری طرف سے ضرور عرض کرنا کہ میرا نام عمداً دل سے کیوں مٹاتے ہو۔ وہ وقت بھی آجائیگا کہ ہمارا نام خود بخود مٹ جائیگا۔ یعنی ہم نہ رہینگے۔
اسی مضمون پر کسی اور استاد نے کہا ہے

خود مکن بیگانگی یارے چو میدانی کہ چرخ		آشنایان راز یکدیگر جدا ئی مے دہد

(۹) ترجمہ۔ میرا دل آرزوئے سرو میں لالہ کی طرح افسردہ ہو گیا۔ اے مرغ بخت آخر کب تو ہمارے قابو آئے گا۔

لالہ۔ مشہور پھول ہے۔ کئی قسموں کا ہوتا ہے۔ اس پھول کے اندر ایک داغ ہوتا ہے۔ محمود نامہ میں لکھا ہے ع۔ اے داغ بر دل از غم خال تو لالہ را۔ آدمی کے دل کے اندر بھی ایک سیاہ داغ ہوتا ہے۔ جسے سویدا کہتے ہیں۔ پس وجہ تشبیہ ظاہر ہے۔ ہوا۔ بمعنی آرزو و اشتیاق۔ لفظ ہوا کا استعمال بجائے لفظ باد خلاف

محاورہ اہل عسلم ہے۔ **بگرفت** بمعنے گرفتہ شد۔
شاعر کہتا ہے۔ کہ لالہ کی طرح میرا دل بھی معشوق سرو قد کی اشتیاق میں گرفتار ہے۔ اور لالہ کی طرح میرے دل میں بھی داغ ہے۔ اے مرغ بخت تو میرے دام میں کب آئے گا۔ داغِ دل کو اگر دانہ خیال کیا جائے تو تعلق دانہ و مرغ معلوم۔

(۱۰) ترجمہ۔ آسمان کا دریائے سبز اور کشتی ہلال۔ ہمارے حاجی قوام کی نعمت میں غرق ہیں۔

دریائے اخضر فلک۔ سے مراد آسمان چونکہ آسمان بھی نیلگوں ہوتا ہے اور سمندر کے پانی کا رنگ بھی نیلا۔ اس لئے بلحاظ وسعت و رنگ دریاے اخضر فلک کہا۔ **کشتی ہلال**۔ ہلال کشتی نما ہوتا ہے۔ نیز دریاے اخضر میں واقع ہے۔ اس لئے کشتی کہا۔

اس شعر میں گریز ہے مضمون غزل سے مدح ممدوح کی طرف۔ کہتے ہیں کہ حاجی قوام ممدوح خواجہ صاحب ایک وزیر تھا۔ جس کی محفل میں خواجہ صاحب بیٹھتے تھے۔ ساغر ہاتھ میں تھا۔ آسمان اور چاند کا عکس پیالہ میں پڑا۔ اور خواجہ صاحب کو یہ مضمون سوجھا خواجہ صاحب نے سمندر اور کشتی ہر دو کو ایک جام میں خوب غرق کیا۔ ممکن ہے۔ کہ شعر میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ نہ ہو اور صرف یہ مدعا ہو کہ آسمان اور چاند سب میرے ممدوح کے پروردہ نعمت ہیں۔ شاعر ہمیشہ ایسے مبالغے کیا کرتے ہیں۔

(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ آنکھوں سے آنسوؤں کے دانے گرا۔ شاید کہ مرغ وصل ہمارے جال کا ارادہ کرے۔

دانہ و دام و مرغ کا تعلق ظاہر ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اشتیاق یار میں اشک افشانی کر شاید وصال نصیب ہو جائے

خواجہ صاحب نے مرغ وصل کی گرفتاری کے لئے دانہ تو اچھا منتخب کیا ہے۔

مگر عرفی کو شاید اس تجویز سے بھی اتفاق نہیں لکھا ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال	۷	صد سال مے تواں بتمنا گریستن

غزل (۵)

صلاح کار کجا و من خراب کجا	۱	ببین تفاوت راه از کجاست تا بکجا
چه نسبت ست برندی صلاح و تقوی را	۲	سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا
دلم زصومعه بگرفت و خرقه سالوس	۳	کجاست دیر مغان و شراب ناب کجا
بشد زیاد خوشش یاد روزگار وصال	۴	خود آن کرشمه کجا رفت و آن عتاب کجا
ز روی دوست دل دشمنان چه دریابد	۵	چراغ مرده کجا شمع آفتاب کجا
ببین سیب زنخدان که چه در راه است	۶	کجا همی روی اے دل بدین شتاب کجا
چو کحل بینش ما خاک آستان شماست	۷	کجا رویم بفرما ازین جناب کجا

(۸) قرار و خواب ز حافظ طمع مدار اے دوست
قرار چیست صبوری کدام و خواب کجا (۸)

(۱) ترجمہ۔ صلاح کار کہاں اور میں خراب کہاں۔ دیکھ کہ راہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں رند مشرب آدمی ہوں۔ میری صلاح کہاں ممکن ہے۔ میری حالت اور پرہیزگاری میں بعد المشرقین ہے۔

(۲) ترجمہ۔ صلاح و زہد کو رندی سے کیا نسبت وعظ کا سننا کجا اور نغمہ رباب کجا

(۳) ترجمہ۔ میرے دل نے صومعہ سے خرقہ مکر حاصل کیا۔ دیر مغاں اور شراب خالص کہاں ہے۔

صومعہ۔ عبادت خانہ ترسایان و نصاریٰ۔ جس کا سر باریک اور بلند ہوتا ہے۔ مجازاً عبادت خانہ اہل اسلام کو بھی کہتے ہیں۔ **سالوس** ۔ خوشگو و چرب زبان۔ فریب۔ فریب دہندہ۔ **دیر**۔ بالفتح معبد ترسایان۔ پرستشگاہ کفار گبند۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو عبادت خانہ میں جاکر تو صرف مکر و فریب حاصل ہوا اب دیر مغان اور شراب ناب کی تلاش ہے کہ شاید صحبت ساقی اور ساغرمے سے میرے دل کا آئینہ پھر صاف ہو۔ یہاں خواجہ صاحب نے عابدان ریاکار اور متقیان ظاہر دار کو گونہ نصیحت کی ہے۔ کہ اس طرح ان کے دل صرف سیاہ ہی ہوتے اور کچھ فائدہ نہیں ان کو چاہیئے کہ عشق الٰہی میں خلوص پیدا کریں۔ اور صحبت عارفاں کامل سے فائدہ اٹھائیں۔

شعار ملت اسلامیان بگذار اگر خواہی	کہ در دیر مغان آئی و اسرار نہان بینی	(عرفی)

(۴) ترجمہ۔ روزگار وصال یادش بخیر۔ یاد سے بھول گیا۔ وہ کرشمہ کہاں گیا اور وہ عتاب کیا ہوا۔

خوشش یاد۔ یعنی یادش بخیر۔ بطریق اعتراض آیا ہے۔ پہلا مصرع اس طرح پڑھا جائے گا۔ بشد زیاد۔ خوشش یاد۔ روزگار وصال اور نثر میں اس طرح پڑھا جائے گا۔ روزگار وصال کہ یادش بخیر باد از یاد برفت یعنی وصال نصیب ہوئے اتنی مدت گذری کہ زمانہ وصال (یادش بخیر) بالکل بھول ہی گیا۔ اور وہ کرشمہ و عتاب جو بوقت وصال ہوا کرتے تھے۔ اب کہاں ہیں۔

یہ پہلا مصرع ایک اور طرح سے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ یعنی بشد زیاد خوشش- یاد روزگار وصال اور معنی یہ ہونگے کہ معشوق کی دلکش کن یاد سے زمانہ وصال یاد آگیا۔

صاحب گلبن معرفت نے اس شعر کے اس طرح معنے کئے ہیں "کہ محبوب کی خوش طبعی سے زمانہ وصال یاد آگیا اب وہ کرشمہ اور وہ عتاب کہاں گئے جو خوش طبعی کے منافی ہوا کرتے تھے"۔ مگر بوجہ کم فہمی یہ معنے میری سمجھ میں نہیں آئے۔ ناظرین شاید سمجھ سکیں۔

(۵) ترجمہ۔ دوست کے چہرہ سے دشمنوں کا دل کیا حاصل کر سکتا ہے۔ بجھا ہوا چراغ کہاں اور شمع آفتاب کہاں۔

اس شعر میں جو اصول پہلے مصرعہ میں بیان کیا گیا ہے اس کی تائید میں دوسرے

مصرع میں مثال دی گئی ہے۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح شمع آفتاب سے بجھا ہوا چراغ کچھ فائدہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ہمارے محبوب کے چہرہ کے نور سے اغیار کا دل روشن نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی سے ہر ایک چیز روشنی حاصل کرتی ہے۔ مگر بجھا ہوا دیا سورج کی روشنی سے روشن نہیں کیا جاسکتا۔

سورہ انعام میں لکھا ہے کہ انما یستجیب الذین یسمعون والموتی یبعثہم اللہ حضرت رسول کریم ؐ کی تبلیغ اور تلقین سے جب سیاہ دل کفار کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے تو آنحضرت صلعم کو کہا گیا۔ کہ تم صرف اُنہی لوگوں کو ہدایت کرسکتے ہو۔ جن کے دل ابھی تک بالکل سیاہ نہیں ہوتے۔ اور وہ لوگ جو مردے ہیں۔ یعنی جن کے دل مرچکے ہیں۔ ان کو اٹھانا صرف میرا کام ہے۔ حاصل کلام یہ کہ گرچہ آفتاب نبوت تمام دنیا کی تاریکی کو روشن کرنے آیا تھا۔ اور اس کے پرنور شعاعوں نے فی الواقع دنیا سے ظلمت کفر کو دور کیا۔ تاہم وہ لوگ جن کے دل بہت سیاہ ہو چکے تھے۔ ان پر آنحضرت ؐ کی تعلیم کا کچھ اثر نہ ہوا۔ استفادہ کے لئے ضرور ہے کہ استعداد ہو۔ جب کسی آدمی کے اندر بالکل استعداد ہی نہ ہو۔ تو اس پر کسی تعلیم اور نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔ صمٌ بکمٌ عمیٌ فہم لایرجعون۔

غنی کشمیری نے اسی خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے کہ کمان کی لکڑی سے تیر نہیں بن سکتا۔

کج را بتکلف نتواں راست نمودن	کے تیر تواں ساختن از چوب کمانہا

اور پھر دوسری جگہ اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے

چو استعداد نبود کار از اعجاز نکشائد	مسیحا کے تواند کرد روشن چشم سوزن را

حضرت مسیح بے شک اندھوں کو بینائی بخشتے تھے۔ مگر غنی کہتا ہے کہ چشم سوزن کو وہ بھی روشن نہیں کرسکتے تھے۔ نیز دیکھو شعرت ۱۳/۸

(۶) ترجمہ۔ سیب زنخدان کو دیکھ کہ راہ میں کنواں ہے۔ اے دل اتنا جلدی جلدی کہاں جاتا ہے۔

زنخدان۔ زنخ۔ دان زائد بمعنی ذقن۔ چاہ سے مراد چاہ زنخدان ہے

جوزیر ذقن ہوتا ہے۔ غبغب یا غبب وہ گوشت ہوتا ہے۔ جو زیر ذقن آویختہ ہوتا ہے اور لوازم خوبصورتی سے ہے۔ اس گوشت میں جو نشیب ہوتا ہے۔ اسے چاہ زنخدان کہتے ہیں معشوقوں کی ذقن کو سیب سے تشبیہ دیتے ہیں۔

صوفیائے کرام نے سیب زنخدان اور چاہ زنخداں سے مراد لطف و قہر الہی لی ہے چنانچہ مراۃ المعانی میں لکھا ہے کہ

مے نماند قہر از لطف اله ۔ میسکند یوسف مصری بچاه
جاں کہ آں لعل لبش را مائل ست ۔ بر سر راہش زنخداں حائل است

راہ محبت میں جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ وصال سے پہلے بہت مشکلیں پیش آتی ہیں۔ داغ کا شعر ہے۔

رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہے ۔ اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

مولانا حالی مرحوم نے بھی اسی مضمون پر کہا ہے۔ کہ

بہت دن چاہئیں یوسف کو تا پہنچے زلیخا تک ۔
نکل کر چاہ کنعاں سے ابھی رہنا ہے زنداں میں

امیر خسرو نے مطلع الانوار میں لکھا ہے۔

راہ بر از چاہ و تو زاں بیخبر ۔ تا چہ رود مور بغیبہ بیل در

(۷) **ترجمہ** ۔ جب ہماری بینائی کا سرمہ تمہارے آستان کی خاک ہے۔ تو بتا کہ اس درگاہ کو چھوڑ کر کہاں جائیں۔

جناب ۔ بالفتح ۔ بالضم غلط ہے ۔ بمعنی درگاہ و آستانہ

شعر صاف ہے۔ شاعر عموماً خاک در یار کو سرمہ کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک استاد نے کہا ہے۔

روم بکوے و سر بآستاں فگنم ۔ غبار خاک درش توتیاے دیدہ کنم

دوسرے مصرع کے مضمون پر کسی استاد نے کہا ہے۔

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جزایں کہ نہ خوانی ام ۔ در دیگرے بنما کہ من بکجا روم چو برانی ام

عارف نظامی علیہ الرحمۃ نے مخزن الاسرار میں لکھا ہے۔

جز در تو قبلہ نخواہیم ساخت	گر نہ نوازی تو کہ خواہد نواخت۔

(۸) ترجمہ۔ اے دوست حافظ سے قرار اور نیند کی امید نہ رکھ۔ قرار کیا چیز ہے۔ صبر کہاں اور نیند کہاں۔

عاشقوں کی قسمت میں صبر اور آرام کہاں ع نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

عاشق باید کہ سال و ماہ و شب و روز	آرام و قرار و خورد و خوابش نبود (خیام)

غزل (۶)

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را	۱	بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت	۲	کنار آب رکناباد و گلگشت مصلے را
فغان کین لولیان شوخ شیرین کار شہر آشوب	۳	چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را
ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست	۴	بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
من از آن حسن روز افزون کہ یوسف داشت دانستم	۵	کہ عشق از پردہ عصمت برون آرد زلیخا را
حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو	۶	کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را
نصیحت گوش کن جانا کہ از جان دوست تر دارند	۷	جوانان سعادتمند پند پیر دانا را
بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی۔	۸	جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خا را

(۹) غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخوان حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را (۹)

(۱) ترجمہ۔ اگر وہ ترک شیرازی ہمارے دل کو ہاتھ میں لائے۔ تو اس کے خال سیاہ کو سمرقند اور بخارا بخش دوں۔

ترک - بالضم - نام قوم منسوب بہ ترک جو نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔ مجازاً بمعنی سپاہی و معشوق۔ **خال ہندو** - خال کو اکثر بوجہ سیاہی ہندو کہا گیا ہے۔ اور دوسری سیاہ چیزوں کو بھی ہندو کہتے ہیں۔ چنانچہ ارسلان بیگ نے کہا ہے ؎ مشک گوشند بخالش سر و عوے دارد۔ ایں عجب نیست ازاں ہندوے مادر بخطا ٭ لفظ ہندو محاورہ فارسی میں بمعنے راہزن و چور کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ہند و منسوب بہ ہند۔

حکایت - کہتے ہیں کہ جب خواجہ صاحب کا یہ شعر تیمور بادشاہ وقت نے سنا تو ان کو بلا کر کہا۔ کہ میں نے تمام عالم کو اس لئے ویران کیا کہ سمرقند اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کروں۔ تم ان کو ایک تل کے عوض پر دیئے ڈالتے ہو۔ خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ "ہمیں غلط بخشی ہاست کہ بدین نوبت رسیدم"۔

عاشق اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر جان قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ سمرقند و بخارا کیا چیز ہیں۔ ساری دنیا سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ محبوب حقیقی کی بھی حضوری اگر حاصل ہو جائے تو عاشق تمام دنیا کو ترک کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ سید اکبر حسین ایک عاشق کی زبانی کہتے ہیں۔

تو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے		سارے عالم سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

امیر خسرو فرماتے ہیں۔

از ہمہ گاں سوئی تو رو تافتم		تا ہمہ یابم چو ترا یافتم۔

(۲) ترجمہ - اے ساقی شراب باقی دے کہ بہشت میں تو نہیں پائیگا۔ نہر رکناباد کا کنارہ اور گلگشت مصلیٰ۔

مے باقی - شراب باقی ماندہ۔ بمعنے دُرد بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

جنت - بالفتح - بہشت - اصل میں اس باغ کو کہتے ہیں۔ جسکے درختوں نے زمین کو پوشیدہ کیا ہوا ہو۔ مادہ جن ہے بمعنی پوشیدگی۔ **رکناباد** - بالضم نام تفرجگاہ شیراز۔ (از غیاث اللغات) **مصلیٰ** - بالضم - مطلق جائے نماز و عیدگاہ ہر شہر۔ خصوصاً عیدگاہ شیراز کہ نہایت اعلےٰ سیرگاہ ہے۔

خواجہ صاحب ساقی سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ جو تھوڑی سی شراب باقی رہ گئی وہ بھی دے دے۔ کیونکہ اگرچہ بہشت میں بھی ہم کو شراب مل جاویگی۔ مگر وہاں رکنا آباد اور مصلیٰ کی نہریں اور سیرگاہیں نہیں ملیں گی۔ اور جو لطف ایسی جگہ شراب پینے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ بہشت میں حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۳) **ترجمہ** ۔ فریاد کہ شوخ شیریں کار شہر کو آشفتہ کرنے والے معشوق دل سے صبر اس طرح لے گئے۔ جیسے ترک خوان یغما کو۔

لولیاں ۔ جمع لولی ۔ منسوب بہ لول بواؤ مجہول ۔ یعنی بے شرم و بے حیا معشوق

خوانِ یغما ۔ یغما بمعنے غنیمت ۔ ترکستان میں دستور تھا کہ سال میں ایک روز ایک عام دعوت ہوتی تھی۔ جس میں ہر قسم کے عمدہ عمدہ کھانے تیار ہوتے تھے۔ اور پھر تمام قوم کو اشارہ ہوتا تھا۔ جس پر ترک اس تمام خوان کو اڑالے جاتے تھے۔ عام اصطلاح میں خوان یغما سے مال غنیمت مراد ہوتی ہے۔ جسے لوٹنا گویا جرم ہی نہیں

اس شعر میں خواجہ حافظ نے معشوقان بازاری کی شکایت کی ہے۔ کہ بوجہ حسین ہونے کے تمام شہر کے لئے گویا وہ ایک مصیبت ہیں۔ اور جوانوں کے دلوں کو وہ بیصبر کردیتے ہیں اور اپنی طرف مائل کرلیتے ہیں۔ اور یہ راہ زنی یعنی دلربائی وہ ایسی بے باکی سے کررہی ہیں۔ گویا کوئی جرم ہی نہیں۔ یہ فغاں خواجہ صاحب نے غالباً اس لئے کی ہوگی۔ کہ ان لولیاں کا کوئی تدارک ہوجائے۔ ورنہ تمام شہر کے لئے باعث مضرت ہوگا۔

روایت ہے۔ اور خدا جانے کہاں تک درست ہے۔ کہ خواجہ صاحب کسی حسینہ بنام شاخ نبات کے ابتدا میں دلدادہ تھے۔ اور کہ پھر انکا خیال ادھر سے اٹھ گیا۔ اور اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مگر اس شعر میں کسی خاص حکایت کی طرف کوئی اشارہ معلوم نہیں ہوتا۔ عام شکایت ہے۔ خواہ وہ شکایت عاشقانہ ہو۔ یا ناصحانہ خیال کی جاوے۔

(۴) **ترجمہ** ۔ ہمارے ناتمام عشق سے جمالِ یار بے پرواہ ہے۔ آب رنگ

اور خال و خط کی روئے زیبا کو ضرورت نہیں۔

مستغنی ۔ از استغنا۔ غنا بمعنے تونگری و بے نیازی۔

قدرتی حسن کے لئے مصنوعی سنگار کی ضرورت نہیں - اور نہ معشوق کو ہمارے نامکمل عشق کی پرواہ ہے۔ اس کا حسن ان تمام لوازمات سے بے پرواہ ہے۔ ہم اسے چاہیں یا نہ اس کے عاشق ہوں یا نہ ہوں اس کے حسن کامل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ من کفر فان اللہ غنیؒ عن العالمین۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ کہ وان تکفروا فان للہ ما فی السموات وما فی الارض وکان اللہ غنی حمیدا۔

مولانا روم فرماتے ہیں۔

ذکر جسمانہ خیال ناقص ست	ذکر شاہانہ از نیہا خالص ست
حمد تو نسبت بہ تو گر بہتر ست	لیک آن نسبت بحق بس ابتر ست

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حسن مطلق پر دلدادہ نہ ہو۔ تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ جو چیز بذاتہ مکمل ہو۔ اسے تصنع کی ضرورت نہیں۔ اس لئے ہم اگر اپنے معبود کی پرستش کرتے ہیں تو صرف اپنے فائدہ کے لئے۔ محبوب کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر ہم اپنے معبود کی پرستش نہ کریں۔ تو اس کو کچھ نقصان نہیں۔ سورہ عنکبوت میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ ومن جاھدَ فانما یجاھد لنفسہٖ ۔ان اللہ لغنی عن العالمین

خدا در انتظار حمد ما نیست	محمد چشم در راہ ثنا نیست

(۵) **ترجمہ** ۔ میں اس روز افزوں حسن سے جو یوسف رکھتا تھا جانتا تھا۔ کہ عشق پردہ عصمت سے زلیخا کو نکال لائے گا۔

اس شعر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور کہا ہے کہ چونکہ یوسف کا حسن روز بروز ترقی پر تھا۔ اس لئے مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ برق کسی خرمن پر ضرور گرے گی۔ اور آخر یہی ہوا کہ زلیخا بے صبر ہو کر پردۂ عصمت سے باہر آگئی زلیخا کا پردہ عصمت سے باہر ہونا مشہور واقعہ ہے

مگر فی الحقیقت خواجہ صاحب کو صرف اسی قصہ کی طرف اشارہ کرنا مطلوب تھا انہوں نے حسن مطلق سے مراد لی ہے۔ اس میں کنت کنزا مخفیا فاجببت ان اعرف کے مضمون کو ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ رب العزت کے جمال نے کائنات کو پردہ عدم سے باہر نکالا۔ لمعات شیخ فخرالدین عراقی میں لمعہ دوم اسی مضمون پر ہے۔ قطعہ

عشق ناگاہ برکشید علم		تا بہم برزند وجود و عدم	
بیقراری عشق شور انگیز		شور و غوغا فگند در عالم	

ورنہ عالم با بود و نابود خود آرمیدہ بود و در خلوت خانہ شہود آسودہ آن جا کہ کان اللہ ولا شیئ معہ۔ رباعی

آندم کہ زہر دو کون آثار نبود		بر لوح وجود نقش اغیار نبود	
معشوقہ عشق و ما بہم مے بودیم		در گوشہ خلوتے کہ دیار نبود	

لیکن یہ حسن پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔

پرتو حسن او چو پیدا شد		عالم اندر نفس ہویدا شد	
وام کرد از جمال او نظرے		حسن رویش بدید و شیدا شد	

حسن مطلق کے روز افزوں ہونے کے متعلق قرآن شریف میں ہے کہ کل یوم هو فی شان +

مرزا غالب فرماتے ہیں۔

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز		پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں	

(۹) ترجمہ۔ مطرب وے کی بات کر اور راز دہر نہ ڈھونڈھ۔ کہ کسی نے اس معما کو حکمت سے نہیں کھولا نہ کھولیگا۔

معما۔ بضم میم و فتح عین۔ پوشیدہ شدہ۔ کور نابینا کردہ شدہ کان پوشیدہ

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ راز دہر ایک معما ہے۔ جسے کوئی آدمی بھی عقل و حکمت سے حل نہیں کر سکتا۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اس کو معرض بحث میں ہی نہ

لائیں۔ دہر سے مراد خالق ومخلوق ہر دو ہوسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت رسالتماب صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ دہر اللہ ہے اس کو بُرا نہ کہو۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اب تک کسی سائنس دان اور فلاسفر نے رازِ دہر کو حل نہیں کیا۔ اور یقیناً یہ راز آئندہ بھی کبھی حل نہ ہوگا ذات باری کے صفات وذات کے متعلق بھی اب تک زمانہ شش و پنج میں ہے عرفی نے کہا ہے۔ کہ

تو در حیرت در شبِ اندیشۂ اوصافِ تو
بس ہمایوں مرغِ عقل از آشیاں اندا ختہ

تمام دنیا معترف ہے۔ کہ یہ راز ہمیشہ سربستہ ہی رہیگا۔ شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں۔

گر صد ہزار سال ہمہ عقل کائنات
فکرت کنند در صفت عزت خدا
آخر بعجز معترف آئند کاے الٰہ
دانستہ شد کہ ہیچ نہ دانستہ ایم ما

اگر دہر سے مراد زمانہ یعنی کائنات یا مخلوقات لی جائے۔ تو بھی ظاہر ہے۔ کہ وجود کائنات کا راز بھی ایسا ہی سربستہ ہے۔ جیسا کہ اوصاف خالق کا۔ فارابی کی ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے۔

اسرار وجود جملہ بنہفتہ بماند
واں گوہرِ بس شریف ناسفتہ بماند
ہر کس بدلیل عقل چیزے گفتند
آں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

مولانا شبلی مرحوم کا ایک شعر بھی اسی حقیقت کو روشن کرتا ہے۔

فلسفی سرِ حقیقت نہ توانست کشود
گشت راز دگر آں راز کہ افشا میکرد

یہ معما بھی چونکہ اب تک حل نہیں ہوا۔ اور امید بھی نہیں کہ کبھی حل ہوگا۔ اس لئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ تو اس کے متعلق بات ہی نہ کر۔ اور شغلِ مے اور صحبت ساقی و مطرب میں دل کو مصروف رکھ۔ یا نشہ عشق الٰہی میں سرشار رہ اور چوں وچرا چھوڑ دے۔

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من
ایں حرفِ معما نہ تو خوانی و نہ من

(۷) ترجمہ۔ اے جاناں نصیحت سن کہ جان سے عزیز رکھتے ہیں۔

نیک بخت جوان پیر دانا کی نصیحت کو۔

شعر صاف ہے۔ اور اخلاق پر ہے۔ نوعمر جوانوں کے لئے پند پیر دانا بے شک جان سے عزیز ہونی چاہئے۔ یہ شعر ان معنوں میں اکثر لوگ استعمال کرتے ہیں۔

(۸) ترجمہ۔ تو نے مجھے برا کہا میں خوش ہوں خدا تجھے معاف کرے۔ تو نے اچھا کہا۔ تلخ جواب لب لعل شکر خا کو زیب دیتا ہے۔

یہ شعر بھی ان معنوں میں بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔ اور اکثر استعمال ہوتا ہے۔ کوئی بُرا کہے تو اسکا جواب اس شعر سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا۔ نکو گفتی خرسندم۔ میزیبد۔ طنزاً استعمال ہوئے ہیں۔ اس شعر میں عاشقانہ اور ناصحانہ دونو پہلو ہیں۔ کیونکہ معشوق کی گالیوں کا جواب بھی یہ اچھا ہے۔

بعض شارح جو اس شعر کا مخاطب مرشد کامل اور رہنما حقیقی بیان کرتے ہیں۔ وہ غالباً عفاک اللہ اور جزاک اللہ کو ایک ہی معنوں میں استعمال کرتے ہونگے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے علم اخلاق کا یہ زریں اصول ایک واقعہ کی صورت میں یوں بیان فرمایا ہے۔

7485

یکے راز شت خوئے داد دشنام	تحمل کرد و گفت اے نیک فرجام
بتر زانم کہ خواہی گفت آنی	کہ دانم عیب من چون من ندانی

(۹) ترجمہ۔ اے حافظ تو نے غزل کہی اور موتی پروئے آ اور خوش آوازی سے پڑھ۔ کہ تیری نظم پر آسمان عقد ثریا کو قربان کرے۔

عقد۔ بالکسر۔ سلک مروارید۔ ہار۔ ثریا۔ پروین۔ چھ ستارے آسمان میں باریک اور متصل بہ یکدیگر نظر آتے ہیں۔

چونکہ پہلے مصرع میں شاعر نے اپنی غزل کو موتیوں کی لڑی سے تشبیہ دی ہے اس لئے دوسرے مصرع میں ثریا کو مقابل لایا ہے جو کہ شکل میں موتیوں کے ہار کی طرح ہے۔ شاعر عموماً اپنی کلام کی نسبت ایسے فخریہ اشعار کہتے ہیں۔ اور یہ جائز ہے۔

معیوب نہیں۔

خواجہ صاحب نے اس شعر میں الفاظ دُر نظم - افشاند (افشاں) اور عقد کو نہایت خوش اسلوبی سے یکجا استعمال کیا ہے۔

غزل (۷)

دوشں از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما	۱	چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما
در خرابات مغان ما نیز ہم منزل شویم	۲	کاین چنین رفت است در عہد ازل تدبیر ما
ما مریداں رو بسوئے کعبہ چون آریم چون	۳	رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما
عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چون خوش است	۴	عاقلان دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما
روئے خوبت آیتے از لطف بر ما کشف کرد	۵	زاں سبب جز لطف و خوبی نیست در تفسیر ما
با دل سنگینت آیا ہیچ در گیرد شبے	۶	آہ آتش بار و سوز نالہ شبگیر ما
مرغ دل را صید جمعیت بدام افتادہ بود	۷	زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیر ما
باد بر زلف تو آمد شد جہاں بر من سیاہ	۸	نیست از سودائے زلفت بیش ازین توفیر ما
تیر آہ ما ز گردوں بگذرد جان عزیز	۹	رحم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما

(۱۰) بر در میخانہ خواہم گشت چون حافظ مقیم
چوں خراباتی شد اے یار طریقت پیر ما (۱۰)

(۱) ترجمہ - کل مسجد سے میخانہ کی طرف ہمارا پیر آیا۔ اے یارانِ طریقت اس کے بعد ہماری کیا تدبیر ہے۔

(۲) ترجمہ - خرابات مغاں میں ہم بھی ہم منزل ہوں۔ کیونکہ اسی طرح عہدِ ازل

ہماری تدبیر ہوئی ہے۔

(۳) ترجمہ۔ ہم مرید کعبہ کی طرف کس طرح منہ کریں۔ ہمارا پیر میخانہ کی طرف منہ رکھتا ہے۔

ازل۔ بفتحتین۔ ہمیشگی۔ وہ زمانہ جس کی ابتدا نہ ہو۔

خمار۔ بالفتح وتشدید میم۔ خمرساز۔ مے فروش

خواجہ صاحب بیان فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارا راہنما ہمیں قیود شریعت سے نکال کر الفت کی بالاتریں منازل میں لے چلا ہے۔ اس لئے گرچہ یہ ترقی مسجد سے میخانہ کی طرف معلوم ہوتی ہے۔ مگر ہمیں اپنے پیر کی اطاعت سے چارہ نہیں۔ ہم بھی اپنے پیر کے ساتھ خرابات مغان میں ہم منزل ہوتے ہیں۔ کیونکہ روز ازل سے ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے۔ ممکن نہیں کہ ہم اپنے مرشد کی اطاعت سے انحراف کریں ان ہر سہ اشعار میں مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ ہم اپنے رہنما کے حکم پر خودی کو چھوڑ کر مستی اختیار کرنے والے ہیں۔ اور عاشقان الہی کو یہ منزل ضرور طے کرنی پڑتی ہے۔ اور اطاعت مرشد بھی بے چوں وچرا لازم ہے۔

تا بخودی پائے نگہدار باش	دم زشریعت زن وہشیار باش
ہر چہ زبیش است وزکم باز وان	سجدہ وتعظیم زہم باز وان
دررہ الفت کہ بود ہیچ ہیچ	پا چو نہی بر تو تکیہ یم ہیچ

ممکن ہے۔ کہ ان اشعار میں حضرت آدم علیہ السلام کے خلد سے زمین پر آنے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ عالم بالا کو بلا تکلف مسجد سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ وہاں ملائک ہر وقت تسبیح میں مشغول ہیں اور سوائے اس کے ان کا وہاں کوئی اور شغل نہیں حضرت آدم علیہ السلام کو بھی وہاں یہی فرض سپرد ہوا تھا۔ اس کے مقابل میں دنیا کو بھی میخانہ اور خرابات مغاں کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح اشعار کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام عالم بالا کو چھوڑ کر اس خرابات میں آ گئے۔ اس لئے ہم مجبور ہیں کہ ہم بھی اسی منزل میں قیام کریں۔ ہماری قسمت میں روز ازل کو یہی لکھا گیا تھا۔

کہ ہم ایسے اعلےٰ مقام کو چھوڑ کر اس خرابات میں آ کر مقیم ہوں۔

بسر کیونکر کرینگے خلد میں ہم واعظ نادان	ہمارے جد امجد کو نہ واں رہنے کا ڈھب آیا

ایک صاحب ان شعروں کے متعلق لکھتے ہیں۔ ” کہ حضور سرور کائنات صلعم کا نور سجدعالم قدس میں ہزار ہا سال تک تسبیح و تہلیل میں رہا ہے اور پھر آنحضرتؐ میخانہ یعنی مقام عشق تک پہنچے۔ اب اس کے بعد ہماری سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آتی سوائے اس کے کہ ہم بھی اسی طرف کو چلیں “۔ یہ تاویل محض بے معنی ہے۔ اور ان شعروں پر ہرگز اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ علاوہ براں جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے ع ۔ با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار کے زرین اصول کی نہایت احتیاط سے پابندی لازم ہے۔ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات کی نسبت میخانہ۔ خرابات مغاں اور خانہ خمار جیسے الفاظ کا استعمال ترک ادب میں شامل ہے۔ نعوذ باللہ ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ آنحضور نے منازل محبت کو طے نہیں کیا۔ طے کیا اور ضرور کیا۔ مگر چونکہ آنحضور صاحب شریعت اور صاحب سنت تھے۔ اس لئے اگرچہ انہوں نے عشق الہی کے جام کیا خم کے خم خالی کئے مگر عالی ظرفی کی وجہ سے ان کی تمکنت اور ثقت میں یک مو فرق نہ آیا۔ اسی مضمون پر خواجہ کے شعر بھی دیکھئے۔

خرقہ رہن خانہ خمار دارد پیر ما	اے ہمہ رنداں مرید پیر ساغر گیر ما
گر شدیم از بادہ بدنام جہان تدبیر چیست	ہمچنین رفت است در روز ازل تقدیر ما

(۴) ترجمہ ۔ عقل کو اگر معلوم ہو کہ دل اس کی زلف کی قید میں کیسا خوش ہے، تو عاقل ہماری زنجیر کے لئے دیوانہ ہو جائیں۔

قاعدہ ہے۔ کہ دیوانہ آدمی کو پابہ زنجیر رکھتے ہیں تاکہ وہ آزاد ہو کر کوئی فساد برپا نہ کرے۔ عاشق کی دیوانگی کا موجب بھی معشوق کی پریشانی زلف ہوتی ہے۔ اور اس کے قید رکھنے کے لئے زنجیر کا کام بھی زلف معشوق کے پیچ و تاب کے ہی سپرد ہے۔

دوسرے مصرع میں زنجیر پا کا اشارہ بھی زلف کی طرف ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر عقلمندوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا دل محبوب کی زلف کے خیال میں کیسا مست اور خوش رہتا ہے

تو وہ بھی اسی زلف کے اسیر ہونے کے لئے دیوانہ ہو جائیں۔ عقل و دیوانگی کے متعلق مفصل پہلے لکھا جا چکا ہے۔ خواجو کا شعر ہے۔

ما دل دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم اے بسا عاقل کہ شد دیوانہ زنجیر ما

(۵) ترجمہ۔ تیرے خوبصورت چہرہ نے لطف کی نشانی ہم پر ظاہر کی۔ اس لئے لطف اور خوبی کے سوا ہمارے بیان میں کچھ نہیں۔

اس شعر میں الفاظ آئت و تفسیر بطور ایہام استعمال ہوئے ہیں۔ اور نہایت اچھے پیرائے میں لائے گئے ہیں۔ آئت و تفسیر سے یہاں آت قرآنی یا تفسیر قرآنی مراد نہیں۔ جو ان الفاظ کے معروف معنے ہیں۔ مگر چونکہ پہلے مصرعہ میں لفظ آیت آیا ہے۔ خواجہ صاحب نے اس کی رعائت سے دوسرے مصرع میں لفظ تفسیر کا انتخاب کیا ہے اور اچھا کیا ہے۔ معشوق کے روئے خوب سے مراد محبوب کی شان جمالی لی جاتی ہے۔ چنانچہ صوفی کہتے ہیں کہ ع۔

رخ اینجا مظہر حسن خدائیست

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جب ہم نے تیرے خوبصورت چہرہ کو دیکھا۔ تو ہمیں اس سے اکرام و الطاف کی نشانیاں نظر آئیں اور اس لئے اب ہماری تمام گفتار لطف و خوبی کے بیانات سے بھری ہوئی ہے۔ اور ضرور ہے۔ کہ جو شخص خداوند کریم کی شان جمالی کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ اس کی تمام زندگی اس کے تمام افعال و اقوال اور اس کے تمام اخلاق و اطوار آئیت لطف کی تفسیر ہونگے۔

(۶) ترجمہ۔ کیا تیرے پتھر جیسے دل پر کسی رات اثر کرتے ہیں ہماری آتشبار آہ اور شبگیر نالہ کا سوز۔

گیرد۔ در گرفتن بمعنے موافق آنا۔ کسی چیز پر محیط ہونا۔ جلانا۔ اثر کرنا۔ برابر ہونا روشن ہونا۔

شبگیر۔ بمعنی رات۔ سحرگاہ۔ آخر شب۔ رات کو سفر کرنا۔ وہ مرغ جو آخر شب وردناک آواز کرے۔ وہ آدمی جو آخر شب عبادت کے لئے اُٹھے۔ (غیاث اللغات)

عاشق ہمیشہ معشوق کو سنگدل کہا کرتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ باریتعالی کی

شانِ جلالی کی طرف اشارہ ہو۔ شعر کے معنے روشن ہیں۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری آگ برسانے والی آہ اور آخرِ شب کے نالہ کا سوز کسی رات کو تیرے پتھر سے دل پر کچھ اثر کرتے ہیں۔ لفظ درگیرد چونکہ جلانے اور نیز اثر کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے بمقابلہ آتشبار و سوز کے اس لفظ کا استعمال کرنا کمال فصاحت ہے۔ صاحب گلبن معرفت نے درگرفتن کے معنی دروازہ کھولنا بیان فرمائے ہیں۔ کمال کیا ہے

(۷) **ترجمہ**۔ مرغ دل کو جمعیت کا شکار جال میں پھنسا تھا۔ تو نے زلف کھولی اور پھر ہمارا شکار ہاتھ سے نکل گیا۔

جمعیت۔ دل جمعی۔

عاشق ہمیشہ زلف محبوب کی پریشانی کو اپنے دل کی پریشانی کا سبب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے ردیف ہذا کی غزل نمبر ۲ کے شعر نمبر ۳ میں بھی یہی خیال فرمایا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم تیرے خوبصورت چہرہ کو نہایت اطمینان سے اور دل جمعی سے دیکھ رہے تھے۔ کہ تو نے اپنی زلف کو کھولا اور ہمارا دل پریشان ہو گیا۔ اسی شعر میں عالم حیرت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ عاشق حق اپنے محبوب کے دربار میں نہایت اطمینانِ خاطر سے حسن مطلق کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اور اسی میں مستغرق ہے کہ زلف کے کھلنے سے یعنی کسی قسم کے بیرونی خیال کے دل پر آ جانے سے وہ تمام مشاہدہ اور نظارہ آنکھوں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور عاشق کے دل کو پھر پریشان کر دیتا ہے۔ کیونکہ عاشق ہمہ تن چشم ہو کر دیدارِ معشوق میں محو ہوتا ہے۔ تو جب ذرا بھی ادھر ادھر ہوئی اور وہ تماشہ غائب ہو گیا۔

در بزم وصال تو بہ ہنگام تماشا — نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

مرزا عبدالقادر بیدل نے بھی اس حالت کو نہایت نزاکت سے بیان فرمایا ہے۔ اور موتی پروئے ہیں۔

نزاکت ہاست در آغوش مینا خانۂ حیرت — مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

ڈاکٹر اقبال نے بھی اسی مضمون پر کہا ہے۔

نظارہ کو یہ جنبش مژگان بھی بار ہے — نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

دیکھو ردیف ہذا غزل (۱۰) شعر (۳) و غزل (۲) شعر (۲)

(۸) ترجمہ ۔ تیری زلف پر ہوا آئی اور جہاں مجھ پر سیاہ ہوگیا۔ تیرے زلف کے سودا میں اس سے زیادہ ہماری توقیر نہیں ۔

اس شعر میں پھر وہی گذشتہ شعر کی طرح زلف کے پریشان ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اور مضمون بھی قریباً قریباً وہی ہے ۔

ہوا جو اجڑا اجڑا اُن کا تو یہ عقدہ کُھلا ہم پر — کہ حسن آباد میں اندھیر ہے بے بندوبستی ہے

(۹) ترجمہ ۔ ہماری آہ کا تیر آسمان سے گذر جاتا ہے اے جان عزیز۔ اپنی جان پر رحم کر اور ہمارے تیر سے ڈر

اس شعر میں بھی عاشقانہ اور ناصحانہ دو نو پہلو موجود ہیں۔ مظلوموں کی آہ سے ڈرنا چاہیئے ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن — اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

خواجہ صاحب نے بھی صرف اپنی آہ کے موثر ہونے پر زور دے کر مخاطب کو کہا ہے کہ اپنی جان پر رحم کر اور ہماری آہوں سے ڈر۔ عاشقوں کے نالے بھی آسمان سے نیچے نہیں رہتے ۔

الٰہی خیر ہو چرخ کہن کی — لگے نالے ہمارے سر اٹھانے

خواجو کہتا ہے ۔

از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو — گر کمان نرم زخمش سخت باشد تیر ما

(۱۰) ترجمہ ۔ حافظ کی طرح میخانہ پر مقیم ہو جاؤنگا۔ اے یار طریقت جب ہمارا پیر خراباتی ہو گیا۔

مقطع کے شعر کا مضمون وہی ہے جو مطلع غزل میں ہے اس لئے اسکے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ۔ البتہ لفظ خراباتی کے متعلق عارف محمود تبریزی قدس سرہ کی کتاب گلشن راز سے چند اشعار کا یہاں درج کرنا غیر موزوں نہوگا ۔

خراباتی شدن از خود رہائیست	خودی کفر است اگر خود پارسائیست
خرابات از جہان بے مثالیست	مقام عاشقاں لاابالیست
خرابات آشیان مرغ جان است	خرابات آستان لامکانست
خراباتی خراب اندر خراب ست	کہ در صحرای او عالم سرابست

گرفتہ دامن رندان خمار
ز شیخی و مریدی گشتہ بیزار

غزل (۸)

شب از مطرب کہ دل خوش باد وے را	۱	شنیدم نالۂ جاں سوز نے را
چناں در جان من سوزش اثر کرد	۲	کہ بے رقت ندیدم ہیچ شے را
حریفے بد مرا ساقی کہ ہر دم	۳	ز زلف و رخ نمودے شمس و فے را
چو شوقم دید در ساغر مے افزود	۴ ق	بگفتم ساقی فرخندہ پے را
رہانیدی مرا از شر ہستی۔	۵ ق	چو بیہودی بپایے جام مے را
حماک اللہ عن شر النوائب	۶	جزاک اللہ فی الدارین خیرا

(۷) چو بے خود گشت حافظ کے شمارد
بیک جو ملکت کاؤس و کے را (۷)

(۱) ترجمہ رات مطرب سے کہ اس کا دل خوش رہے۔ میں نے
نے کا نالۂ جان سوز سنا۔

(۲) ترجمہ۔ میری جان میں اس کے سوز نے ایسا اثر کیا کہ میں نے کسی چیز کو بھی بے رقت نہ دیکھا۔

(۳) ترجمہ۔ میرا دوست ایک ساقی تھا جو ہردم زلف و رخ سے شمس و دے دکھاتا تھا۔

(۴) ترجمہ۔ جب اس نے میرا شوق دیکھا تو ساغر میں شراب زیادہ کیا میں نے اس مبارک قدم ساقی کو کہا۔

(۵) ترجمہ۔ تو نے مجھے شر ہستی سے رہا کر دیا جب تو نے پے در پے جام مے کا دور شروع کیا۔

(۶) ترجمہ۔ خدا تجھے مصائب کے شر سے بچائے (مدد کرے) اور خدا تجھے دونوں جہانوں میں جزائے خیر دے۔

(۷) ترجمہ۔ جب حافظ بیخود ہو گیا تو کب سمجھتا ہے ایک جو کے برابر ملک کاؤس و کے کو۔

چونکہ غزل کے عام قاعدہ کے برخلاف اس غزل میں مسلسل مضمون موجود ہے۔ بطور قطعہ کے خواجہ صاحب نے ایک خاص واقعہ کو منظوم کیا ہے۔ اس لئے ضروری نہیں۔ کہ ہر ایک شعر کی علیحدہ علیحدہ شرح لکھی جاوے۔ چنانچہ تمام غزل کے متعلق جو کچھ کہنا ہے۔ اکٹھا لکھا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ گذشتہ رات کو مطرب نے کہ خدا اس کے دل کو ہمیشہ خوش رکھے نے کی نہایت جان سوز نالے سُنے۔ جن کو سن کر میرے دل میں اس قدر رقت پیدا ہوئی۔ کہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ ہر شے میں رقت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی آدمی کے دل پر کوئی خاص کیفیت اپنی پوری طاقت سے طاری ہوتی ہے تو تمام دنیا کی چیزوں کو وہ آدمی اسی رنگ میں دیکھتا ہے۔ روزانہ تجربہ کی بات ہے کہ اگر ہمارے دل میں کسی خاص واقعہ نے غم کی حالت پیدا کر دی ہو۔ اور غم معمولی درجہ سے بڑھ گیا ہو۔ تو تمام دنیا غمگین نظر آتی ہے۔ جہان آنکھوں میں سیاہ ہو جاتا

ہے۔ برعکس اس کے اگر کوئی غیر معمولی فرحت ہمیں حاصل ہو جائے۔ تو ہر ایک شے بشاش اور شاد نظر آتی ہے۔ خواجہ صاحب کے دل پر بھی نالہ نے کے سوز نے اس قدر گہرا اثر کیا اور اتنی رقت پیدا کی کہ ان کو معلوم ہوا کہ ہر شے میں رقت پیدا ہو گئی ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سماع اور اس کے اثر کے متعلق فرماتے ہیں۔

نہ مطرب کہ آواز پائے ستور	سماعت اگر عشق داری و شور
مگس پیش شوریدہ دل پر نزد	کہ او چوں مگس دست بر سر زند
نہ بم داند آشفتہ سامان نہ زیر	بآواز مرغے بنالد فقیر
چو شوریدگاں مے پرستی کنند	برآواز دولاب مستی کنند
نہ بینی شتر بر حدائے عرب	کہ چونش برقص اندر آرد طرب
شتر را چو شور و طرب در سراست	اگر آدمی را نباشد خراست

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "بدانکہ ایزد تعالےٰ را سریست در دل آدمی کہ آں دراں چناں پوشیدہ است کہ آتش در آہن و سنگ و چنانکہ بزخم آہن بر سنگ آں سر آتش آشکارا گردد و بصحرا افتد۔ ہم چنیں سماع آواز خوش موزون گوہر دل را بجنباند و دراں چیزے پیدا آورد و بے آنکہ آدمی را دراں اختیاری باشد۔ آواز خوش موزون متناسب است ہم شباہتے دارد از عجائب آں عالم تاں سبب آگاہی در دل پیدا آئد و حرکتی و شوقے پدید آورد و ہر کرا در دل آتش شوق حقتعالیٰ باشد۔ سماع اور اہم بود کہ آں آتش تیز تر گردد"۔

نے کی آواز میں درد و سوز اس قدر ہے کہ شاید ہی کسی اور ساز میں ہو گا۔ مولانائے روم نے اپنی عظیم الشان مثنوی کی بسم اللہ ہی نالۂ نے سے کی ہے۔ اور کہا ہے

آتش است ایں بانگ نے و نیست باد	ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد
آتش عشق است کاندر نے فتاد	جوشش عشق است کاندر مے فتاد
نے حدیث راہ پر خوں میکند	قصہ ہائے عشق مجنوں میکند
گر نبودے نالۂ نے را ثمر	نے جہاں را پر نکردے از شکر

خواجہ صاحب پھر فرماتے ہیں کہ اسی محفل میں ہمارا ساقی بھی تشریف فرما تھا۔ جو اپنی زلف اور رخ سے محفل میں کبھی شب دیجور اور کبھی روز روشن کی کیفیت پیدا کرتا تھا۔ زلف و رخ اور شمس و دے میں لف و نشر غیر مرتب ہے۔ کیونکہ زلف کا تعلق دے سے اور رخ کا تعلق شمس سے ہے۔ نہ کہ بالعکس۔ عاشق ہمیشہ روے یار کو آفتاب سے اور زلف کو شب دیجور سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لفظ دے مخفف دیجور کا ہے۔ بمعنی شب تاریک۔ مگر مولوی محمد غیاث الدین مولف غیاث اللغات فرماتے ہیں۔ کہ لفظ دے کو جو لوگ دیجور کا مخفف کہتے ہیں۔ اور اس کی سند میں خواجہ حافظ کا یہ مصرع پیش کرتے ہیں۔ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ لفظ دیجور صرف بطور کلمہ صفت شب کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ بمطلق سیاہ رات کے معنوں میں کبھی استعمال نہیں ہوا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کے اس مصرع میں اصل لفظ دَے ہے۔ دے نہیں ہے۔ لفظ دَے بمعنے ساتہ و تاریکی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس خیال کی تائید میں بعض نسخوں میں لفظ دَے بھی لکھا گیا ہے۔

آگے چل کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ساقی نے میری رقت کو ملاحظہ کیا اور دیکھا کہ مجھ میں آتش شوق شعلہ زن ہے تو اس کو فرو کرنے کے لئے اس نے مجھے ساغر میں اور مے ڈال دی۔ جس پر میں نے مبارک قدم اور بایمن ساقی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ تو نے مجھے پے در پے جام مے دے کر ہستی کے شر سے نجات دلوائی ہے۔ شر ہستی یا خودی اور مے کے متعلق مفصل طور پر دیوان کے سب سے پہلے شعر میں بحث ہو چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ عربی شعر صرف ساقی کے حق میں بطور دعا کے استعمال ہوا ہے۔ لفظ نوائب بفتح اول و کسر ہمزہ جمع نائبہ ہے۔ بمعنی مصیبت۔ دارین یعنی دو دار بمعنی دنیا و عاقبت۔

مطلع میں خواجہ حافظ نے کہا ہے کہ جب ہم بے خود ہو جائیں۔ تو پھر ملک کیکاؤس اور کیخسرو کو ہم ایک جو کی وقعت نہیں دیتے۔ شراب کا خاصہ ہے۔ کہ سرور اور مستی میں انسان کو اس قدر خیالات کی بلندی نصیب ہوتی ہے۔ کہ دنیا کے تفکرات کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اور فی الحقیقت اس کی نظروں میں بادشاہوں

کی بادشاہی نہیں جچتی۔ اور محبت الہی کا تو ایک جام انسان کو اس قدر عالی ہمت بنا دیتا ہے۔ کہ وہ دنیائے دوں کو لات مارتا ہے۔ اور اپنی اس حالت کو تمام دنیا کی بادشاہی پر ترجیح دیتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ خدا کو پا لیا تو سب کچھ پا لیا۔ امیر خسرو نے مطلع الانوار میں کہا ہے کہ

طرفہ بود کہ ساقی سپرد	کم ز فنا برد و بہ باقی سپرد
از ہمہ گاں سوئے تو رو تافتم	تا ہمہ یابم چو ترا یافتم۔

مقطع میں لفظ جو کے استعمال میں ایک اور نکتہ بھی ہے۔ جو قابل ذکر ہے۔ خواجہ صاحب نے چونکہ اپنی بیخودی کو شراب کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔ اور شراب جو سے بھی بنائی جاتی ہے۔ اس لئے تمام دنیا کی سلطنت کو جو کے ایک دانہ کی قیمت بھی نہیں دی۔ یوں بھی جس چیز کو بہت کم قیمت بتانا ہو اس کو جو سے مقابلہ کرتے ہیں۔

غزل (۹)

صوفی بیا کہ آئینہ صاف ست جام را	۱	تا بنگری صفائے مے لعل فام را
راز درون پردہ ز رندان مست پرس	۲	کیں حال نیست صوفی عالی مقام را
عنقا شکار کس نشود دام باز چین	۳	کانجا ہمیشہ باد بدست ست دام را
من آن زمان طمع ببریدم ز عافیت	۴	کاین دل نہاد در کف عشقت زمام را
ما را بر آستان تو بس حق خدمت ست	۵	اے خواجہ باز بیں بترحم غلام را
در عیش نقد کوش کہ چون آبخور نماند	۶	آدم بہشت روضہ دار السلام را
در بزم دور یک دو قدح درکش و برو	۷	یعنے طمع مدار وصال دوام را
اے دل شباب رفت و نچیدی گلے ز عمر	۸	پیرانہ سر مکن ہنرے ننگ و نام را

(۹)	حافظ مرید جام جم است اے صبا برو وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را	(۹)

(۱) ترجمہ ۔ اے صوفی آ کہ جام مے کا شیشہ صاف ہے ۔ تاکہ تو شراب سرخ رنگ کی صفائی دیکھے ۔

صوفی سے مخاطب ہو کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آ اور دیکھ کہ جام مے کا کا شیشہ صاف ہے ۔ اور اس کے اندر سے مئے لعل کا رنگ صاف نظر آ رہا ہے ۔ یا طالب حق کے روشن دل کو دیکھ جس میں سوائے عشق خدا کے اور کچھ چیز نہیں ہے اس لئے اس میں محبت الہی کا مے گلرنگ صاف نظر آ رہا ہے ۔ آ اور تو بھی اس سے کچھ فیض حاصل کر ۔

(۲) ترجمہ ۔ پردہ کے اندر کا راز مست رندوں سے پوچھ ۔ کیونکہ صوفی بلند مقام کا یہ حال نہیں ۔

مولانا عبدالعلی بحرالعلوم نے شرح مثنوی مولانائے روم دفتر اول میں خواجہ حافظ کے اس شعر کی بھی ضمناً تشریح فرمائی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں ۔ کہ صوفی کبھی صاحب حال ہوتا ہے ۔ کہ حال و وقت اس پر غالب ہوتا ہے اور وہ غلبہ حال کی وجہ سے کوئی ایسی بات منہ سے نکال دیتا ہے ۔ جو بظاہر خارج از آداب ہوتی ہے ۔ ایسے صوفی کو صوفی مغلوب الحال کہتے ہیں ۔ بوجہ غلبہ حال اس کی زبان پر وہ کلمات آجاتے ہیں ۔ وہ معذور ہے ۔ اور مجبور ہے ۔ کہ اس کے حال نے اسے یہی حکم کیا اور کبھی صوفی صاحب مقام ہوتا ہے ۔ اس صورت میں وہ اپنے احوال کا خود مالک ہوتا ہے محفوظ ہوتا ہے ۔ اور آداب کا پابند ۔ پس صوفی صاحب مقام آداب شرعیہ کو علے وجہ الکمال محفوظ رکھتا ہے ۔ اور افشائے راز جس کا مقتضی حال ہے ۔ وہ نہیں کرتا ۔ البتہ اس صورت میں کرتا ہے ۔ کہ مامور ہو ۔

حکایت کہتے ہیں کہ ایک اہل اللہ نے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کو لکھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسا شخص ہے ۔ جو ایک پیالہ پیئے اور مست نہ ہو ۔ آپنے جواب میں فرمایا کہ ایسے بھی ہیں جو دریا پی جاویں اور ڈکار نہ لیں ۔

نبی کو راز درون پردہ سے پوری واقفیت ہوتی ہے۔ مگر وہ چونکہ صاحب مقام ہوتا ہے اور عالی مقام ہوتا ہے۔ اس لئے وہ راز درون پردہ کو فاش نہیں کرتا کیونکہ صاحب شریعت اور صاحب سنت نبی کو ضروری ہے کہ وہ صاحب مقام ہو۔ ولی بھی عموماً صاحب مقام ہوتے ہیں۔ اگرچہ اکثر مغلوب الحال بھی ہوتے ہیں ؁

رندان مست سے مراد اس شعر میں صوفیان مغلوب الحال سے ہے منصور نے انا الحق کہ کر راز درون پردہ کا افشا کیا مگر کسی نبی نے یہ راز افشا نہ کیا۔ کیونکہ وہ مغلوب الحال نہ تھے۔ وہ عوام الناس کی راہنمائی پر مامور تھے اور عوام الناس کے لئے افشار راز کسی صورت میں مفید نہیں ہو سکتا۔

حکائت کہتے ہیں کہ ایک روز شیخ احمد جامی ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے اور کلاہ غازی سر پر رکھی تھی۔ فرمان رب العزت ہوا۔ کہ اے احمد کلاہ غازی بیچتا ہے شیخ نے جواب دیا کہ خدایا تیرے پاس اسکی قیمت ہے؟ کہ خریدے گا فرمان باری ہوا۔ کہ اے احمد جو کچھ تو مانگے گا دونگا۔ شیخ نے جواب دیا کہ خدایا اگر تو دنیا اور عاقبت مجھے دے تو اس کے عوض نہیں لونگا۔ اور تو خود تو پہلے ہی میرا ہے۔ اور تیرے پاس کیا ہے کہ دے گا۔ حکم ہوا کہ اے احمد اتنی بے ادبی نہ کر ایسا نہ ہو۔ کہ میں اپنے بندوں کو کہدوں اور پھر تم پر کوئی اعتبار ہی نہ کرے۔ شیخ نے کہا کہ تو بھی بس کر ایسا نہ ہو کہ تیرے کرم کا بیان میں تیرے بندوں کے سامنے کر دوں اور پھر کوئی آدمی تیری بندگی میں سر تک نہ جھکائے ؁

اس روائت سے معلوم ہوتا ہے کہ راز درون پردہ کا اخفا ہی اچھا ہے۔

(۳) **ترجمہ** ۔ عنقا کسی کا شکار نہیں ہوتا جال اٹھالے۔ کیونکہ اس جگہ ہمیشہ جال کے ہاتھ ہوا آتی ہے۔

عنقا ۔ بالفتح۔ ایک دراز گردن پرندہ ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا وجود فرضی ہے۔ کیونکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وجہ تسمیہ۔ عنق بمعنے گردن۔ معلوم الاسم اور مجہول الجسم اشیا پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

خوش قسمتی سے خواجہ صاحب کے اس شعر پر بھی مولانا بحرالعلوم نے مثنوی کے دفتر سوم کی شرح بیان فرماتے ہوئے کچھ لکھا ہے۔ مثنوی کے جن شعروں کی تشریح کے ضمن میں مولانا نے اس شعر کی شرح فرمائی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

چشم دریا دیگر است وکف دگر	کف بہل از دیدہ در دریا نگر
جنبش کفہا ز دریا روز و شب	کف ہمے بینی و دریا نی عجب
ما چو کشتی ہا بہم بر میزنیم	تیرہ چشمیم و در آب روشنیم
اے تو در کشتی تن رفتہ بخواب	آب را دیدی نگر در آب آب
آب را آبے ست کو میراندش	روح را روحیست کو میخواندش

یہاں عنقا سے مراد ذات باری لی گئی ہے اور تمام حکیم اور عارف اپنے عجز کا اعتراف کرتے آتے ہیں کہ خداوند کریم کی ذات وصفات کے متعلق پتہ لگنا محال ہے۔ اس امر کی تصریح غزل نمبر (۹) کے شعر نمبر ۲ میں ہو چکی ہے۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ ایک شارح نے لکھا ہے۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے مشاہدہ ذات باری پردۂ معنی میں حاصل کیا ہے۔ وہ اس مشاہدہ کو تجلی ذاتی خیال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان اشعار میں تنبیہ ہوئی ہے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ گرچہ یہ مشاہدہ محبوب ہے۔ لیکن پردہ معنی میں ہے۔ مشاہدہ ذات اور تجلے ذات وہ ہے جو صورت اور معنی سے مبرّا ہو۔ جس شخص نے مشاہدہ ذات باری پردہ معنی و روح میں کیا ہو۔ تو گویا اس کے لئے معنے و روح مرآت ہیں اور ذات باری مرئیہ۔ پس اس آدمی کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ذاتِ حق عین روح ہے، اور سوائے ان مرات معنی و روح کے جلوہ ذات کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے۔ کہ مشاہدہ ذات حاصل کرنا بالکل محال ہے۔ جس کو ہم مشاہدہ ذات سمجھتے ہیں وہ مشاہدۂ عینِ ذات نہیں۔

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود	(غالبؔ)	ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

خواجہ صاحب کا مطلب بس یہی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ تیرے ہاتھ نہیں آئیگا۔ کیا کوشش کرتا ہے۔

نور حیرت در شب اندیشۂ او صاف تو	بس ہمایوں مرغ عقل از آشیاں انداختہ

عمر خیام کی اس رباعی کا بھی یہی مطلب ہے۔

آنہا کہ محیط فضل و آداب شدند	در کشف علوم شمع اصحاب شدند
رہ زین شب تاریک نبردند بروں	گفتند فسانہ و در خواب شدند

مولانا بحر العلوم نے شرح مثنوی دفتر سوئم میں بحوالہ سند شیخ عبد الرحمٰن جامی و فتوحات مکی لکھا ہے۔ کہ قول اللہ تعالیٰ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ کا مدعا بھی یہی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ڈراتا ہے ان کو اپنے نفس سے تاکہ اس کی طلب نہ کریں کہ سعی باطل نہ ہو

مقام معرفتش آشیانہ عنقا است	شنیدہ اند ولیکن ندیدہ اند آں را	(حسن)

(۴) ترجمہ۔ میں نے اس وقت آرام سے امید قطع کر دی۔ جب کہ اس دل نے باگ تیرے عشق کے ہاتھ میں دی۔

شعر بالکل صاف ہے۔ عاشقی اور ہے ہی کیا۔ ع

دل بدست دگرے دادن و حیران بودن

انوری نے کہا ہے کہ

عاشقی چیست مبتلا بودن	با غم و محنت آشنا بودن

(۵) ترجمہ۔ ہم کو تیرے آستانہ پر بہت حق خدمت ہے۔ اے خواجہ غلام پر نظر رحمت فرما۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ تیری آستان پر جبین سائی کی ہے اور رحم کا امیدوار ہوں چونکہ شعر عاشقانہ طرز میں ہے۔ اس لئے حق خدمت کا ذکر بھی کر دیا ہے ورنہ حق خدمت کا ذکر بے ادبی ہے۔ صرف رحم کی درخواست ہونی چاہئے۔ لیکن عاشق و معشوق کے درمیان آداب کی پابندی اتنی نہیں ہوتی۔

(۶) ترجمہ۔ عیش نقد کی کوشش کر کہ جب آب و دانہ نہ رہا۔ تو آدم نے باغ بہشت کو چھوڑ دیا۔

آبخور۔ نصیب۔ قسمت۔ رود خانہ۔ تالاب و نہر جس سے آدمی اور جانور پانی

بیتیں ۔ بہشت ۔ بؔ زائد ہشت بمعنی چھوڑا ۔ روضہ دار السلام ۔ بہشت جنت ۔ چونکہ باغ بہشت جائے سلامت ہے ۔ اس لیئے روضہ دار السلام کہا گیا ۔ لفظ بہشت بمقابل روضہ دار السلام خوب استعمال ہوا ہے ۔

خواجہ صاحب نے یہ شعر نقد و نسیہ پر لکھا ہے اور عیش نقد کو نسیہ پر ترجیح دی ہے لکھا ہے کہ عیش نقد کی کوشش کر صرف وعدوں پر نہ رہ اور اپنے خیال کی تائید میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ پیش کیا ہے ۔ کہ جب اُن کو عیش نقد سے منع کیا گیا ۔ تو بہشت جیسی چیز چھوڑ کر چلے آئے ۔

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار	کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

حکیم عمر خیام نے بھی اسی مضمون پر یہ رباعی لکھی ہے

گویند بہشت و حوض و کوثر باشد	و آنجا مے ناب و شہد و شکر باشد
پر کن قدح بادہ و بر دستم نہ	نقدے ز ہزار نسیہ خوشتر باشد

ایک اور رباعی میں بھی عیش نقد کی تاکید کی ہے ۔

ایں قافلہ عمر عجب میگذرد	دریاب دمیکہ باطرب میگذرد
ساقی غم فردائے حریفاں چہ خوری	پیش آر پیالہ کہ شب میگذرد

ایک صاحب نے اس شعر کے معنے اس طرح بیان فرمائے ہیں " کہ زندگی ہی میں ذکر و فکر کی کوشش کرنی چاہئے اور جب موت آجائے گی ۔ تو ایسے ہی پچھتاؤ گے جیسے حضرت آدم بہشت سے نکالے جانے پر وہاں کی عیش کے لیئے پچھتائے تھے " ۔

(۷) ترجمہ ۔ بزم دور میں ایک دو پیالے پی اور چلا جا ۔ یعنی وصال و دوام کی امید نہ رکھ ۔

شعر آسان ہے ۔ قابل تشریح نہیں ۔ فرماتے ہیں کہ بزم دور میں ایک دو پیالے بھی مل جائیں ۔ تو غنیمت جان پی لے اور چلا جا ۔ اس بزم کو ثبات نہیں ۔

جوں صبح اس چمن میں نہ ہم کھل کے ہنس لیے	فرصت رہی سو تبھی اک نفس رہی

(۸) ترجمہ ۔ اے دل جوانی گزر گئی اور تو نے عمر سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا (پھل نہ چنا)

بڑھاپے میں ننگ و نام کوشش نہ کر

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جوانی گزر گئی اور تونے سوائے بدنامی کے کچھ حاصل نہ کیا۔ اب اس عمر میں ننگ و ناموس کا خیال چھوڑ۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن		آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہونگے

(۹) ترجمہ۔ حافظ جام جم کا مرید ہے اے صبا جا اور بندہ کی طرف سے شیخ جام کو بندگی پہنچا۔

شیخ جام۔ جام مقام درخراساں (مولد ملا عبدالرحمن جامی) جام کے کسی بزرگ یا ممکن ہے۔ خواجہ قطب الدین یحیی جامی نیشاپوری رحمہ اللہ تعالی کی طرف اشارہ ہو

خواجہ صاحب قاصد صبا کو کہتے ہیں۔ کہ شیخ جام کو جاکر میری طرف سے سلام عرض کردو۔ اور کہدو کہ حافظ جام جم کا مرید ہو چکا ہے۔ اب اسے بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ مشہور ہے کہ خواجہ صاحب نے کسی کی بیعت نہیں کی (نفحات الانس)

نیز دیکھو شعر ت ۹

غزل (۱۰)

رونق عہد شباب ست دگر بستان را	۱	میرسد مژدہ گل بلبل خوش الحان را
اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی	۲	خدمت ما برساں سرو و گل وریحاں را
اے کہ برماہ کشی از عنبر سارا چوگان	۳	مضطرب حال مگرداں من سرگرداں را
ترسم آن قوم کہ بردرد کشاں مے خندند	۴	درسر کار خرابات کنند ایماں را
یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح	۵	ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفاں را
بروازخانہ گردون بدرو ناں مطلب	۶	کیں سیاہ کاسہ در آخر بکشد مہماں را

گر چنین جلوه کند مغبچهٔ باده فروش	۷	خاکروب درِ میخانه کنم مژگان را
نشوی واقف یک نکته ز اسرارِ وجود	۸	گر تو سرگشته شوی دائرهٔ امکان را
هر کرا خوابگاه آخر بدو مشتے خاک است	۹	گو چه حاجت که بر افلاک کشی ایوان را
ماه کنعانی من مسند مصر آن تو شد	۱۰	وقت آن است که پدرود کنی زندان را
در سر زلف ندانم که چه سودا داری	۱۱	که بهم بر زدهٔ گیسوی مشک افشان را
ملک آزادگی و کنج قناعت گنجے ست	۱۲	که بشمشیر میسر نشود سلطان را
(۱۳) حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے		دام تزویر مکن چون دگران قرآن را (۱۳)

(۱) ترجمہ۔ دوبارہ باغ کو رونق عہد شباب ہے۔ بلبل خوش الحان کو پھول کی خوشخبری پونچتی ہے

(۲) ترجمہ۔ اے صبا اگر تو جوانان چمن کے پاس واپس جاوے۔ سرو۔ گل اور ریحان کو ہمارا سلام کہیو۔

بستاں۔ مخفف بوستاں۔ باغ۔ **ریحاں**۔ نازبو

باغ میں پھر موسم بہار آگیا اور بلبل خوش الحان کو پھولوں کی آمد کی خوشخبری پہنچ رہی ہے۔ عہد شباب سے مراد جوانی اور مجازاً موسم بہار۔ عاشق قاصد صبا کو کہتا ہے۔ کہ جب تو جوانان چمن کے پاس واپس جائے۔ تو میری طرف سے بھی ان کو سلام عرض کرنا بستاں سے بزم یار مراد لے کر اور مژدہ کو امید وصال سمجھ کر حقیقت پر آپ خود پہنچ سکتے ہیں۔ کسی رہبری کی ضرورت نہیں۔

(۳) ترجمہ۔ اے کہ تو چاند پر عنبر سارا سے ہالہ ڈالتا ہے۔ مجھ سرگردان کو مضطرب حال نہ بنا۔

عنبر۔ ایک مشہور خوشبو ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ کسی بحری جانور کی سرگین ہے۔ اور غالب ظن یہ ہے کہ یہ ایک خوشبودار موم ہے۔ جو پہاڑوں میں سے نکل کر دریا کے

ذرلیعہ سمندر میں جاتا ہے۔ اور وہاں سے برآمد ہوتا ہے۔

سارا ۔ بمعنی خالص صرف عنبر مشک اور زر کی صفت میں استعمال ہوتا ہے۔ عنبر سارا بمعنے زلف عنبریں۔

چوگان ۔ مخفف چولگان۔ چول بمعنے خمیدہ گاں کلمہ نسبت۔ گو وچوگاں کی مشہور کھیل میں جو خمدار لکڑی استعمال ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تو اپنے چاند جیسے نورانی چہرہ پر زلف سیاہ کو پریشان کر کے عاشق سرگرداں کو زیادہ مضطرب نہ کر۔ زلف کو چوگاں سے بوجہ خمدار ہونے کے تشبیہ دی ہے۔ نیز ماہ و ہالہ میں ماہ کو گو اور ہالہ کو چوگاں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

زلف کی پریشانی سے جو کیفیت عاشق کے دل کی ہوتی ہے۔ وہ پہلے ردیف ہذا کی غزل نمبر (۲) کے شعر نمبر (۳) اور غزل نمبر (۷) کے شعر نمبر (۷) کی شرح میں لکھی جا چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۴) ترجمہ ۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ جو دُرد نوشوں پر ہنستے ہیں۔ خرابات کے معاملات میں ہی ایمان کو صرف کر دینگے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے۔ کہ وہ لوگ جو درد کشوں کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ آخر کار خود بھی وہ کار خرابات میں اپنے ایمان کو ضائع کر دیں گے۔ کار خرابات سے مراد یہاں سیاہ اعمالی ہے۔ یہ لوگ میخواری کی تو تضحیک کرتے ہیں۔ مگر اپنے نامۂ اعمال کو نہیں دیکھتے۔ یہ مضمون ردیف ہذا کی غزل نمبر (۴) شعر (۶) میں بھی آ چکا ہے۔ نیز دیکھو شعر ت ۴۔

اخلاقاً بھی دوسرے کے عیبوں پر ہنسنا اچھا نہیں۔ حضرت رسول کریم ؐ نے فرمایا ہے کہ "من عب لاخیہ لم یمت حتی وقع فیہ۔ یعنی وہ آدمی جو دوسروں کے عیب بیان کرتا ہے۔ مرنے سے پہلے انہی عیبوں میں خود گرفتار ہو جاتا ہے۔

گرمے نخوری طعنہ مزن مستاں را تو فخر بدیں کنی کہ من مے نخورم	گر دست دہد توبہ کنم یزداں را صد کار کنی کہ مے غلام ہست آں را

(۵) ترجمہ ۔ مردان خدا کا دوست ہو کہ کشتی نوح میں ایک ایسی خاک ہے جو طوفان کو پانی کے برابر نہیں سمجھتی۔

یہ شعر ناصحانہ طرز میں ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ مردان خدا کے ساتھ محبت پیدا کر۔ اور ان کی صحبت سے مستفید ہو۔ اور ساتھ ہی اپنے بیان کی تصدیق میں قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ طوفان کے وقت حضرت نوح ؑ کے ساتھ کشتی میں جو کوئی موجود تھا بچ گیا۔ حضرت نوح ؑ اگرچہ خاک سے تھے۔ مگر ان کے دل میں طوفان کی اتنی بھی منزلت نہ تھی جتنی ایک چلّو پانی کی۔ اور ان کی برکت سے انکے ساتھی بھی سب طوفان سے بحضرر نکل گئے۔ اسی طرح مردان خدا کی صحبت اختیار کرنے سے آدمی اس دنیا کے طوفانِ معاصی سے بچ سکتا ہے۔ بعض شارحین نے خاک سے وہ مٹی مراد لی ہے۔ جو کشتی نوح ؑ میں تھی اور جس سے حضرت نوح نے تیمم کیا تھا۔ کیونکہ آب طوفان قابل وضو نہ تھا۔

(۶) ترجمہ ۔ خانۂ گردوں سے باہر نکل جا۔ اور روٹی نہ مانگ ۔ کیونکہ یہ سیہ کاسہ آخر مہمان کو قتل کر دیتا ہے۔

سیہ کاسہ ۔ ممسک بخیل ۔

یہ شعر بھی اخلاق میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیائے دوں سے وفا کی امید نہ رکھ ۔ اس گھر سے نکل جا۔ کیونکہ آخر کار اس گھر کا مہمان ہمیشہ مارا جاتا ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اسی مضمون پر فرمایا ہے کہ

تحرز من الدنیا فان فناءھا		محل فناء لا محل بقاء
ہر کہ ازیں کاسہ یک انگشت خورد		کاسۂ سر حلقۂ انگشت کرد ۔ (نظامی)

(۷) ترجمہ ۔ اگر مغبچۂ بادہ فروش ایسی جلوہ نمائی کرے۔ تو میں پلکوں کو میخانہ کے دروازے کا جاروب بنا دونگا۔

مغبچہ ۔ بچۂ مغ ۔ خاک روب ۔ جاروب ۔ جھاڑو ۔

یعنی مغبچۂ بادہ فروش کی جلوہ افروزی کی امید پر میں درمیخانہ کو اپنی پلکوں سے صاف کردونگا۔ گویا دیدہ و دل فرش راہ ۔

(۸) ترجمہ ۔ اسرار وجود کے ایک نکتہ کا بھی تو واقف نہ ہوگا ۔ اگرچہ تو دائرہ امکان میں سرگشتہ ہو جاوے ۔

دائرہ امکان ۔ بمعنے کائنات ۔ اصطلاح اہل حکمت میں (۱) امکان اسے کہتے ہیں ۔ جس کا عدم وجود دونو ضروری نہ ہوں ۔ چنانچہ جزئیات حادثہ مثل انسان و دیگر حیوانات نباتات و جمادات ۔ ان کو ممکن الوجود کہتے ہیں ۔ (۲) امتناع اسے کہتے ہیں ۔ جس کا عدم ضروری ہو جیسے شریک خدا ۔ محال بھی کہتے ہیں ۔ (۳) وجوب اسے کہتے ہیں جس کا وجود ضروری ہو مثلاً ذات باری تعالیٰ ۔ واجب الوجود بھی کہتے ہیں ۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تو تمام کائنات کے دائرہ میں سرگشتہ ہو کر پھرے تو بھی تو ایک نکتہ کو حل نہیں کر سکتا ۔

اس شعر کی تشریح الف ۹/۴ اور الف ۶/۲ وغیرہ اشعار میں گزر چکی ہے ۔

(۹) ترجمہ ۔ جس شخص کی خوابگاہ آخر دو مشت خاک ہے کہو کہ اسے کیا حاجت ہے کہ مکان کو آسمان پر پہنچاتا ہے ۔

یہ نصیحت بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔

اعتبر یا ایہا المغرور بالعمر المدید		این شداد بن عاد صاحب القصر المشید

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ت ۳/۴۲

دل اے رفیق دریں کاروان سرائے مبند	(سعدیؒ)	کہ خانہ ساختن آئین کاروانی نیست ۔

(۱۰) ترجمہ ۔ اے میرے ماہ کنعان مسند مصر تیرا ہو گیا اب وقت ہے کہ تو قید خانہ کو الوداع کہے ۔

ماہ کنعان ۔ حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی طرف اشارہ ہے ۔ قید خانہ سے نکلنے کے بعد وہ آخرکار عزیز مصر بنے ۔ یہاں ماہ کنعان سے مراد عاشق کا روح ہے ۔ مسند مصر سے مراد وصال محبوب اور زندان سے مراد قالب عنصری ہے ۔ جس میں طائر روح بند ہے ۔

مولانا طوطی ترشیزی نے کہا ہے

وقت آن شد کہ دل از دام ہوس باز رہد — طوطی روح ز بیداد قفس باز رہد۔
طوطی روح رسد در شکرستان وصال — شاہباز نیست ز غوغاے مگس باز رہد

(۱۱) ترجمہ۔ تیرے سر زلف میں میں نہیں جانتا کہ تو کیا سودا رکھتا ہے۔ کہ گیسوئے مشک افشان کو تو نے پریشان کیا ہوا ہے۔

مطلب ظاہر ہے کہ معلوم نہیں تجھے زلف کے متعلق کیا خیال ہے۔ کہ تو نے اپنے گیسوئے مشک افشاں کو برہم کیا ہوا ہے۔ پہلے کئی دفعہ لکھا جا چکا ہے کہ معشوق کی زلف کا عاشق کے دل پر کیا اثر ہوتا ہے اس شعر میں الفاظ **سر۔ سودا اور برہم زدہ** جنوں کی نسبت سے آئے ہیں۔ گویا تیری زلفوں کے سر میں کچھ جنوں ہے کہ ہمیشہ پریشاں رہتی ہیں۔ پریشانی جنوں کا خاصہ ہے۔

(۱۲) ترجمہ۔ ملک آزادگی اور گوشہ صبر ایک ایسا خزانہ ہے۔ جو تلوار سے بھی بادشاہ کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہ شعر بھی اخلاق میں ہے قطعہ ذیل بھی اسی مضمون پر ہے۔

دو قرص ناں اگر از گندم است یا از جو — سہ تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بچار گوشہ دیوار خود بخاطر جمع — کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزوں تر بہ نزد ابن یمین — ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو۔

(۱۳) ترجمہ۔ اے حافظ شراب پی رندی کر اور خوش رہ لیکن دوسروں کی طرح قرآن کو فریب کا جال نہ بنا۔

خواجہ حافظ نے اس شعر میں ریاکاری اور تزویر کو تمام گناہوں سے بڑا گناہ بتایا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ شراب خواری اور رندی اتنی معیوب نہیں۔ جتنی ریاکاری۔ اور فی الحقیقت قرآن شریف کو فریب کا جال بنانا سب سے برا اور سب سے بڑا گناہ ہے۔

امیر خسرو دہلوی نے کہا ہے۔

حیلہ و تزویر بحمل صواب — بو قلمونیست بر ام الکتاب
زرق تہ رخصت نعمان منہ — زیر ملک ہضیہ شیطان منہ

غزل (۱۱)

بملازمان سلطاں کہ رساند این دعا را	۱	کہ بشکر پادشاہی ز نظر مراں گدا را
چہ قیامت است جاناں کہ بعاشقاں نمودی	۲	رخ ہمچو ماہ تاباں دل ہمچو سنگ خارا
زرقیب دیو سیرت بخدا ہمے پناہم	۳	مگر آن شہاب ثاقب مددے کند خدا را
دل ذرہ بسوزی چو عذار بر فروزی	۴	تو ازین چہ سود داری کہ نمے کنی مدارا
مژہ سیاہت ار کرد برخون ما اشارت	۵	زفریب او بیندیش و غلط مکن نگارا
ہمہ شب درین امیدم کہ نسیم صبحگاہی	۶	بہ پیام آشنائے بنوازد آشنا را

(۷) بخدا کہ جرعہ دہ تو بہ حافظ سحرخیز
کہ دعائے صبحگاہی اثرے کند شما را (۷)

(۱) ترجمہ ۔ بادشاہ کے نوکروں کو کون یہ دعا پہنچائے ۔ کہ بادشاہی کے شکرانہ میں گدا کو نظر سے دور نہ کر۔

بملازمان سلطان ۔ بوجہ ادب کوئی درخواست براہ راست سلطان کے نام نہیں ہوتی ملازموں کے نام ہوتی ہے ۔ کتب انشا کے ملاحظہ سے یہ بات روشن ہوسکتی ہے۔

مطلب وہی ہے۔ جو شعر الف ۲/۳ کا ہے ۔ صاحب گلبن معرفت نے اس شعر کا اردو ترجمہ یہ کیا ہے "سلطان کے ملازموں میں سے کون ایسا ہے جو ہماری یہ دعا پہنچائے الخ" ۔ یہ ترجمہ بالکل بے معنی اور غلط ہے ۔

(۲) ترجمہ ۔ اے جاناں کیا قیامت ہے جو تو نے عاشقوں کو دکھائی ۔ چہرہ ماہ تاباں کی طرح اور دل سنگ سخت کی طرح ہے ۔

عاشق کے لئے بیشک قیامت ہے ۔ کہ معشوق اپنا خوبصورت چہرہ دکھا کر اُسے

قرینہ تو کرلے۔ مگر بوجہ سنگدلی عاشق کی آرزوں کو پورا نہ کرے۔

دیدارمے نمائی و پرہیزمے کنی		بازارخویش و آتش ماتیزمے کنی	

حقیقی معنوں کے شائق رُخ ہمچو ماہ تاباں سے حسن مطلق کی شان جمالی اور دل ہمچو خارا سے اس کی شان جلالی مراد لے کرا پنا شوق پورا کر سکتے ہیں ٭

(۳) ترجمہ ۔ دیو سیرت رقیب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ تاکہ وہ شہاب روشن خدا کے لئے مدد کرے۔

شہاب ۔ بکسر۔ ستارہ روشن ۔ شعلہ آتش جو بلند ہو۔ وہ ستارہ جو آتشبازی کی طرح آسمان پر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک نہایت سرعت سے دوڑتا ہوا کبھی کبھی نظر آتا ہے کہتے ہیں۔ کہ یہ رجم شیطان ہے۔ شیطان کو اس سے مار کر بھگایا جاتا ہے۔

ثاقب ۔ بکسر قاف۔ روشن ۔ درخشاں ۔

مطلب صاف ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے نفس امارہ سے جو شیطان کی طرح انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ ڈر رہتا ہے۔ البتہ اگر خدا تعالیٰ کی ہدایت کا چراغ راہ نمائی کرے اور نفس امارہ کو مغلوب کردے۔ تو اندلیشہ نہ رہے۔

(۴) ترجمہ ۔ دزد (عاشق) کے دل کو تو جلاتا ہے۔ جب رخسار روشن کرتا ہے تجھے اس سے کیا فائدہ ہے کہ مدارات نہیں کرتا۔

نہایت آسان شعر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو جلوہ افروز ہو کر تمام عالم کو اپنا شیدا بنا لیتا ہے۔ مگر پھر اس بے نیازی سے تجھے کیا حاصل ہوتا ہے۔ کہ عشاق کے ساتھ لطف و مدارا نہیں رکھتا۔

(۵) ترجمہ ۔ تیرے سیاہ مژگان نے اگر ہمارے خون کا اشارہ کیا ہے۔ تو اس کے فریب سے ڈر اور اے معشوق غلطی نہ کر۔

یہ شعر بھی بالکل صاف ہے اور معمولی عاشقانہ طرز میں ہے۔ عام نسخوں میں پہلے مصرع میں بجائے بر خون کے بخون لکھا ہے جو غلط ہے اور غلطی موزون طبیعت پر عیاں بعض بزرگوں نے اس شعر کے بھی حقیقی معنے بیان فرمائے ہیں اور عجیب گل کھلائے ہیں۔

خدا تعالیٰ کو کہا ہے کہ "دُنیا کے فریب سے اندیشہ کر کہ وہ ہمیں عام لوگوں کی طرح نہ مار ڈالے۔ پس اس میں غلطی نہ کر۔ اور ہمیں اپنے عشق میں فنا کر"۔ اللہ اکبر

(۶) ترجمہ۔ رات بھر اسی امید میں ہوتا ہوں کہ صبح کی ہوا معشوق کے پیغام سے عاشق کو شاد کرے۔

عاشق کی رات ہمیشہ اسی امید میں گزرتی ہے۔ کہ صبح معشوق کی طرف سے کوئی نامہ و پیام آئے گا۔ شعرا ہمیشہ صبا کو یا نسیم صبح کو قاصدِ یار خیال کرتے ہیں۔ طالبانِ حق کی بھی عمر وصالِ محبوب کی آرزو اور امید میں بسر ہوتی ہے۔ عشق الٰہی کی صورت میں شب سے مراد زندگی مستعار ہوگی۔ شب نہیں بلکہ شب و روز۔

(۷) ترجمہ۔ خدا کے لئے حافظ سحر خیز کو ایک گھونٹ دے کیونکہ صبح کی دعا تیرے حق میں اثر کرے گی۔

خواجہ حافظ ساقی سے ایک جرعہ مے کی درخواست کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حافظ سحر خیز ہے۔ صبح کے وقت تیرے لئے دعا کریگا جو موثر ہوگی۔ دعاے صبحگاہی تمام دعاؤں کی نسبت زیادہ مستجاب ہوتی ہے۔ چنانچہ میر نے کہا ہے۔

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وصل ہے		اک نعرہ تو بھی پیش کش صبحگاہ کر

اگر معشوق حقیقی کو مخاطب کیا جائے۔ تو دوسرے مصرع کا یہ مطلب ہو گا۔ کہ دعاے صبحگاہی تیری درگاہ میں موثر اور قبول ہوتی ہے۔

غزل (۱۲)

صبا بلطف بگو آن غزال رعنا را	۱	کہ سر بکوہ و بیابان تو دادۂ ما را
شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا	۲	تفقدے نکند طوطی شکر خا را
غرور حسن اجازت مگر ندا دے گل	۳	کہ پرسشے نکنی عندلیب شیدا را

بحسن خلق توان کرد صید اہل نظر	۴	بہ بند و دام نگیرند مرغ دانا را
چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی	۵	بہ یاد آر حریفان باد پیما را
ندانم از چہ سبب رنگ آشنائی نیست	۶	سہی قدان سیہ چشم ماہ سیما را
جز این قدر نتواں گفت در جمال تو عیب	۷	کہ خال مہر و وفا نیست روے زیبا را

(۸) در آسمان چہ عجب گر زگفتہ حافظ
سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را (۸)

(۱) ترجمہ۔ اے صبا اس غزال کو نرمی سے کہہ کہ تو نے ہم کو کوہ و بیاباں میں سرگشتہ کیا ہے۔

غزال۔ بالفتح۔ آہو - ہرن۔ بکسر اول غلط ہے۔

رعنا۔ بفتح۔ زنِ گول وسست۔ زنِ خویشتن آزاد۔ محاورہ فارسی میں بمعنے زیبا۔ خوشنما۔ چالاک۔ متکبر استعمال ہوتا ہے۔

بیاباں۔ بفتح۔ بعض کہتے ہیں کہ بکسر ہے۔ کیونکہ دراصل بے آباں تھا۔ بمعنے صحرائے بے آب۔

شاعر یہاں پھر صبا کو اپنا نامہ بر بناتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جا کر میرے معشوق کو کہو کہ تیرے عشق میں یا تیری طلب میں ہم صحرا گرد ہو گئے۔ عاشق ہمیشہ بوجہ پریشانی طبعیت اور دیوانگی کے گھر کو چھوڑ کر مجنوں کی طرح بادیہ نوردی اختیار کرتے ہیں۔ غزال کو بوجہ خوبصورت آنکھوں کے معشوق سے تشبیہ دیتے ہیں۔ غزال کا تعلق کوہ و بیابان سے ظاہر ہے۔ مرزا بیدل کوہ و بیاباں میں نہیں جاتے۔ اپنے دل میں ہی تلاش محبوب کرتے ہیں اور اچھا کرتے ہیں۔

خیال نامحرم گریباں دواند مارا بکوہ و صحرا		چہ سازد آوارۂ در دل کہ راہ بدیر و حرم نگیرد

ایک صاحب مصرع ثانی کے معنے اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ "کہ تو نے ہمارے لئے کوہ و بیاباں میں سر اڑا دیا۔" اور تشریح اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ "کوہ و بیاباں میں سر دینا

بعنی محنت و ثابت قدمی۔ یعنے اے عاشقانِ خدا تم نے پیرواں کی بہبودی کے واسطے بڑی بڑی محنتیں کیں"۔ بلند پروازی قابل داد ہے۔

(۲) ترجمہ۔ شکر فروش کہ خدا اس کی عمر دراز کرے۔ کیوں طوطی شکر خا پر مہربانی نہیں کرتا۔

شکر فروش سے مراد معشوق شیریں لب ہے۔ اور طوطی شکر خا سے مراد بوسہ کا طلب گار عاشق۔

(۳) ترجمہ۔ اے گل شائد غرور حسن نے تجھے اجازت نہ دی کہ تو عندلیب شیدا کی پرسش حال کرے۔

معشوق کو مخاطب کر کے کہا ہے۔ کہ شائد تجھے غرور حسن نے اجازت نہ دی کہ تو اپنے عاشق شیدا کی پرسش حال کرے۔ اس خطاب میں قدرے طنز بھی پائی جاتی ہے۔

تناسب یہ اعضا کے اتنا تجھے
بگاڑا ہے تجھے خوبصورت بنا کر۔

(۴) ترجمہ۔ حسن خلق سے اہل نظر کو شکار کر سکتے ہیں۔ مرغ دانا کو بند اور جال سے گرفتار نہیں کرتے۔

یہ شعر خصلاق میں ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اہل نظر شخص کو حسن سیرت سے قابو کر سکتے ہیں۔ اور کسی جال کی ضرورت نہیں۔ مولانا حالی کا شعر ہے کہ

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے
نہیں اس میں لگتی ہے دولت زیادہ

عاشقانہ پہلو میں یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ دانا عاشق حسن سیرت سے گرفتار ہوتا ہے۔ صرف حسن صورت کام نہیں آتا۔ ممکن ہے یہ شعر پچھلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہو۔ اس صورت میں ظاہر مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے گل تو نے اپنے حسن کے غرور میں بلبل کی پرسش حال نہ کی۔ مگر یاد رکھ کہ دانا عاشق کو شیدا کرنے کے لئے حسن سیرت بھی چاہیئے۔ صرف حسن صورت سے کام نہیں نکلتا۔

(۵) ترجمہ۔ جب تو دوست کے پاس بیٹھ کر بادہ پیمائی کرے۔ تو مریاں باد پیما (یا بادہ پیما) کو یاد کر۔

مطلب صاف ہے۔ عاشق اپنے مخاطب کو کہتا ہے۔ کہ اگر تو بزم جاناں میں پہنچ کر مصروف بادہ پیمائی ہو۔ تو ہم کو یاد کرنا۔ باد پیما سے مراد پریشان حال

عدم کے جانے والو بزم جاناں میں اگر پہنچو
ہمیں بھی یاد کرنا ذکر گر دربار میں آئے

عاشق کے لئے یہ بھی کم فخر کی بات نہیں۔ کہ محفل یار میں اس کا ذکر ہو۔

(۶) ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں رنگ آشنائی نہیں۔ سیہ چشم اور ماہ سیما سہی قدوں میں۔

سیما۔ بکسر نشان یا علامت جس سے خیر و شر پہچانا جائے۔ مجازاً بمعنے پیشانی جس سے آدمی کی خیر و شر کا پتہ ملتا ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حسینوں میں رنگ آشنائی کیوں نہیں ہوتا۔ یعنی ان گلوں میں بوئے وفا کیوں نہیں ہوتی۔

خوب رو ہو کے باوفا ہووے
ہم نہ مانیں اگر خدا ہووے

ظہیر فاریابی نے بھی کہا ہے۔ کہ

نزد آں چشم سیاہش ز وفا ہیچ مپرس
کشف این مسئلہ از مفتی مستان طلب

اسی مضمون پر امیر خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

آنی کہ از کرشمہ و نازت سرشتہ اند
نقشے چو تو بکلک قضا کم نوشتہ اند

(۷) ترجمہ۔ سوائے اس کے تیرے جمال میں کوئی عیب نہیں بتا سکتے۔ کہ تیرے روئے زیبا پر مہر و وفا کا خال نہیں۔

اس شعر میں پچھلے شعر کی طرح پھر معشوق کی بیوفائی کا گلہ ہے

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

(۸) ترجمہ۔ آسماں پر کیا عجب ہے کہ حافظ کی کلام سے زہرہ کا سماع مسیحا کو رقص میں لائے

زہرہ۔ نام ستارہ معروف۔ تیسرے آسمان پر ہے بوجہ خوبصورتی اس کو رقاصہ فلک وغیرہ ناموں سے پکارتے ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ عجب نہیں کہ میرا کلام آسمان پر بھی پہنچ چکا ہو۔ زہرہ میری غزلوں کو گا رہی ہو۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر سماع زہرہ سے وجد و رقص کی حالت طاری ہوگئی ہو۔ یہ معمولی شاعرانہ فخریہ مقطع ہے۔

غزل (۱۳)

ساقیا برخیز و درده جام را	۱	خاک بر سر کن غم ایام را
ساغرے درکفم نہ تا ز سر	۲	برکشم این دلق ازرق فام را
گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں	۳	ما نمے خواہیم ننگ و نام را
بادہ درده چند ازیں باد غرور	۴	خاک بر سر نفس نافرجام را
دود آہ سینہ سوزان من	۵	سوخت این افسردگان خام را
محرم راز دل شیدائے من	۶	کس نمے بینم ز خاص و عام را
بادلارامے مرا خاطر خوش است	۷	کز دلم یکبارہ برد آرام را
ننگرد دیگر بسرو اندر چمن	۸	ہر کہ دید آں سرو سیم اندام را
از سر دنیا گذشتی غم مخور	۹	خوش بخور ہم خوش بدار ایام را

(۱۰) صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را (۱۰)

(۱) ترجمہ ۔ اے ساقی اٹھ اور جام مے دے۔ غم ایام کے سر پہ خاک ڈال

خواجہ صاحب پھر ساقی سے جام مے کی درخواست کرتے ہیں۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے دنیا کے تفکرات سے نجات ہو۔ دیوان کے پہلے شعر کے نیچے اس امر کی پوری تفصیل کے ساتھ

بحث ہو چکی ہے۔ کہ غم غلط کرنے اور مشکلات کو طے کرنے کا سب سے اچھا ذریعہ مے ہے دیکھو شعر ۱۲ عمر خیام کی یہ رباعی اسی مضمون پر ہے۔

مے خور کہ مدام راحت روح تو اوست	آسائش جان و دل مجروح تو اوست
طوفان غم ار در آید از پیش و پست	در بادہ گریز کشتی نوح تو اوست

(۲) ترجمہ۔ جام مے میرے ہاتھ پر رکھ تاکہ سر سے میں اس نیلگوں دلق کو اتار دوں۔

دلق۔ درویشوں کا پشمینی لباس۔ ازرق فام نیلگوں۔

خواجہ صاحب ساغر مے کی درخواست کرتے ہیں۔ تاکہ وہ دلق ریا کو تن سے اتار دیں۔ اگر دلق ازرق فام سے مراد آسمان لی جائے۔ تو یہ معنی ہوں گے کہ شراب کے نشہ سے مجھ میں اتنی علو ہمتی پیدا ہو جائے کہ آسمان سے بھی اوپر نکل جاؤں اور تاثرات گردوں سے بچ جاؤں

(۳) ترجمہ۔ اگرچہ عقلمندوں کے نزدیک بدنامی ہے۔ مگر ہم ننگ و نام کے خواہاں نہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ گرچہ شراب پینا عقلمندوں کے نزدیک موجب رسوائی ہے۔ مگر ہمیں ننگ و ناموس کی ضرورت نہیں۔

(۴) ترجمہ۔ شراب دے یہ باد غرور کب تک۔ بدانجام اور نامبارک نفس کے سر پر مٹی (ہو)

اس شعر میں پھر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ شراب خودی۔ یا غرور ہستی کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے۔ نفس ناہنجار جو انسان کے دل میں غرور اور تکبر پیدا کرتا ہے اور خیالات مائی و منی کا موجب ہوتا ہے۔ یہ داروے تلخ اس کی مرض کے لیے بہت مفید ہے۔ حکیم عمر خیام نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

مے خوردن من نہ از برائے طرب است	نے بہر فساد و ترک دین و ادب است
خواہم کہ بہ بیخودی بر آرم نفسے	مے خوردن و مست بودنم زین سبب است

مرزا غالب فرماتے ہیں

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو	یک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

(۵) ترجمہ ۔ میرے جلنے والے سینہ کی آہ کے دھوئیں نے ان خام اور پژمردہ دل والوں کو جلا دیا ۔

افسردگان خام سے وہ لوگ مراد ہیں ۔ جن کا عشق ناتمام ہے ۔ اور بوجہ اس خامی کے ان کے دل پژمردہ ہو گئے ۔ یعنی وہ زاہد ان ظاہر پرست جن کے دل مرجھا گئے ہیں ۔
آتش عشق جو سینۂ عاشق میں ہوتی ہے ۔ اس کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اس قسم کے خس و خاشاک کو جلا دیتی ہے ۔ کیونکہ طالب حق کے راستہ پر ان لوگوں کے تاثرات سنگ راہ کا کام کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر اقبال نے قریب قریب یہی خیال ظاہر کیا ہے ۔

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو		خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو		

(۶) ترجمہ ۔ اپنے شیدا دل کا محرم راز میں خاص و عام میں سے کسی کو نہیں دیکھتا
عاشقان صادق کے محرم راز صرف عاشقان صادق ہی ہو سکتے ہیں ۔ اور چونکہ ایسے لوگوں کی دنیا میں بہت کمی ہے ۔ اس لئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کوئی محرم راز نظر نہیں آتا ۔ جس کو میں قصہ درد دل سناؤں ۔

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں		معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا		

(۷) ترجمہ ۔ اس معشوق کے ساتھ میرا دل خوش ہے ۔ جس نے یک بار میرے دل سے آرام دور کر دیا ۔

دلارام ۔ آرام دل ۔ یعنی معشوق ۔
اگر چہ عشق نے میرے دل سے صبر و آرام بالکل دور کر دیا ہے ۔ پھر بھی میں اپنے محبوب کے ساتھ خوش رہتا ہوں ۔ عاشق کو اس بے آرامی میں بھی آرام ہوتا ہے ۔ اور یہ بیقراری عشق اس کے لئے قرار دل ہوتی ہے ۔ ع

غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

(۸) ترجمہ ۔ پھر باغ میں سرو کو نہیں دیکھے گا ۔ جس نے اس سرو سیم اندام کو دیکھ لیا ۔

سرو کو قد یار سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں ۔ کہ جس آدمی نے

اس سیم اندام وہی قد معشوق کو ایک دفعہ دیکھ لیا - اس کی نظر میں قد سرو کی کچھ قدر و منزلت باقی نہیں رہتی اور فی الحقیقت سرو کو قد یار سے نسبت ہی کیا ہے -

	سرو را قد یار سے گوئند		سرو چو بیت نا تراشیدہ	

(۹) ترجمہ :- دنیا سے تو گزر گیا غم نہ کھا خوشی سے کھا پی اور زمانہ خوشی سے گزار

خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ جب تو (جام مے کی برکت سے) آلام دنیا سے آزاد ہو گیا - تو پھر کچھ غم نہ کر - بادہ نوشی کر اور وقت کو اسی طرح خوشی سے گزارتے -

(۱۰) ترجمہ :- اے حافظ دن رات کی سختی میں صبر کر آخر کار تو ایک روز مقصود حاصل کرے گا -

اس شعر میں شاعر نے یہ ظاہر کیا ہے کہ عاشق کو رات دن کی تکالیف سے اور بحر عشق کی طغیانیوں سے بیدل نہیں ہونا چاہئے - کیونکہ آخر کار کسی روز گوہر مقصود ضرور ہاتھ آئیگا - اس شعر میں بھی عاشقانہ اور اخلاقی ہر دو پہلو موجود ہیں - مولف نے کہا ہے

سا	درازی شب ہجر است جانگداز ضرور ولیک مے گزرد بر امید صبح وصال	

غزل (۱۴)

ما برفتیم و تو دانی و دل غمخور ما	۱	بخت بد تا بکجا مے برد آبشخور ما
از نثار مژہ چون زلف تو در دُر گیرم	۲	قاصدے کز تو سلامے برساند بر ما
بدعا آمدہ ام ہم بدعا دست برآر	۳	کہ وفا با تو قرین باد و خدا یاور ما
گر ہمہ خلق جہان بر من و تو حیف خورند	۴	بکشد از ہمہ انصاف ستم داور ما
بت گر ہمہ عالم بسرم بخروشند	۵	نتواں برد ہوائے تو برون از سر ما
فلک آوارہ بہر سو کندم مے دانی	۶	رشک مے آیدش از صحبت جان پرور ما

دردمندیم خبر میدہد از سوز درون	۷	دہن خشک و لب تشنہ و چشم تر ما
ما ز وصف رخ زیبائے تو تا دم زدہ ایم	۸	ورق گل خجل است از ورق دفتر ما
زود باشد کہ بیاید بسلامت یارم	۹	اے خوش آن روز کہ آید بسلامت بر ما

(۱۰) ہر کہ گوید کہ کجا رفت خدارا حافظ
گو بزاری سفرے کرد و برفت از بر ما (۱۰)

(۱) ترجمہ۔ ہم چلے گئے تو جانتا ہے اور ہمارا غمگین دل بخت بد کہاں تک ہمارے آب و دانہ کو لے جائے گا۔

کہتے ہیں کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے شاخ نبات کے فراق میں کہی ہے۔ کیونکہ وہ شیراز سے بغداد کو چلی گئی تھی۔ ما رفتیم صرف لطریق ادب و تفاول ہے۔ ورنہ خواجہ صاحب شیراز ہی میں رہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے معشوق سے جدا ہوئے۔ اور جو ہمارے دل پر اس صدمہ سے گزرتی ہے۔ وہ ہمارا دل جانتا ہے۔ یا ہمارا معشوق۔ خدا جانے ہمارے برے نصیبوں کی وجہ سے ہمارا آب و دانہ کہاں کا ہے۔

(۲) ترجمہ۔ پلکوں سے آنسوؤں کے قطرے گرا کر تیری زلف کی طرح موتیوں سے بھر دونگا۔ اس قاصد کو جو تمہارا سلام ہم تک پہنچائے۔

قاعدہ ہے کہ جب کسی آدمی کی غیر معمولی طور پر خاطر منظور ہوتی ہے۔ تو اس پر زر و گوہر نثار کیا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی قاصد تیری طرف سے آکر مجھے تیرا سلام پہنچائے۔ تو میں آنکھوں سے گوہر اشک اس پر اسقدر نثار کرونگا۔ جس قدر تیری زلفوں میں موتی پروے ہوئے ہیں۔ در در گیرم سے مراد یہ ہے کہ اس پر موتی نثار کرکے اس کو موتیوں سے بھر دونگا۔ شعرا آنسوؤں کو عموماً موتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں قاعدہ ہے کہ خوشی کے وقت بھی انسان کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔

(۳) ترجمہ۔ میں دعا کرنے لگا ہوں تو بھی دعا کے لیئے ہاتھ اٹھا کہ وفا تیرے پاس آئے اور خدا ہمارا مددگار ہو۔

خواجہ صاحب معشوق کو کہتے ہیں ۔کہ اوّل کر دعا کریں کہ خدا تمہیں وفاشعار کرے اور میرا مددگار ہو خواجہ صاحب اس قسم کی دعاؤں میں عموماً معشوق کو شریک ہونے کے لیے کہتے ہیں۔ دیکھو شعر الف ۱۱/۱۲ ۔ مدعا صرف یہ ہے ۔کہ خدارا بے وفامت بنو۔

(۴) ترجمہ۔ اگر تمام خلق جہان تجھ پر اور مجھ پر حیف کریں تو ہمارا خدا ان سے اس ظلم کا بدلہ لے گا۔

حیف۔ بالفتح۔ ظلم ستم۔ جور (از خیاباں)

اگر اہل جہاں تجھ پر اور مجھ پر بوجہ ہمارے عشق کے حسد کریں تو اس کا بدلہ خدا تعالیٰ ان سے خود لے گا۔ اس شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے صاحب گلبن معرفت نے یہ گل کھلایا ہے کہ اگرچہ جہاں کی تمام خلق مجھ پر اور تجھ پر افسوس کرتی ہے۔ لیکن ہمارا خدا اس افسوس کو انصاف سے قتل کر دیتا ہے"۔

(۵) ترجمہ ۔ تیرے سر کی قسم اگر تمام جہاں میرے سر پر شور کرے ۔ ہمارے سر سے تیری آرزو نہیں ہٹا سکتے۔

بسرت۔ میں بہ قسمیہ ہے۔ تیرے سر کی قسم۔

اس شعر میں اور پچھلے شعر میں تسلسل مضمون معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے سر کی قسم کہ اگر تمام جہان بھی میرے سر پر ترک عشق کے لئے جوش وخروش ظاہر کرے تو بھی میرے دل سے تیری محبت اور تیرا عشق کم نہ ہوگا ۔اور خدا ان لوگوں کے جور وستم کا بدلہ خود لے گا۔

(۶) ترجمہ ۔ آسمان مجھے ہر طرف آوارہ کرتا ہے تو جانتا ہے۔ اس کو ہماری جان پرور صحبت سے رشک آتا ہے۔

آسمان کو ہماری جان پرور اور روح افزا صحبت پر رشک آتا ہے اور عاشق معشوق کا مل بیٹھنا اسے نہیں بھاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آسمان مجھ کو ایک جگہ قرار نہیں دیتا۔

(۷) ترجمہ ۔ ہم دردمند ہیں اور ہمارے اندرونی سوز کی خبر دیتے ہیں۔ ہمارے پیاسے لب ۔ خشک منہ اور چشم تر۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ ہم دردمند ہیں اور ہمارے سوز سینہ کا ثبوت ہمارا دہن خشک وچشم تر ہے۔ درد دل سے ہمارے لب بھی خشک ہو گئے اور جو نمی اندر تھی بذریعہ تبخیر آنکھوں میں آ کر آنسو بن گئی۔

(۸) **ترجمہ۔** ہم نے جب سے تیرے خوبصورت چہرہ کی تعریف کا دم مارا ہے پھول کی پتیاں بھی ہماری کتاب کے ورق سے شرمندہ ہیں۔

جب سے ہم نے تیرے پھول جیسے چہرہ کی توصیف شروع کی ہے۔ ہماری کتاب کے ورق تیری گل رخسار کی تعریف کی وجہ سے رشک گلزار ہو گئے ہیں۔

یعنی تیرے رخسار کی نزاکت اور رنگینی کی تعریف جب کاغذ پر لکھی گئی تو کاغذ میں بھی اتنی نزاکت اور رنگینی پیدا ہو گئی۔ جتنی برگ گل میں بھی نہیں ہوتی۔

(۹) **ترجمہ۔** جلدی ہو کہ ہمارا معشوق سلامتی سے واپس آئے۔ وہ دن بہت اچھا ہو گا۔ کہ سلامتی سے ہمارے پاس آئے۔

پہلے مصرع میں عاشق اپنے مشتاق دل کو تسکین دیتا ہے کہ معشوق جلدی واپس ہو گا یا دعا ہے کہ اے خدا میرے محبوب کو جلدی بسلامت واپس لا دوسرے مصرع کا مضمون صاف ہے،

ع۔ اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی

(۱۰) **ترجمہ۔** اگر کوئی سوچے کہ کہاں گیا خدارا حافظ کہو زاری سے سفر کیا اور ہمارے پاس سے چلا گیا۔

اس شعر کی ترکیب نحوی قدرے پیچیدہ ہے۔ دو طرح شعر پڑھا جا سکتا ہے۔ اور دو معنے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ شاعر اپنے آپ کو مخاطب بنا کر کہے کہ اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ معشوق کہاں گیا۔ تو اے حافظ خدارا اسے رو کر کہو کہ وہ ہمارے پاس سے چلا گیا۔ اس صورت میں از بر ما سے مراد از کنار ما ہو گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ معشوق کو مخاطب کر کے شاعر کہتا ہے۔ کہ ہمارے بعد اگر کوئی پوچھے کہ خدارا بناؤ حافظ کہاں گیا۔ تو کہو کہ روتا ہوا ہمارے پاس سے چلا گیا۔

غزل (۱۵)

لطف باشد گر نپوشی از گدا ہا روت را	۱	تا بکام دل بہ بیند دیدۂ ما روت را
ہمچو ہاروتیم دائم در بلائے عشق زار	۲	کاشکے ہرگز ندیدے دیدۂ ما روت را
کے شدے ہاروت در چاہ زنخدانش اسیر	۳	گر نہ گفتے شمۂ از حسن او ماروت را
بوئے گل برخاست گوئی در چمن ہاروت بود	۴	بلبلان ستند گوئی دیدہ چون ماروت را

(۵) میکشم جور و جفاہایت زہجران اے صنم
روے بنما تا بہ بیند حافظ ماروت را (۵)

اس غزل کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ خواجہ حافظ کی نہیں ہے۔ ایک تو یہ غزل اکثر نسخوں میں موجود نہیں دوسرے ان کا خیال ہے کہ تکرار کافیہ باوجود صنعت ایہام کے خواجہ صاحب کی شایاں شان نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب چونکہ آج کل عموماً یہ غزل دیوان حافظ کے نسخوں میں موجود دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے اس کی تخفیف موزون نہیں۔ اگرچہ مولف کی ناقص رائے میں یہ غزل ایسی معمولی طرز کی ہے کہ حافظ کی زبان سے نکلی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ شعروں میں بندش الفاظ بلاغت اور خیال کی آمد خواجہ صاحب کی معلوم نہیں ہوتی۔

(۱) **ترجمہ** — مہربانی ہوگی۔ اگر تو سائلوں سے اپنے چہرہ کو نہ چھپائے۔ تاکہ حسب خواہش ہماری آنکھ تیرے چہرے کو دیکھ لے۔

گدا ہا۔ بمعنے گدایاں۔ **روت را** یعنی روئی خود را۔ دوسرے مصرع میں روت را بمعنے روئے ترا۔ مطلب صاف ہے

(۲) ترجمہ — ہاروت کی طرح ہم ہمیشہ بلائے عشق میں خستہ حال رہتے ہیں۔ کاش کہ ہماری آنکھیں کبھی تیرے چہرہ کو نہ دیکھتیں —

ہاروت و ماروت۔ ان دو فرشتوں کا ذکر سورۃ البقرہ میں آیا ہے۔ یہ دونو فرشتے

گنہگار آدمیوں پر طعنہ زنی کیا کرتے تھے خدا تعالے نے فرمایا کہ انسان نفس و ہوا میں گرفتار ہے۔ اگر تمہاری بھی وہی حالت ہوتی۔ جو انسانوں کی ہے۔ تو تم ان سے بھی بدتر عملوں کے مرتکب ہوتے۔ انہوں نے نہ مانا۔ حق تعالےٰ نے انسانی نفس اُن کو دیا۔ اور خلقت پر حکمرانی کے لئے زمین پر بھیج دیا۔ یہ جب زمین پر آئے تو ایک عورت زہرہ نام پر عاشق ہو گئے۔ اور شراب خوری میں مصروف ہو گئے۔ جس کی وجہ سے قتلِ ناحق اور بت پرستی کرنے لگے خدا تعالےٰ نے ان کو پھر آسمان پر جانے سے منع کر دیا۔ اور انکو اسی جہاں میں عذاب دیا کہ ان کو چاہ بابل میں سر کے بالوں سے لٹکا دیا اور اب تک وہ وہاں لٹک رہے ہیں۔

شعر کا مطلب صاف ہے کہ ہم ہاروت کی طرح بلائے عشق میں گرفتار ہیں کیا اچھا ہوتا کہ ہماری آنکھیں تمہارے منہ کو نہ دیکھتیں اور ہم اس بلا میں گرفتار نہ ہوتے۔

(۳) **ترجمہ** — ہاروت اس کے چاہ زنخدان میں کب اسیر ہوتا اگر اسکے حسن سے کچھ تھوڑا سا ماروت کو نہ کہتا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ہاروت ماروت اس کے حسن کے ایک شمہ سے واقف نہ ہوتے تو اُسکے چاہ زنخداں میں گرفتار نہ ہوتے۔

(۴) **ترجمہ** — بوئے گل اٹھی گویا باغوں میں تیرا چہرہ تھا۔ بلبلیں مست ہیں گویا ہماری طرح تیرا چہرہ دیکھا ہے۔

بوئے گل باغ میں منتشر ہے۔ گویا تیرا چہرہ باغ میں مشک افشانی کر رہا ہے۔ اور بلبلیں بھی مست ہیں گویا انہوں نے ہماری طرح تیرے گل عارض کو دیکھ لیا۔

(۵) **ترجمہ** — اے معشوق تیرے ہجر میں جور و جفا اٹھا رہا ہوں۔ چہرہ دکھا تا ہمارا حافظ تیرے چہرہ کو دیکھ لے۔

اے معشوق میں تیرے ہجر میں ہر طرح کی مصائب اور تکالیف برداشت کر رہا ہوں۔ کبھی تو تو تشریف لا کہ تمہارا حافظ تیرے چہرہ کو دیکھ لے۔ یہ شعر بھی بے مزہ معلوم ہوتا ہے اور دوسرا مصرع خاص کر بے لطف ہے۔

غزل (۱۶)

تا جمالت عاشقاں را زد بوصل خود صلا	۱	جان و دل افتادہ اند از زلف و خالت در بلا
آنچہ جانِ عاشقان از دست ہجرت مے کشد	۲	کس ندیدہ در جہاں جز کشتگان کربلا
ترکِ ما گر مے کند رندی و مستی جانِ من	۳	ترکِ مستوری و زہدت کرد باید اولا
بزم عیش و موسم شادی و ہنگام طرب	۴	پنج روز ایام عشرت را غنیمت دان قولا

(۵) حافظا گر پائے بوس شاہ دستت مے دہد
یافتی در ہر دو عالم زینت عز و علا (۵)

(۱) **ترجمہ** ۔ جب سے تیرے جمال نے عاشقوں کو اپنے وصل کی صلا دی ۔ جان و دل تیری زلف و خال سے بلا میں گرفتار ہو گئے ۔

اس شعر میں صلا وہی صدائے الست بربکم ہے ۔ جب حسن مطلق نے انسانوں کو خود بلا کر اپنا شیدا بنایا ۔ اور پھر اس بلائے ہجراں میں ڈالا ۔

میں وہی ہوں کھو گیا تھا جس کا دل صبح الست	اب نہ پہچانو تو تم جانو وہی بیدل ہوں میں

جان و دل اور زلف و خال میں لف و نشر مرتب ہے ۔ عاشق کی جان معشوق کی زلف سے بلا میں پڑی ۔ اور اسکا دل معشوق کے خال کی وجہ سے داغدار ہے ۔ ع

اے داغ بر دل از غمِ خالِ تو لالہ را

(۲) **ترجمہ** ۔ جو (مصائب) عاشقوں کی جان تیرے ہجر کے ہاتھ سے برداشت کر رہی ہے کسی نے جہاں میں سوائے شہیدان کربلا کے نہیں دیکھے ۔

کشتگان کربلا سے مراد شہیدان کربلا ہے ۔ لفظ کربلا مخفف کرب و بلا کا ہے

(۳) **ترجمہ** ۔ ہمارا معشوق اگر رندی اور مستی کرتا ہے ۔ تو اے میری جان تجھے پہلے

ہی مستوری اور زہد کا ترک کرنا چاہیئے۔

اگر ہمارا معشوق رندی و مستی کرتا ہے تو ہمیں سب سے اول مستوری اور زہد کو ترک کرنا چاہیئے۔ اس شعر میں تُرک اور تَرک کا استعمال تجنیس محرف ہے کیونکہ اختلاف وحرکت ہے۔ شعر کا مضمون قریباً وہی ہے۔ جو بے سجادہ رنگین کن والے شعر میں ہے۔

(۴) ترجمہ۔ بزم عیش و موسم شادی اور وقت خوشی اور ایام عشرت کے پانچ دنوں کو اے دل غنیمت جان۔

مطلب صاف ہے۔ کہ یہ چار دن کی چاندنی ہے۔ اس کو غنیمت جان۔ یہ بزم عیش و ہنگام طرب ہمیشہ نہیں رہیگا۔

(۵) ترجمہ۔ اے حافظ اگر بادشاہ کی قدم بوسی تجھے حاصل ہو۔ تو گویا تو نے دونو جہانوں میں عزت اور عظمت کی زینت حاصل کر لی۔

شاہ سے مراد ممدوح یا معشوق۔ مگر غالبؔ ممدوح۔

ردیف (ب)

غزل (۱)

	میدمد صبح کلہ بستہ سحاب	۱	الصبوح الصبوح یا اصحاب	
	مے چکد ژالہ بر رخ لالہ	۲	المدام المدام یا احباب	
	مے وزد از چمن نسیم بہشت	۳	خوش بنوشید دائمائی ناب	
	تختِ زرین زدست گل بچمن	۴	راح چوں لعل آتشین دریاب	

شعر	مصرع اول	مصرع دوم
۵	لب و دندان تو حقوق نمک	داشت بر جان سینہائے کباب
۶	در میخانہ بستہ اند مگر	افتح یا مفتح الابواب
۷	در چنین موسمے عجب باشد	کہ بہ بندند میکدہ بشتاب
۸	زاہد اے نیوش رندانہ	فاتقوا اللہ یا اولی الالباب
۹	گر نشان زآب زندگی جوئی	مے نوشین بجو ببانگ رباب
۱۰	چوں سکندر حیات اگر طلبی	لب لعل نگار را دریاب
۱۱	بر رخِ ساقیٔ پری پیکر	موسم گل بنوش بادہ ناب

(١٢) حافظا غم مخور کہ شاہد بخت
عاقبت بر کشد ز چہرہ نقاب (١٢)

(۱) **ترجمہ** ۔ صبح پھوٹ رہی ہے اور بادلوں نے خیمے لگائے ہیں اے دوستو شراب صبح (پیو) شراب صبح (پیو)

کلہ ۔ بالکسر و تشدید لام ۔ (۱) باریک جالی کا پردہ جو مچھروں کو دور رکھنے کے لئے لگایا جاتا ہے (برہان) (۲) صاحب کشف و موید نے بمعنے خیمہ و سائبان لکھا ہے ۔ اور یہاں یہی دوسرے معنے ہیں ۔

شاعر کہتا ہے ۔ کہ صبح پھوٹ رہی ہے بادلوں نے سائبان لگائے ہیں ۔ چاہیئے کہ بزم اصحاب سجے اور دور صبوحی شروع ہو ۔ بادلوں کو اکثر شعرا سائبان اور خیمہ سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ چنانچہ چودہری خوشی محمد ناظر فرماتے ہیں ۔ ع

سے خیمے ڈیرے بادل کے کوہر نے قنات لگائی تھی

اس غزل میں خواجہ صاحب نے جو نقشہ موسم کا کھینچا ہے وہ مے خوار دل کے عین حسب منشا ہے ۔

(۲) **ترجمہ** ۔ قطرے لالہ کے رخسار پر گر رہے ہیں ۔ اے دوستو شراب! شراب!! ہمیشہ ہمیشہ ۔

ژالہ — (۱) اولا۔ ان معنوں میں اکثر ژالہ بیضا کہتے ہیں۔ تاکہ دوسرے معنوں کا شک نہ رہے چنانچہ قاآنی کہتا ہے۔

عذار گل خراشیدہ خط ریحاں تراشیدہ — زبس الماس پاشیدہ بباغ از ژالہ بیضا

(۲) اوس یا شبنم۔ نظم میں کئی دفعہ یہ لفظ بمعنے شبنم استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر ہے

ژالہ بر لالہ فرود آمدہ ہنگام سحر — راست چوں عارض گلبوئے عرق کردہ یار

(۳) غالباً یہ لفظ مطلق بارش کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

لب غنچہ رخ لالہ بروں آورد تبخالہ — زبس باراں ازان ژالہ الطرف گلشن وصحرا

صبح کا وقت ہے۔ ابر چھا گیا ہے۔ گل لالہ پر شبنم کے قطرے پڑے ہیں۔ یا بارش کے قطرے پڑ رہے ہیں۔ موسم یوں بھی تو بہ شکن ہے۔ اور خواجہ صاحب کو غالباً شیخ سعدی کی طرح یہ نظارہ دیکھ کر عارض گلبوئے عرق کردہ یار یاد آگیا ہوگا۔ اور اس یاد میں احباب کو تاکید کرتے ہیں۔ کہ ساغر کے دور کو علی التواتر جاری رکھو۔

(۳) ترجمہ — باغ میں بہشت کی ہوا چل رہی ہے۔ خوشی سے ہمیشہ مئے خالص پیئو۔

نسیم — باد نرم۔ یا کوئی چیز جس میں خوشبو ہو۔

اس شعر میں تو خواجہ صاحب نے چمن کو فردوس بریں کا ہم پلہ بنا دیا ہے۔ پھر مے ناب بھی شراباً طہورا ہے

(۴) ترجمہ — پھول نے باغ میں تخت زرین بچھایا ہے۔ اور شراب جو لعل آتشین کی طرح ہے۔ پیو (حاصل کرو)

راح — خوش ہونا۔ خوشی۔ شراب۔ یہاں بمعنے شراب آیا ہے۔

رنگدار پھولوں کی کثرت سے گویا چمن میں فرش زریں بچھا ہوا ہے۔

زبس گلہائے گوناگون چمن چون صحف انگلیون — تو گوئی فرش سقلاطون صبا گسترده در بر

(۵) ترجمہ — تیرے لب و دندان کے حقوق نمک کباب شدہ سینوں کی جان پر ہیں۔

لب و دندان ۔ دہن معشوق کو نمکداں سے تشبیہ دیتے ہیں اور تبسم کو نمک پاشی کہتے ہیں ۔ ع

تبسم سے وہاں خالی نمک داں ہوتے جاتے ہیں ۔

لب و دنداں سے یہاں تبسم مراد لے سکتے ہیں ۔ کیونکہ تبسم کے وقت لب و دنداں نظر آتے ہیں ۔ مطلب صاف ہے کہ عاشقوں کے سینہ ہائے کباب پر تو نے تبسم سے نمک پاشی کی یہ بھی عاشقوں کے لئے باعث شکوری ہے ۔ اور حق نمک کا اعتراف ۔

(۶) **ترجمہ** ۔ شائد شراب خانہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے ۔ اے دروازوں کے کھولنے والے (مشکلوں کو حل کرنے والے) کھول ۔

(۷) **ترجمہ** ۔ ایسے موسم میں تعجب ہے ۔ کہ شراب خانہ کو جلدی سے بند کر دیں ۔

ان دونوں شعروں میں مضمون ایک ہے ۔ محمد بن مظفر مبارز الدین جب شیراز و فارس کا حکمران ہوا ۔ تو اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ تمام سلطنت میں محتسب مقرر کر دیئے اور جتنے شراب خانے تھے سب کے سب بند کر دینے کا حکم صادر فرمایا ۔ خواجہ صاحب نے اور دیگر شعرا وقت نے اس واقعہ پر غزلیں لکھیں ۔ خواجہ صاحب نے یہ غزل بھی غالباً اسی وقت لکھی ہوگی خواجہ صاحب کے دیوان میں دو اور غزلیں بھی اسی واقعہ پر ہیں ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حکام وقت نے میخانے کا دروازہ بند کرا دیا ہے ۔ اے خدا تو تمام دروازوں کا کھولنے والا ہے ۔ تمام مشکلات کو حل کرنے والا ہے ۔ اس دروازہ کو بھی کھول ۔ کیونکہ ان دنوں میں جب کہ موسم بہار شباب پر ہے ۔ اور آسمان ابر آلود ہے ۔ تختہ ہائے گل رشک فردوس بنے ہوئے ہیں ۔ میخانوں کا بند کرنا عجیب بدعت ہے ۔ دیکھو غزل ۳۸ ردیف ت اور غزل (۱۶) ردیف دال ۔

(۸) **ترجمہ** ۔ اے زاہد رندوں کی طرح مے نوشی کر ۔ اے صاحبان عقل خدا سے ڈرو ۔

خواجہ صاحب یہاں زاہد کو بھی رندوں میں شریک ہونے کے لئے کہتے ہیں اس شعر

کے دو طرح معنے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اے زاہد اگر تو شراب پیتا ہے تو رندوں کی طرح پی۔ یہ نہیں کہ تسبیح ہاتھ میں ہو اور بوتل بغل میں۔ ریاکاری نہ کر اور خدا سے ڈر دوسرے معنے یہ ہونگے۔ کہ اے زاہد تو بھی رندوں کی طرح شراب پینا شروع کر تاکہ تو بھی مست اور بے خود ہو جائے اور زہد کے اس بارگراں سے سبکدوش ہو جائے۔ کیونکہ فاتقوا اللہ صرف اولی الباب کے واسطے آیا ہے۔

(۹) ترجمہ ۔ اگر تو آب حیات کا پتہ لینا چاہتا ہے۔ تو شراب خالص اور بانگ رباب کی طلب کر۔

آب زندگی چشمہ حیوان ۔ آب حیات ۔ **نوشین** ۔ شیرین منسوب بہ نوش یعنے شہد (برہان قاطع)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر آب حیات کا متلاشی ہے۔ تو شراب اور نغمہ رباب کو تلاش کر۔ کیونکہ نغمہ رباب اور شراب انسان کو زندگی بخشتے ہیں۔ یعنی جان پرور و روح افزا ہیں

(۱۰) ترجمہ ۔ اگر سکندر کی طرح تو حیات ابدی چاہتا ہے۔ تو معشوق کے لب لعل کی طلب کر (اسے حاصل کر)۔

سکندر اور خواجہ خضر علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے۔ آب حیات کی تلاش میں نکلے تھے خضر نے تو پی لیا۔ اور سکندر رہ گیا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر تو بھی سکندر کی طرح آب بقا کا پیاسا ہے اور حیات جاوداں کا طلبگار ہے۔ تو معشوق کے لب لعل تک رسائی حاصل کر۔ کیونکہ وہ عاشق کا آب حیات ہے۔ امیر خسرو نے کہا ہے

جاں سودہ اند و بیختہ در چشمہ حیات
زاں پس خمیر مایہ لعلت سرشتہ اند

ظہیر فاریابی نے بھی لب لعل کو آب بقا کہا ہے۔

سیکے خال سیاہ جا کردہ بر کنج لب لعلش
تو گوئی بر لب آب بقا بنشستہ ہندوئے

اصطلاحات تصوف میں چشم و لب کے متعلق گلشن راز میں لکھا ہے۔

ز چشمش خواست بیماری و مستی
ز لعلش گشت پیدا عین ہستی

ز چشم اوست دلہا مست و مخمور
ز لعل اوست جانہا جملہ مستور

زچشم او ہمہ دلہا جگر خوار	لب لعلش شفاے جان بیمار
زغمزہ مے وہد ہستی بغارت	بوسہ میکند بازش عمارت
زغمزہ عالمے را کارسازد	بوسہ ہر زماں دل مے نوازد

(۱۱) ترجمہ۔ ساقی پری پیکر کے سامنے موسم بہار میں شراب خالص پی

موسم گل ۔ موسم بہار۔ در محذوف ہے۔

(۱۲) ترجمہ۔ اے حافظ غمگین نہ ہو۔ کہ معشوق سخت آخر کار چہرہ سے پردہ اُٹھائے گا۔

وہی مضمون ہے جو شعر الف ۱۴/۱۳ میں ہے۔

غزل (۲)

گفتم اے سلطان خوبان رحم کن براین غریب	۱	گفت در دنبال دل رہ گم کند مسکین غریب
گفتمش بگذر زمانے گفت معذورم بدار	۲	خانہ پرورده چہ تاب آرد غم چندیں غریب
خفتہ بر سنجاب شاہی نازنینی را چہ غم	۳	گر زخار و خارہ سازد بستر و بالیں غریب
اے کہ در زنجیر زلفت جان چندین آشناست	۴	خوش فتاد آن خال مشکین بر رخت مسکیں غریب
بس غریب افتادہ است آن مور خط گرد رخت	۵	گرچہ نبود در نگارستان خط مشکیں غریب
مے نماید عکس مے در رنگ روئے مہوشت	۶	ہمچو برگ ارغوان بر صفحہ نسریں غریب
گفتم اے شام غریبان طرہ شبرنگ تو	۷	در سحرگاہان حذر کن چون بنالد ایں غریب
باز گفتم تا من آن عارض گلگوں مپوش	۸	ورنہ خواہی ساخت مارا خستہ و مسکیں غریب

(۹) گفت حافظ آشنایاں در مقام حیرت اند
دور نبود گر نشیند خستہ و مسکیں غریب (۹)

(۱) **ترجمہ** ۔ میں نے کہا کہ اے خوبصورتوں کے بادشاہ اس غریب پر رحم کر۔ تو نے کہا کہ اپنے دل کے پیچھے مسکین غریب گمراہ ہوا ہے۔

معشوق کا جواب بس یہی ہے ۔ کہ ہمارا کیا قصور ہے۔ تم اپنے دل کے پیچھے اس نوبت تک پہنچے ۔ اب ہمیں کیا کہتے ہو ۔ مرزا غالب نے شاید معشوق سے یہی جواب سنکر اپنے آپ کو طعن و ملامت کی تھی ۔

دل دیا جان کے کیوں اسکو وفادار اسد ۔ غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

عرفی اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے ۔

زاں شکستم کہ بدنبال دل خویش م ام ۔ در شب شکن زلف پریشاں رفتم

(۲) **ترجمہ** ۔ میں نے اسکو کہا کہ کسی وقت آ۔ کہا کہ مجھے معذور رکھ۔ خانہ پرورده اتنے غریبوں کی تاب کس طرح لاسکتا ہے ۔

بگذر کے ساتھ **برما** محذوف ہے۔ خانہ پرورد اور غریب بالمقابل آئے ہیں غریب بمعنے مسافر بھی ہوتا ہے ۔ اس لئے لطافت ظاہر ہے

(۳) **ترجمہ** ۔ نازنین جو سنجاب شاہی پر سویا ہوا سے کیا غم ۔ اگر کوئی غریب کانٹوں اور سخت پتھر سے بستر بالین بنائے ۔

سنجاب ۔ بالکسر ایک جانور کا نام ہے ۔ جس کی پوست سے پوستیں بناتے ہیں رنگ خاکستری ہوتا ہے ۔ اس جانور کے پوست کو بھی سنجاب کہتے ہیں ۔ بالفتح بھی درست ہے ۔

خواجہ صاحب معشوق کا جواب سنکر دل میں کہتے ہیں کہ فی الواقعہ جو خود آرام میں ہو اسے دوسروں کا کیا فکر ہے ۔ کہ کس حال میں ہے ۔

(۴) **ترجمہ** ۔ اے کہ تیری زلف کی زنجیر میں اتنے آشناؤں کی جان ہے تیرے رخسار پر خال مشکیں کیا اچھا مسکیں مسافر ہے ۔

مسکین غریب رخ کے ساتھ نہیں بلکہ خال مشکیں کے ساتھ ہے ۔ کیونکہ خال رخ یار پر بعینہ اسی طرح ہے ۔ جس طرح کوئی زنگی زنگستان میں ۔

خالے کہ بعارضش فتادہ ۔ زنگی بچہ رو بہ چیں نہادہ (حسن)

اشارہ بخال در اصطلاح تصوف؛

برآن رخ نقطۂ خالش بسیط است ۔ کہ اصل مرکزش دور محیط است۔
ازو شد خط دور ہر دو عالم ۔ ازو شد خط نفس قلب آدم
ازان حال دل پرخون تباہ است ۔ کہ عکس نقطۂ خال سیاہ است
چو خالش حال دل جز خوں شدن نیست ۔ وزان منزل رہ بیروں شدن نیست
ندانم خال او عکس دل ماست۔ ۔ ویا دل عکس خال روئے زیباست
ز عکس خال او دل گشت پیدا ۔ ویا عکس دل آن جا شد ہویدا
دل اندر روئے او یا اوست در دل ۔ مرا پوشیدہ گشت ایں راز مشکل

(۵) ترجمہ۔ تیرے رخسار کے گرد مور خط بہت عجیب واقع ہوا ہے۔ اگرچہ نقش و نگار میں خط مشکین عجیب نہیں ہوتا۔

مورخط ۔ خط کو عموماً مورچہ سے تشبیہ دیتے ہیں خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگرچہ نگارستان میں خط مشکین کوئی عجیب بات نہیں ایک معمولی چیز ہے۔ مگر تیرے رخسار پر خط مشکین نہایت خوبصورت اور نہایت عجیب واقع ہوا ہے۔

رخ اینجا مظہر حسن خدائیست ۔ مراد از خط جناب کبریائیست
رخش خطے کشیدہ از نکوئے ۔ کہ از ما نیست بیروں خوبروئے
خط آمد سبزہ زار عالم جان ۔ ازان کردند نامش آب حیوان
ز تاریکی زلفش روز شب کن ۔ ز خطش چشمہ حیوان طلب کن
خضر وار از مقام بے نشانی ۔ بجو از خطش آب زندگانی
نہفتہ زیر ہر موئے از و ناز ۔ ہزاراں بحر علم از پردہ راز

(۶) ترجمہ۔ تیرے چاند جیسے چہرہ کے رنگ میں عکس سے نظر آتا ہے جس طرح برگ ارغوان صفو نسرین پر عجیب معلوم ہوتا ہے۔

ارغوان ۔ ایک درخت ہے۔ جس کی ٹہنیاں باریک ہوتی ہیں اور موسم بہار میں سارا درخت سرخ پھولوں سے لد جاتا ہے اور پتے بالکل نہیں ہوتے۔ دوسرے موسم میں

اس پر پتے لگتے ہیں۔ اس کے پھول کو بھی ارغوان کہتے ہیں۔
نسرین ۔ بالکسر ایک سفید خوشبودار پھول۔ عربی لفظ ہے۔ اسے فارسی میں نسرن کہتے ہیں۔ ہندوستان میں سیوتی کہتے ہیں۔
خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ تیرے چاند جیسے چہرے پر شراب کا رنگ ایسا خوبصورت اور عجیب معلوم ہوتا ہے جیسا تختۂ نسریں پر ارغوان کا پتہ ہو۔
(۷) **ترجمہ** ۔ میں نے کہا کہ تیری زلف سیاہ (شبرنگ زلف) مسافروں کی شام ہے۔ سحر کے وقت جب یہ غریب روتا ہے تو ڈر۔
طرہ شبرنگ ۔ سیاہ زلفیں۔ پہلے کئی بار آچکا ہے۔ کہ معشوق کی زلفیں عاشق کے دل پر کیا اثر رکھتی ہیں۔ عاشقوں کے لئے وہ بیقراری کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے شام غریباں کہا یوں بھی معشوق کی زلفوں کو بوجہ لمبائی کے شب فراق سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ اور بوجہ سیاہی شب دیجور کہتے ہیں۔
نالہ سحر کے اثر کے متعلق دیکھو شعر الف ۱۱/۱ +
(۸) **ترجمہ** ۔ پھر میں نے کہا کہ اے میرے چاند وہ پھول جیسا چہرہ نہ چھپا ورنہ تو ہم کو خستہ حال و مسکین اور غریب بنا دیگا۔
عارض ۔ بمعنے رخسار۔ ان معنوں میں یہ لفظ عارَض ہوگا عارِض نہیں۔
پچھلے شعر میں خواجہ صاحب نے زلف کی شب تار کا ذکر کرکے اب ماہ عارض کی جلوہ نمائی کی درخواست کی ہے مسافر یعنے سالک کے لے چاندنی رات غنیمت ہوتی ہے۔
(۹) **ترجمہ** ۔ کہا اے حافظ جب آشنا مقام حیرت میں ہیں۔ تو عجب نہیں کہ غریب (مسافر) خستہ و مسکین ہو کر بیٹھے۔
اس شعر میں خواجہ صاحب کے گفتم اور بازگفتم کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ جب آشنا بھی مقام حیرت میں ہے۔ تو پھر ایک مسافر جو ابھی درمیانی منازل کو ہی طے کر رہا ہے۔ وہ کیونکر خستہ و مسکین نہ ہو۔

غزل (۳)

آفتاب از روئے او شد در حجاب
سایہ را باشد حجاب از آفتاب

دست ماہ و مہر بر بندد بحسن
ماہ بے مہرم چو بر بندد نقاب

از خیالم باز نشناسد کسے
گر در آغوشش بہ بینم شب بخواب

شاہداں مستور و مستاں بے شکیب
خانقہ معمور و درویشاں خراب

خون دل در جام دیدم از سرشک
آبرو بر باد دادم از شراب

از برائے بادہ مے باید دن
محتسب را حد بے حد و حساب

سوز مستان گر بداند محتسب
دردم از مے شان زند بر آتش آب

حافظا وعظ و نصیحت گو مکن
ترکے کان خطا نبود صواب

(۱) ترجمہ ۔ آفتاب اس کے چہرہ کی وجہ سے پردہ میں ہو گیا۔ سایہ کو آفتاب سے حجاب ہوتا ہے۔

گویا آفتاب جو تمام روشنی کا منبع ہے۔ وہ بھی اس کے روئے روشن کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا اور اسکے آفتاب رخ کے مقابل سایہ کے برابر ہے۔ اور جسطرح سایہ آفتاب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ آفتاب اس کے رُخ کے سامنے نہیں آسکتا صوفیائے کرام کے نزدیک کائنات خدا کے نور کا عکس ہے۔ اور اس کی ذات کے مقابل کائنات فی الحقیقت سایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ع ۔

ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

افتابے ست حضرتش کہ دو کون
پیش او سائیاں ہمے یا ہم (لمعات)

نیز مشہور ہے۔ کہ رسول کریمؐ کا سایہ نہ تھا۔ پس یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے روے مبارک کے سامنے آفتاب بھی کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اور ان کی ذات بابرکات خود ایک نور کا آفتاب تھا۔ جس کا سایہ ہونا ممکن نہ تھا۔

(۲) ترجمہ ۔ حسن سے ماہ و مہر کے ہاتھ باندھ دیتا ہے۔ جب میرا نامہربان چاند نقاب ہٹاتا ہے۔

ماہ و مہر اور ماہ بے مہر کا استعمال خالی از لطف نہیں۔ تجنیس تام ہے۔ بے مہر یعنی نامہربان۔

(۳) ترجمہ ۔ خیال ہے کوئی سب مجھے پھر نہیں پہچان سکیگا۔ اگر اس کو میں رات خواب میں غم آغوش دیکھوں۔

غالباً وہی مضمون ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے بیاں فرمایا ہے۔

این مدعیاں در طلبش بے خبر انند		آن را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر میں اسکو خواب میں بھی مل سکوں تو میری یہ حالت ہو جائیگی ۔ کہ پھر کوئی آدمی میرے خیالات کی وسعت اور رفعت کو نہیں پا سکے گا۔ یا یہ کہ کسی کا خیال بھی مجھ تک نہ پہنچ سکیگا۔

(۴) ترجمہ ۔ معشوق مستور اور مست بصیر خانقہ آباد اور درویش خراب حال۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ادھر معشوق حیا چشم اور باتمکنت ہیں اور اُدھر عاشق بیصبر ہو رہے ہیں۔ وہی مثال ہے کہ خانقہ تو خوب بارونق اور آباد ہو۔ مگر درویش خستہ حال ہوں۔ معمور اور خراب ضدین عموماً عمارت کی صفت ہو کر آتے ہیں۔ مستوری اور مستی بھی ایک دوسری کی ضد ہیں۔

(۵) ترجمہ ۔ آنسوؤں سے جام میں میں نے خون دل دیکھا ۔ آبرو شراب سے برباد کردی۔

سرشک ۔ بکسرتین ۔ قطرہ آب چشم اشک ۔ آنسو

مطلب یہ ہے کہ میں نے جام شراب میں اپنا خون دل دیکھا۔ کیونکہ میری آنکھوں

میں آنسو تھے۔ ان کا عکس جام مے میں پڑا اور بوجہ رنگ شراب کے وہ بھی سرخ نظر آتے ہیں۔

(۶) **ترجمہ** ۔ شراب کے لئے مارنا چاہئیے۔ محتسب کو مارنا بے حد و حساب

محتسب ۔ وہ اہل کار جس کے سپرد ممنوعات شرعی کا تدارک ہو۔

حد ۔ شرعی سزا

اس شعر کے دو طرح سے معنے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ محتسب شہر کو بے حد و حساب سزا دینی چاہئیے۔ کیونکہ وہ محتسب ہو کر شراب پیتا ہے۔ یا یہ کہ چونکہ وہ شراب سے ہمیں منع کرتا ہے۔ اس لئے سزا کا مستوجب ہے۔

(۷) **ترجمہ** ۔ اگر محتسب مستوں کے سوز کو جانے۔ تو فوراً شراب سے اُن کی آگ پر پانی ڈالے۔

محتسب پر اظہار غضب کر کے خواجہ صاحب پھر خود کہتے ہیں کہ محتسب ہمیں جو میخواری سے منع کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہماری سوز دروں سے ناآشنا ہے۔ اگر اس کو ہمارا سوز دل معلوم ہو جائے تو وہ اس آگ کو بجھانے کے لئے خود اس پر شراب چھڑکے

(۸) **ترجمہ** ۔ اے حافظ وعظ و نصیحت کہو کہ نہ کرے معشوقان خطا کو چھوڑنا اچھا نہیں۔

خطا یا ختا ۔ نام شہر مابین ترکستان و چین۔ و توران۔ ترکان خطا بمعنے معشوقان۔ **صواب** ۔ ضد خطا بمعنے درست و راست

مطلب یہ ہے کہ اے حافظ واعظ کو کہ وعظ و نصیحت نہ کرے اور ہمیں عشق سے منع نہ کرے۔ کیونکہ عشق چھوڑنا اچھا کام نہیں۔

ایک شارح صاحب کہتے ہیں کہ پہلے مصرع کا مکن دوسرے مصرع کے ترک سے متعلق ہے یعنی ترک مکن۔ معلوم نہیں کہ وہ نحو و صواب کو پھر کیا کرینگے۔ گو مکن عام محاورہ میں استعمال ہوتا ہے۔ خواہ ایک فعل کا مخاطب خود متکلم اور دوسرے کا مخاطب واعظ ہو یا دونوں کا مخاطب متکلم ہی ہو مدعا ایک ہی ہے۔

غزل (۴)

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب	۱	کہ آمد ناگہان دلدارم امشب
چو دیدم روئے خوبش سجدہ کردم	۲	بحمد اللہ نکو کردارم امشب
نہال عیشم از وصلش برآورد	۳	ز بخت خویشتن برخوردارم امشب
کشد نقش انا الحق بر زمین خون	۴	چو منصور ار کشی بر دارم امشب
برات لیلۃ القدرے بدستم	۵	رسید از طالع بیدارم امشب
بران عزمم کہ گر خود میرود سر	۶	کہ سر نوشی از طبق بردارم امشب
تو صاحب نعمتی من مستحقم	۷	زکوٰۃ حسن دہ حق دارم امشب
۸	بہ ہے ترسم کہ حافظ محو گردد ازین شورے کہ در سر دارم امشب	۸

اس غزل میں بھی تسلسل مضمون موجود ہے - عاشق کو وصال محبوب نصیب ہوا ہے - اور اسی خوشی میں وہ نغمہ سرائی کرتا ہے اپنے مذاق کے مطابق اسے مشاہدہ حسن مطلق خیال کریں یا وصال معشوق مجاز دونو صورتوں پر اس غزل کا اطلاق ہو سکتا ہے -

(۱) ترجمہ - سبحان اللہ میں آج رات کیا دولت رکھتا ہوں کہ میرا معشوق ناگہاں آج رات آگیا -

(۲) ترجمہ - جب میں نے اس کا خوبصورت چہرہ دیکھا تو سجدہ کیا - خدا کا شکر ہے - کہ میں آج رات خوش بخت (نیکوکار) ہوں -

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر آج میں کیسا خوش نصیب ہوں کہ میرا معشوق ناگہاں تشریف آور ہو گیا - میں اس کے خوبصورت چہرہ کو دیکھکر شکر و تعظیم کا سجدہ بجالایا

دوسرے شعر میں نکوکردار کے معنے نیکو کار ہیں۔گویا سجدہ کرنے سے میں نکوکار ہو گیا۔یا نکوکردار سے مراد نیک بخت لے لی جائے۔

(۳) ترجمہ۔اس کے وصال سے میرے عیش کا درخت بار آور ہوا اپنے بخت سے میں آج بہرہ اندوز ہوں۔

لفظ برخوردار مرکب ہے اور اس کی ترکیب کے متعلق کئی رائیں ہیں۔(۱) پہلی اور اصح رائے یہ ہے کہ یہ لفظ برخورد اور آر کا مرکب ہے۔آر کلمہ نسبت۔برخور اور دار کا مرکب نہیں (۲) صاحب کشف نے یہاں ایک لطیفہ پیدا کیا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ لفظ مرکب ہے بر اور خور اور دار سے یعنی بر و بخور و بدار۔(۳) تیسری رائے یہ کہ برخوردار بمعنے درست برخوردن کے ہے۔دار بمعنے درست اس لفظ کے معنے ہر صورت میں ایک ہی ہیں یعنی کامیاب۔برومند۔

(۴) ترجمہ۔خون نقش انا الحق زمین پر بنائے گا۔منصور کی طرح اگر تو مجھے آج رات سولی پر لٹکائے۔

اس شعر میں حضرت منصور حلاج کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔انہوں نے مغلوب الحال ہونے کی حالت میں انا الحق (میں خدا ہوں) کہ دیا۔جس پر بموجب فتوئے شریعت ان کو سولی دی گئی مشہور ہے کہ ان کے خون کے قطروں سے بھی آواز انا الحق آتی تھی۔خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آج وصال حاصل ہونے سے میں اس قدر فنا فی المعشوق ہو گیا ہوں کہ اگر مجھے بھی آج معشوق سولی دے۔تو میرا خون زمین پر جب گرے گا۔تو نقش انا الحق پیدا کریگا یعنے زمین پر خون سے انا الحق لکھا جائے گا۔اہل تصوف کے نزدیک منصور کا انا الحق کلمہ حق تھا۔کیونکہ ان کے نزدیک ذات خدا کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں اس لیئے مطابق اصول ہمہ اوست۔سب کچھ وہی ہے۔چنانچہ کہا گیا ہے کہ توحید آن نیست کہ او را یگانہ دانی۔توحید آن است کہ او را یگانہ باشی۔یعنی توحید یہ نہیں کہ تو خدا کو ایک جانے بلکہ یہ ہے کہ خود اسکے ساتھ ایک ہو۔خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آج مجھے بھی مشاہدہ ذات سے رتبہ یگانہ باشی حاصل ہو گیا ہے اور میں بھی فنا فی اللہ ہو کر انا الحق کہنے کا

مستحق ہو گیا ہوں۔
اس شعر کے دوسرے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اگر آج مجھے میرا معشوق قتل بھی کر دے تو میں دعویدار نہوں گا۔ چنانچہ اسکی تائید میں میرا خون بھی جب زمین پر گریگا تو نقش انا الحق پیدا کرے گا۔ یعنے وہ بھی شہادت دیگا کہ خون حق ہے یعنے خون جائز ہے۔ خون ناحق نہیں۔

(۵) ترجمہ۔ لیلۃ القدر کی برات میرے ہاتھ لگی۔ بخت بیدار کی وجہ سے آج رات۔

برات۔ فارسی لفظ ہے۔ اس پروانہ کو کہتے ہیں۔ جس کے بموجب خزانہ سرکار سے روپیہ ملے۔ یعنی چالان یا چک۔ مجازاً بمعنے دنیا۔ عطا کرنا۔

لیلۃ القدر۔ ایک رات ہے جو سال میں ایک بار آتی ہے اس کے تعین کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ اور کوئی رائے قطعی نہیں۔ مگر کثرت رائے اس پر ہے۔ کہ یہ رات ماہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ اس کی فضیلت کے متعلق قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ "ہم نے قرآن شریف کو شب قدر میں بھیجا۔ اور تو کیا جانتا ہے کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ خدا تعالےٰ کے حکم سے فرشتے اور جبرائیل اس رات کو اترتے ہیں ہر کام میں اس رات کو سلامتی ہے اور یہ طلوع فجر تک ہوتی ہے"۔
مشہور ہے کہ اگر آدمی اس تمام رات کو جاگتا رہے تو ضرور مشاہدہ الہی سے سرفراز ہوگا خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مجھے تو محبوب کے وصال سے آج ہی رات کو لیلۃ القدر کے فوائد حاصل ہو گئے۔

(۶) ترجمہ۔ یہ ارادہ ہے کہ اگر سر بھی چلا جاوے۔ طبق سے سرپوش آج رات اٹھا دونگا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے آج اسقدر فرحت اور انبساط حاصل ہے اور اسقدر مستی پیدا ہوئی ہے کہ ارادہ ہے کہ آج ضرور ہی رازہائے سربستہ کو فاش کر دوں۔ یعنی میں بھی وصال حق میں اس قدر محو ہو جاؤں کہ منصور کی طرح انا الحق کہوں اور اگر سر بھی جاتا رہے

دیہی اظہار حق اور افشائے راز سے باز نہ آؤں۔

لاجرم کوتاہ کردم من زبان		گر تو خواہی ز اندرون خود بخواں

(۷) ترجمہ — تو صاحب دولت ہے۔ میں مستحق ہوں حسن کی زکوٰۃ دے میں

اِن حقدار ہوں

اس مضمون پر خواجہ صاحب دوسری جگہ کہتے ہیں۔

نصاب حسن تو حد کمال است		زکوٰۃ ام دہ کہ من مسکین فقیرم

یعنی تو متاع حسن میں امیر ہے اور صاحب نصاب ہے۔ تجھ پر زکوٰۃ فرض ہے میں مستحق ہوں اور مجھ پر زکوٰۃ جائز طور پر صرف ہو سکتی ہے۔

(۸) ترجمہ — مجھے ڈر ہے کہ حافظ محو ہو جائے گا۔ اس شور سے جو آج رات میرے سر میں ہے۔

محو۔ بفتح میم۔ کاغذ یا تختی وغیرہ سے حروف یا نقوش کا مٹانا پاک کرنا۔ اصطلاح صوفیا میں عادات و اوصاف بشری کا کم ہونا زائل و معدوم ہونا۔ (غیاث)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں وصال محبوب میں اس قدر از خود رفتہ ہو گیا ہوں اور میرے سر میں اسقدر تصورات و تخیلات کا زور ہے۔ کہ مجھے ڈر ہے کہ میں بالکل بیخود ہی نہ ہو جاؤں۔

غزل (۵)

صبح دولت میدمد کو جام ہمچو آفتاب	۱	فرصتے زین بہ کجا باشد بدہ جام شراب
خانہ بے تشویش و ساقی یار و مطرب بذلہ گو	۲	موسم عیش است و دور ساغر و عہد شباب
شاہد و ساقی بست و بے افشان و مطرب پاکوب	۳	غمزہ ساقی ز چشم مے پرستان بردہ خواب
نہایت خانہ ام است اجابت امن ورنہ گاہ انس	۴	اینکہ مے منیم بہ بیداریست یارب یا بخواب

از خیال لطف مے مشاطہ چالاک طبع	۵	در ضمیر برگ گل خوش میکند پنہان گلاب
از پئے تفریح طبع و زیور حسن طرب	۶	خوش بود ترکیب زرین جام با لعل مذاب

(۷)	تا شد آن ماہ مشتری در ہائے حافظ را بگوش میرسد ہر دم بگوش زہرہ گلبانگ رباب	(۷)

(۱) ترجمہ ۔ صبح اقبال کا طلوع ہے ۔ جام شراب مثل آفتاب کے کہاں ہے ۔ اس سے اچھا وقت کب ہوگا ۔ جام شراب دے ۔

صبح دولت سے مراد خوش نصیبی کا آغاز ۔ صبح کی رعایت سے آفتاب لایا گیا ہے جس طرح صبح کے لیئے آفتاب ضروری ہے ۔ اسی طرح خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ صبح وصال ہے جام شراب ضرور ہونا چاہیئے ۔ اس سے بہتر پھر کون سا وقت ہوگا

(۲) ترجمہ ۔ گھر با آرام ۔ ساقی مہربان اور مطرب لطیفہ گو ہے ۔ عیش کا موسم ہے دور ساغر چلتا ہے اور جوانی کا زمانہ ہے ۔

اس شعر میں اور اگلے دو شعروں میں خواجہ صاحب نے بزم وصال کا نقشہ کھینچا ہے ۔ خانہ بے تشویش سے یہ مطلب ہے کہ وہاں کوئی مخل نہیں ۔

	مے اور کنج باغ ہو ساقی ہو مہر وش		اور وہاں مخل نہ ہو کوئی باعث حجاب کا	

(۳) ترجمہ ۔ معشوق اور ساقی رقص کرتے ہیں مطرب ناچ رہا ہے ۔ ساقی کے غمزہ نے مے پرستوں کی آنکھ سے نیند دور کر دی ۔

دست افشاں اور **پاکوب** ۔ رقص کرنے والا ۔ ناچنے والا

غمزہ ۔ معشوق کا چشم و ابرو سے اشارہ کرنا ۔

(۴) ترجمہ ۔ خلوت خاص ہے ۔ جائے امن ہے اور آرام کی پاکیزہ جگہ ۔ الٰہی جو کچھ میں دیکھتا ہوں خواب میں ہے یا بیداری میں ۔

نزہت گاہ ۔ پاکیزہ جگہ ۔ سرسبز اور تازہ مقام ۔ **انس** ۔ بالضم ۔ آرام و الفت اگر بالکسر پڑھیں تو معنے آدمیاں ۔ مگر یہاں بالضم ہے معنے آرام ہے ۔

دوسرا مصرع عام محاورہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جب کسی آدمی کو کوئی خاص نعمت یا کوئی غیر معمولی خوشی خلاف امید مگر حسب خواہش مل جائے تو اس موقعہ پر یہ مصرع بولا جاتا ہے۔ یعنی آدمی حیران ہوتا ہے کہ کیا سچ مچ مجھے یہ نعمت مل گئی۔

خواجہ صاحب نے پچھلے تین شعروں میں فی الواقعہ ایسا سین کھینچا ہے۔ جو عاشقوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور اگر کسی عاشق کو یہ موقع ہاتھ آجاوے۔ تو بے شک وہ شک کرےگا کہ میں جاگتا ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں۔

(۵) **ترجمہ** ۔ لطف سے کے خیال سے قدرت کے چالاک استاد نے پھول کے پتوں کے اندر گلاب کو خوب پوشیدہ کیا ہے۔

مشاطہ ۔ بالفتح و تشدید شین۔ وہ عورت جو عورتوں کے بالوں کو کنگھی کرے اور انکو آرائش عروسانہ میں مدد کرے۔ **ضمیر** ۔ اندرون دل۔ خاطر۔ ضمیر کی جگہ اگر خمیر پڑھیں تو بھی معنے وہی ہونگے۔

مشاطہ چالاک طبع دو طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ چالاک طبع صفت ہو۔ اور مشاطہ موصوف ہو۔ یعنی مشاطۂ چالاک طبع بمعنے باد صبا یا یہ کہ مشاطۂ چالاکِ طبع پڑھا جائے۔ یعنی طبیعت یا قدرت کی چالاک مشاطہ یعنی قدرت۔ مطلب دونو صورتوں میں ایک ہے۔ کہ باد صبا یا قدرت اس خیال سے کہ گلاب لطف سے کو دوبالا کر دیتا ہے۔ پھول کی پنکھڑیوں میں گلاب پیدا کرتی ہے۔

(۶) **ترجمہ** ۔ طبیعت کی تفریح کے لئے اور حسن و خوشی کے زیب کے لئے جام زریں اور شراب ناب کی ترکیب بہت اچھی ہے۔

لعل مذاب ۔ لعل مشہور قیمتی پتھر۔ مذاب بمعنے گداختہ شدہ۔ گلا ہوا۔ پگھلا ہوا۔ پگھلا ہوا لعل یعنی شراب سرخ۔

خواجہ صاحب نے عرق مفرح قلب کا اچھا نسخہ تجویز فرمایا ہے۔

(۷) **ترجمہ** ۔ جب سے دماغ ہوش حافظ کے موتیوں کا کانوں کے لئے خریدار ہوا ہے۔ زہرہ کے کانوں میں ہر وقت رباب کی آواز جارہی ہے۔

گلبانگ ۔ آواز قلندران و شاطراں ۔ شادی کے موقعہ پر لوگ جو شور کرتے ہیں ۔ آواز بلبل ۔ آواز خوش ۔ خوشخبری ۔

ماہ و مشتری کے استعمال میں صنعت ایہام ہے ۔ مشتری ایک ستارہ کا نام بھی ہے ۔ اور یہاں بمعنے خریدار ۔

مطلب یہ ہے کہ جب سے وہ ماہوش دہاے حافظ یعنی کلام حافظ کو کانوں کے لئے خریدنے لگا ہے یعنی سننے لگا ہے ۔ تب سے حافظ کی غزل اس بلند آہنگی سے رباب کے ساتھ گائی جانے لگی ہے ۔ کہ زہرہ کے کانوں تک پہنچتی ہے ۔ زہرہ ایک ستارہ ہے ۔

غزل (٦)

ز باغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب	۱	ز تاب هجر تو دارد شرار دوزخ تاب
چو چشم من همه شب جویبار باغ بهشت	۲	خیال نرگس مست تو بیند اندر خواب
به حسن عارض و قد تو برده اند پناه	۳	بهشت و طوبی و طوبی لهم و حسن مآب
بهار شرح جمال تو داده در فصل	۴	بهشت ذکر جمیل تو کرده در هر باب
لب و دهان ترا ای بسا حقوق نمک	۵	که هست بر جگر ریش و سینه‌های کباب
بسوخت این دل ما و بکام دل نرسید	٦	مدام اگر برسیدی نریختی خوناب
گمان مبر که بدور تو عاشقان مستند	۷	خبر نداری از احوال زاهدان خراب
مراد دل ز لبت شد یقین که جوهر لعل	۸	پدید می شود از آفتاب عالمتاب

(۹) مهل که عمر به بیهوده بگذرد حافظ
بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب (۹)

(۱) ترجمہ ۔ تیرے وصل کے باغ سے باغ بہشت تازگی حاصل کرتا ہے ۔ تیرے

ہجر کی آگ سے دوزخ کی آگ گرمی لیتی ہے۔

ریاض ۔ بمعنی روضہ بمعنے مرغزارہا۔ باغات۔ **رضوان** ۔ بالکسر۔ معنے خوشنودی و نام فرشتہ جو موکل دربان بہشت ہے۔ ریاض رضواں۔ رضوان کا باغ یعنی باغ بہشت۔

شاعر کہتا ہے کہ تیری بزم وصال ایسا روح پرور اور پرفضا مقام ہے کہ باغ بہشت کو بھی جو رونق حاصل ہے۔ اسی سے ملی ہے۔ اور دوزخ کی آگ میں جسقدر جانسوزی ہے وہ بھی تیری ہجر کی جانگدازی کا ایک حصہ ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ باغ بہشت میں جسقدر بھی کہ فرحت وراحت ہوگی وہ اس واسطے ہوگی کہ وہاں محبوب کا مشاہدہ ممکن ہوگا۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست ۔ لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

اور اہل دوزخ کو جتنا عذاب ہوگا وہ اسی وجہ سے ہوگا۔ کہ وہ مشاہدہ حق سے محروم ہونگے اور یہی تمام صوفیائے کرام کا خیال ہے۔

(۲) **ترجمہ** ۔ میری آنکھوں کی طرح تمام رات باغ بہشت کی نہریں تیری مست آنکھ کی صورت خواب میں دیکھتی ہیں۔

جوئبار ۔ وہ جگہ جہاں بہت نہریں ہوں۔ مطلق بمعنی انہار۔ **خیال** بالفتح پندار وصورت جو خواب میں دیکھی جائے۔ یا بیداری میں تصور کی جائے۔ وہ صورت جو پانی میں یا آئینہ میں نظر آئے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ میری آنکھوں کی طرح باغ بہشت کی نہریں بھی تمام رات خواب میں تیری مست آنکھوں کی صورت دیکھتی رہتی ہیں۔ یعنی صرف انسان ہی نہیں بلکہ باغ بہشت خود تیرے دیدار کا مشتاق ہے۔

اس شعر کا دوسرا نسخہ بجائے جوچشم کے درچشم ہے اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ میری دونوں آنکھیں جو اشک افشانی کی وجہ سے جوئبار کی طرح بنی ہوئی ہیں۔ تمام رات خواب میں تیری نرگس مست کا تصور باندھے رہتی ہیں۔ اس صورت میں یہ اعتراض کہ جوئبار کو خواب نہیں۔ وارد نہیں ہوتا۔

(۳) **ترجمہ** ۔ تیرے حسن عارض اور قد کی پناہ مانگی ہے بہشت اور طوبیٰ نے یہ اچھا ہے

اُن کے لئے اور اچھی جائے پناہ ہے۔

طوبیٰ ۔ مؤنث طیّب (۱) بمعنے خوشبودار و تر و پاک تر عیش ۔خوشی ۔ بشاشت فرحت ۔ (۲) ایک درخت کا نام ہے جو بہشت میں ہے اور ہر اہل جنت کے مکان پر اسکی ایک شاخ ہے ۔ ہر قسم کے میوے اور خوشبوئیں اس سے پیدا ہوتی ہیں ۔ **مآب** ۔جائے پناہ

مطلب یہ ہے کہ بہشت نے باوجود تمام خوبصورتیوں کے تیرے خوبصورت چہرہ کی پناہ مانگی ہے اور طوبےٰ نے باوجود اسقدر راست قد ہونے کے تیرے قد کی پناہ مانگی ہے ۔ اور ان دونوں کے لئے یہ بہت اچھا ہے اور بہت اچھی جائے پناہ ہے ۔ غزل ۴ کے شعر اول کی طرح یہاں بھی یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ باغ بہشت اور درخت طوبیٰ کو جسقدر حسن و برکت حاصل ہے وہ سب اس محبوب کے حسن کی برکت سے ہے ۔ عارف جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔

طوبیٰ کہ بہشت روضہ پر از شاخ و برگ اوست		ہست از ریاض کرمتش دستہ گیاہ	

صاحب گلبن معرفت نے اسی شعر کے معنی اس طرح کئے ہیں ۔ کہ "جس آدمی نے تیرے حسن رخسار اور قد کی پناہ مانگی ۔ باغ بہشت اور طوبیٰ اسکا اچھا ٹھکانا ہے" اچھی گل افشانی کی ہے

(۴) **ترجمہ** ۔ بہار نے ہر موسم میں تیرے جمال کی شرح کی ۔ بہشت کا ہر دروازہ تیرا ذکر جمیل کر رہا ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ موسم بہار اور باغ بہشت کی رونق اور جمال صرف تیرے جمال کا عکس ہے ۔ ورنہ ان میں کیا دھرا ہے ۔ شرح و فصل بہشت و باب اور جمال و جمیل کی لطافت ظاہر ۔ کتاب شرح کے فصل و باب اور باغ بہشت کے دروازے ہوتے ہیں ۔

ہر گُل کہ بر تختہ ہستی پیداست		ایں صورت آنکس است کاں نقش آراست	

(۵) **ترجمہ** ۔ تیرے لب و دندان کے بہت سے حقوق نمک زخمی جگروں اور کباب شدہ سینوں پر ہیں ۔

دہن کو نمکدان کہتے ہیں ۔ وہی مضمون ہے ۔ جو شعر ب ۱/۵ میں ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے لب و دہان نے زخمی جگروں اور جلے ہوئے سینوں پر کئی دفعہ نمک

چھڑکا ہے۔ اور عاشقوں کے لیئے یہ باعث فرحت ہوا ہے۔ عاشق ہمیشہ اپنے زخموں پر نمک ہی چھڑکا کرتے ہیں اور اسے مرہم سمجھتے ہیں۔ لہذا **حقوق نمک**

	شوراب سرشک سے دھوتا ہوں زخم دل	تیزاب میرے حق میں یہ مرہم سے کم نہیں	(ذوق)

اسی مضمون پر ہے۔

	مزا اس میں ہی آتا ہے نمک چھڑکو نمک چھڑکو	قسم لو نہیں عادت میرے زخموں کو مرہم کی

(۶) ترجمہ۔ ہمارا دل جل گیا اور مدعا کو نہ پہنچا۔ شراب اگر مل جاتی تو دل خون کے آنسو نہ بہاتا۔

مدام۔ بمعنی شراب۔ **خوناب**۔ خون اور آب۔ خون پانی ایک کرنا۔ نہایت رنج و غم کرنا۔ خون آنسوؤں میں بہانا مشقت۔ خونابہ خم۔ شراب کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ شراب عشق کافی نہ مل سکا۔ اس لئے ہم دل کو ہی خون کرتے رہے مگر مدعا تک نہ پہنچے۔ ایک صاحب اس طرح فرماتے ہیں۔ ہمارا دل جل گیا اور مقصد تک نہ پہنچا۔ پہنچ جاتا اگر آنسو نہ گراتا۔

(۷) ترجمہ۔ یہ خیال نہ کر کہ تیرے عہد میں صرف عاشق ہی مست ہیں۔ کیا تجھے زاہدوں کی خراب حال سے آگہی نہیں۔

عاشق تو خیر تیرے شراب عشق سے مست ہی ہیں۔ مگر ادھر زاہدوں کو دیکھو کہ وہ کسی اور نشہ میں ہی مخمور ہیں۔ ہم تیرے مست ہیں اور وہ دنیا کی خرابات کی خرابا تی۔ خواجہ کو ریاکار زاہدوں سے بہت ہی نفرت ہے۔ اور تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے۔

(۸) ترجمہ۔ مجھے تیرے لب کے عہد میں یقین آگیا کہ گوہر لعل آفتاب عالم تاب سے پیدا ہوتا ہے۔

مشہور ہے۔ کہ تمام خوبصورت اور قیمتی پتھر اور جواہرات اصل میں صرف معمولی پتھر ہوتے ہیں۔ سورج کی شعاعیں کسی کیمیائی ترکیب سے ان پر اپنا عمل سالہا سال تک کرتی ہیں۔ اور ان کو موجودہ آب و تاب دیتی ہیں۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ پہلے تو سنا ہی تھا۔ مگر اب یقین ہو گیا۔ کہ بیشک

لعل آفتاب سے ہی بنتا ہے۔ کیونکہ تیرے لب لعل تیرے آفتاب رخسار کے نور کے زیراثر پرورش پاتے ہیں۔

(۹) ترجمہ۔ حافظ نہ چھوڑ کہ عمر بیہودہ گزر جائے۔ کوشش کر اور عمر عزیز سے فائدہ اٹھا۔

عزیز — ارجمند۔ مرغوب۔ کمیاب۔

ردیف (ت)

غزل (۱)

بیا که قصر امل سخت سست بنیاد است	۱	بیار باده که بنیاد عمر بر باد است
غلام همت آنم که زیر چرخ کبود	۲	ز هر چه رنگ تعلق پذیرد آزاد است
نصیحتے کنمت یاد گیر و در عمل آر	۳	که این حدیث ز پیر طریقتم یاد است
مجو درستی عهد از جهان سست نهاد	ق ۴	که این عجوزه عروس هزار داماد است
چه گویمت که به میخانه دوش مست و خراب	۵ ق	سروش عالم غیبم چه مژده‌ها داد است
که اے بلند نظر شاهباز سدره نشین	۶ ق	نشیمن تو نه این کنج محنت آباد است
ترا ز کنگره عرش مے زنند صفیر	۷	ندانمت که درین دامگاه چه افتاد است
غم جهاں مخور و پند من مبر از یاد	۸ ق	که این لطیفه نغزم ز رهروے یاد است
رضا بداده بده وز جبین گره بکشا	۹	که بر من و تو در اختیار نکشاد است

نشانِ مہر و وفا نیست در تبسم گل ۱۰ بنال بلبل مسکیں کہ جائے فریاد است

(۱۱) حسد چہ میبری اے سست نظم بر حافظ
قبول خاطر و لطف سخن خداداد است (۱۱)

یہ غزل بندش الفاظ اور معانی کے لحاظ سے خواجہ صاحب کی مقبول ترین غزلوں میں سے ہے۔ دنیا کی ناثباتی اور بے وفائی پر کہی گئی ہے اور موتی پروئے گئے ہیں۔ غزل میں تسلسل مضمون موجود ہے اور مقطع میں خواجہ صاحب کے حاسدان ماضی و حال کے بیہودہ اعتراضات کا مختصر جواب ہے۔

(۱) **ترجمہ** ۔ آکہ امیدوں کا محل نہایت ہی کمزور بنیاد ہے۔ جام لاکہ عمر کی بنیاد ہوا پر ہے۔

قصر امل ۔ امیدوں اور آرزؤں کا مقام۔ یعنی دنیا مشہور ہے کہ دنیا برامید قائم۔ سخت وسست کی بندش میں خواجہ صاحب نے کمال کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا جو امید پر قائم ہے۔ نہایت کمزور بنیاد کا مکان ہے۔ کیونکہ امید خود محض ایک موہوم شے ہے۔ امیدوں کا سلسلہ انسان کے لیے موجب یاس ہے اور باعث تکلیف۔ خواجہ صاحب جام کی طلب کرتے ہیں۔ تاکہ اس سلسلہ بیم و امید سے نجات پائیں۔ اور اس چند روزہ زندگی کو آرام سے گزاریں۔

اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس		بہشت ہے مجھے آرام جاوداں کیلئے

دوسرے مصرع میں ایک لطافت ہے جو قابل لحاظ ہے۔ مجازاً سست بنیاد چیز کو کہتے ہیں کہ اسکی بنیاد ہوا پر ہے۔ مگر یہاں عمر کی صورت میں تو فی الواقع انسانی زندگی کی بنیاد ہوا پر ہے۔ نفس ہمارا مایۂ حیات ہے

(۲) **ترجمہ** ۔ میں اس شخص کی ہمت کا غلام ہوں جو نیلے آسمان کے نیچے ہر ایک چیز سے جو رنگ تعلق قبول کرتی ہو۔ آزاد ہو

دنیا میں چونکہ ہر ایک چیز کو دوسری چیز سے ایک تعلق ہے۔ حیوانات۔ نباتات۔

اور جمادات میں کوئی چیز کوئی فرد ایسا نہیں جو کسی دوسری شے سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ اسی لیئے دنیا کا ایک نام نشاء تعلق بھی ہے۔ انگریزی فلاسوفی میں بھی کہا گیا ہے کہ کائنات تعلقات کا ایک جال ہے یعنی ہر ایک چیز کو مختلف دوسری اشیاء سے مختلف تعلقات ہیں۔ اس لیئے ضروری ہے کہ آدمی جو کائنات میں سب سے زیادہ تمدن رکھتا ہے۔ زیادہ پابند تعلقات ہو۔ اور فی الحقیقت ہے بھی ایسا۔ مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کی بلند ہمتی کا قائل ہونگا۔ جو اس آسمان کے نیچے ہر ایک ایسی چیز سے جو رنگ تعلق اختیار کرے آزاد ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ آدمی بے شک نہایت عالی ہمت ہے جو دنیا میں رہ کر دنیا کے تعلقات سے پاک ہو۔ صوفیاے کرام کے نزدیک انسان سچی خوشی صرف اسی صورت میں حاصل کرسکتا ہے کہ تعلقات دنیا سے آزاد ہو۔

تکلف گر نباشد خوش توان زیست
تعلق گر نباشد خوش توان مرد

اور سچ ہے۔ کہ دنیا میں انسان کو جسقدر تکلیفات ہوتی ہیں۔ اور وہ تمام اسباب جو دم واپسین انسان کو مضمحل اور مضطرب کرتے ہیں وہ تعلقات کی وجہ سے ہیں۔ ابوطالب کلیم ملک الشعراے شاہجہانی نے کہا ہے۔

بدنامیٔ حیات دو روزے نبود بیش
آنہم کلیم با تو بگویم چساں گزشت
یک روز صرف بستن دل شد بایں و آں
روز دگر بکندن دل زین و آں گزشت

ایک شارح نے اس شعر کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے۔ "کہ جتنی چیزیں آسماں کے نیچے ہیں سب میں اسی کا رنگ ہے۔ مگر پھر دیکھو تو وہ کسی میں نہیں یعنی سب کچھ فانی ہے اس اعتبار سے اگر وہ ان چیزوں میں ہوتا تو فنا ہوتا۔ لیکن وہ باقی ہے۔ اس سے ظاہر کہ وہ سب میں ہے اور پھر کسی میں نہیں۔" شاید ناظرین اس شرح کی شرح فرمائیں میں تو نہیں سمجھا۔

(۳۳) ترجمہ۔ میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں یاد رکھ اور اس پر عمل کر کیونکہ یہ بات میں نے پیر طریقت سے سنی ہے۔

(۳۴) ترجمہ۔ کمزور بنیاد شالے جہاں سے عہد و پیماں کی درستی نہ دھونڈ کیونکہ یہ

بڑھیا ہزار ہا خاوندوں کی بیوی ہے۔
یہ دونو شعر قطعہ بند ہیں۔ **عجوزہ** - بوڑھی عورت۔ **داماد** - مرد نوکدخدا وہ آدمی جس کی نئی شادی ہوئی ہو۔ بالمقابل عروس وہ عورت جس کی تازہ شادی ہوئی ہو۔ لفظ داماد ہندوستان میں بمعنے شوہر دختر استعمال ہوتا ہے۔ مگر یہ مجازی معنے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ دائم آباد کا مخفف ہے یعنے دعائیہ لفظ ہے۔ معنے ہمیشہ آباد رہو۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا سے یہ امید نہ رکھ کہ یہ عہد کی پکی ہوگی اور وفادار ہوگی۔ کیونکہ یہ بڑھیا ہزار ہا خاوندوں کی بیوی رہ چکی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں۔

	یا عاشق الدنیا لِغَیرِکَ وجهها		وَلَتَنظُرَن اذا ادنک نقاها	
	ہر طرف آراستہ روئے دگر		ہر نفسش میل بشوے دگر	(امیر خسرو)

حکایت عجوزہ دنیا و حضرت عیسےٰؑ کا مکالمہ

خواجو کا شعر ہے

دل دریں پیرزنِ عشوہ گرِ دہر مبند	
کیں عروسیست کہ در عقدِ بسے داماد است	

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو مکاشفہ میں ایک بڑھیا کی صورت میں دیکھا پوچھا کہ تیرے کتنے شوہر ہیں جواب دیا کہ حد شمار سے باہر ہیں پوچھا کہ مرگئے یا طلاق دی۔ جواب دیا کہ سب کو میں نے مار ڈالا۔ حضرت عیسےٰؑ نے کہا تعجب ہے کہ یہ احمق دوسروں کے ساتھ تیرا یہ سلوک دیکھتے ہیں اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ تجھ سے محبت کرتے ہیں اللّٰھُمَّ اعصمنا من سحرھا (خدایا ہم کو اس کی جادوگری سے بچا) کیمیائے سعادت
امیر خسرو دہلوی کہتے ہیں۔

ہفت وناایں صنم عشوہ ساز		طفل فریب آمد و برنا نواز
ہر طرف آراستہ روے دگر		ہر نفسش میل بشوے دگر

(۵) ترجمہ۔ میں تجھے کیا کہوں کہ کل میخانہ میں جب میں مست و خراب تھا۔ عالم غیب کے مژدہ سنانے والے نے مجھے کیا کیا مژدہ سنائے۔

(۶) ترجمہ۔ (کہا) کہ اے بلند نظر والے اور سدرہ پر بیٹھنے والے شہباز تیرا آشیانہ یہ تکلیفوں کا گوشہ نہیں ہے۔

(۷) ترجمہ۔ تجھکو کنگرہ عرش سے بلا رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس جال میں تیرا کیا پڑا ہے۔

یہ تینوں شعر قطعہ بند ہیں۔ **سروش**۔ بضمتین۔ نام جبرئیل علیہ السلام اور ہر فرشتہ کا نام جو پیغام خیر لائے **سدرہ**۔ بالکسر۔ درخت کنار جو ساتویں آسمان پر ہے اور جسے سدرۃ المنتہیٰ بھی کہتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام وہاں تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ صرف حضرت رسول کریم صلعم معراج کے وقت اس درخت سے آگے گئے اور کوئی فرشتہ وغیرہ نہیں گیا۔ **نشیمن**۔ پرندوں کا گھونسلہ۔ **صفیر**۔ پرندوں کا آوازہ اور وہ آواز جس سے پرندوں کو بلاتے ہیں۔ معرب سیٹی

ان تینوں شعروں میں خواجہ حافظ نے یہ بتایا ہے کہ انسان گرچہ اس دنیا میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسی میں رہتا ہے۔ پھر بھی وہ دراصل عالم بالا سے تعلق رکھتا ہے اور اسکا اصلی وطن بھی وہی ہے۔ جہاں سے وہ ابتدائے آفرینش میں آیا۔ اگرچہ اسے یہاں ضرور رہنا ہے۔ مگر اس کو یہاں وابستگی پیدا نہ کرنی چاہئے اور اس محنت آباد و جال کو اپنا نشیمن نہیں جاننا چاہئے۔ یہ صرف ایک عارضی قیام گاہ ہے۔ اسکو اپنا مستقل مسکن خیال کر کے تعلقات پیدا نہیں کرنے چاہئیں۔ اور ہمیشہ اپنی نظر کو بلند رکھنا چاہئے۔ بلند نظر۔ سدرہ نشیں۔ نشیمن۔ کنگرہ۔ صفیر۔ دام گاہ یہ سب الفاظ شاہباز کی رعایت سے آئے ہیں۔ صنعت مراعات النظیر ہے۔

(۸) ترجمہ۔ دنیا کا غم نہ کھا اور میری نصیحت کو نہ بھول۔ کیونکہ یہ نادر نکتہ میں نے ایک سالک سے سنا ہے۔

(۹) ترجمہ۔ قسمت پر راضی رہ اور پیشانی سے بل دور کر۔ کیونکہ مجھ پر اور تجھ پر اختیار کا دروازہ کھلا ہوا نہیں ہے۔

یہ شعر قطعہ بند ہیں۔ **دادہ**۔ دیا ہوا۔ قسمت۔ یعنی جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے۔

خواجہ صاحب نے تسلیم و رضا اور جبر و اختیار کے متعلق یہ لطیفہ کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو خدا تعالےٰ نے تیری قسمت میں لکھا ہے۔ اس پر راضی ہو اور شاکر رہو۔ کیونکہ سوائے صبر و شکر کے چارہ نہیں۔

انگریزی مثل ہے کہ جس درد کا علاج نہ ہو اسے برداشت کرنا ضروری ہے۔

تسلیم و رضا پیشہ کن و شاد بزی ۔۔۔ چوں نیک و بد جہان بہ تدبیر تو نیست (خیام)

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔　　نیز دیکھو شعر ت ۲۶/۴

چو نتوان بر افلاک دست آختن ۔۔۔ ضروری ست با گردشش ساختن

(۱۰) ترجمہ۔ خندۂ گل میں مہر و وفا کا نشان نہیں ہے۔ اے مسکین بلبل رو کہ رونے کا مقام ہے۔

ظاہر ہے کہ تبسم گل بالکل ناپائدار ہے۔ پھول دو روز میں مرجھا جائیگا۔

ریاض دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول (اقبال) وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

اسی مضمون کے لیۓ دیکھو شعر ت ۳۲/۲

(۱۱) ترجمہ۔ اے خام مشق شاعر حافظ پر تو کیا حسد کرتا ہے۔ مقبولی اور لطف کلام خداداد ہے۔

مقطع میں خواجہ صاحب نے شعرا کے معمول کے مطابق فخریہ کہا ہے کہ اے خام مشق شاعر حافظ پر کیوں رشک کرتا ہے۔ قبولیت اور لطف سخن خداداد ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غزل (۲)

بروبکار خود اے واعظ ایں چہ فریادست بکام تا نرساند مرا لبش چون نائے	ت ۱ ق ۲	مرا فتاد دل از کف ترا چہ افتادست نصیحت ہمہ عالم بگوش من بادست

میان او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ ۳ دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادست

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی ست ۴ اسیر بند تو از ہر دو عالم آزادست

اگرچہ مستی عشقم خراب کرد ولے ۵ اساس ہستی من زین خراب آبادست

دلا منال ز بیداد و جور یار کہ یار ۶ ترا نصیب ہمین کردہ است و این دادست

(۷) بر و فسانہ مخوان و فسوں مدم حافظ
کزین فسانہ و افسوں مرا بسے یادست (۷)

(۱) ترجمہ ۔ اے واعظ جا اپنا کام کر یہ شور کیسا ہے ۔ میرا تو دل ہاتھ سے گیا ہے تجھے کیا ہوا ہے ۔

ترا چہ فتادہ است ۔ افتاد مجازاً بمعنے مصیبت ۔ اتفاق ۔ حادثہ کے استعمال ہوتا ہے ۔

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

(۲) ترجمہ ۔ جب تک اس کے لب میرا مقصد پورا نہ کرینگے ۔ نے کی طرح تمام جہاں کی نصیحت میرے کان میں ہوا کی طرح ہے ۔

اس شعر کا مضمون پچھلے شعر کے سلسلہ میں ہے ۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں ۔ کہ جب تک معشوق کے لب مجھے اپنے مقصد پر نہ پہنچاویں یعنے جب تک مجھے بوسہ لب لعل نہ ملےگا اس وقت تک میں اسی خراب حالت میں رہونگا اور تمام جہاں کی نصیحت مجھ پر قطعاً کوئی اثر نہ کرے گی ظاہر ہے کہ نے کے پاس اگر کوئی نغمہ سرائی کرے تو وہ تمام آواز معمولی ہوا کی طرح نے کے اس سرے سے داخل ہو کر دوسرے سرے سے نکل جائے گی ۔ البتہ جب نے کے لب اپنے لب سے متصل کر کے کوئی آواز کی جاوے ۔ تو نتیجہ ظاہر مولانا روم فرماتے ہیں ۔

با لب دمساز خود گر جفتمے ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے

ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

(۳) ترجمہ اس کی کمر جس کو خدا نے نیستی سے پیدا کیا ہے۔ ایسا نکتہ ہے کہ کسی آدمی نے حل نہیں کیا۔

شاعر ہمیشہ معشوق کی کمر اور دہاں کو اتنا باریک اور تنگ بیان کرتے ہیں کہ ایسے وجود و عدم میں شک ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ معشوق کی کمر کو خدا نے نیستی سے پیدا کیا ہے گویا وہ ہے ہی نہیں یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ کچھ بھی اور نہیں بھی۔ منظہر جان جاناں نے دہن کی تنگی پر لکھا ہے۔

کارسازان ازل نیستی و ہستی را		باہم آمیختہ او را دہنے ساختہ اند	

غنی کشمیری نے ایک ہی شعر میں میان و دہاں کے عدم و وجود کا اس طرح فیصلہ کیا ہے

دیدم میانِ یار و ندیدم دہانِ یار		نتواں بہ ہیچ دید چو در دیدہ آفریدہ شد	

جرأت بیچارے کو تو یوں بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ کہتا ہے۔

سب کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے		کہاں کس طرف کو ہے کدھر ہے	

پہلے مصرع میں بھی الفاظ ہیچ اور آفریدہ موجود ہے انہی الفاظ کا دوسرے مصرع میں دوسرے معنوں میں استعمال ہونا خالی از لطف نہیں۔ صنعت تجنیس ہے۔

اگر میاں سے وہ تعلقات مراد لئے جائیں۔ جو عالم بالا کو عالم اسفل سے ہیں یا جو انسان کے قوائے روحانی کو قوائے حیوانی سے ہیں تو دوسرے معانی ظاہر۔

(۴) ترجمہ۔ تیرے کوچہ کا گدا آٹھ بہشتوں سے بے پرواہ ہے تیرا قیدی دونوں جہاں کی قیود سے آزاد ہے۔

عاشقانِ حق کا بہشت یہی ہے کہ وہ مشاہدہ ذات رب الارباب حاصل کریں ان کے لئے بے شک بہشت کچھ شے نہیں۔

آسایش ہمسائگی حق ز تو خواہد		او ہمہ دوزخ نکند باغ ارم را	(عرفی)

اسی طرح جو آدمی عشق الہی کے زنجیر میں اسیر ہو جائے وہ باقی تمام قیود سے آزاد ہوتا ہے۔ تعلقات ماسوائے الہ کو وہ قطع کر دیتا ہے۔ اور تمام افکار و آلام سے پاک ہو جاتا ہے۔

بند معشوق چوں بپیوست بہ پا		از ہمہ بندہا رہا بودن	رانوی

(۵) ترجمہ۔ اگرچہ عشق کی مستی نے مجھے خراب کر دیا ہے لیکن میری ہستی کی بنیاد اس خرابی سے محکم ہوگئی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ مستی عشق نے مجھے بظاہر خراب کر دیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ میری زندگی کی بنیاد اس خرابی سے آباد یعنی محکم ہوگئی ہے۔

دوسرے معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اگرچہ مستی عشق نے مجھے خراب کر دیا ہے۔ مگر چونکہ میری ہستی کی بنیاد ہی خراب آباد یعنے عالم اسفل پر ہے اس لئے اس کا خراب ہونا بھی بہتر۔

(۶) ترجمہ۔ اے دل معشوق کے جور سے نہ رو کیونکہ اس نے تیرے نصیب میں یہی کیا ہے۔ اور یہ انصاف ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تو ہجر یار میں بد دل نہ ہو تیری قسمت میں یہی تھا اور یہ انصاف اور حکمت پر مبنی ہے۔ محبوب کی رضا پر سر تسلیم خم کر۔

(۷) ترجمہ۔ اے حافظ جا قصے نہ سنا اور جادو نہ پھونک۔ کیونکہ یہ کہانیاں اور افسوں مجھے بہت یاد ہیں۔

خواجہ صاحب کا یہ شعر اکثر ایسے موقعوں پر جہاں کوئی کسی کو بہکاتے یا اپنی رائے پر لانا چاہے یا خواہ مخواہ کسی آدمی پر نصیحت گوئی کی مشق کرے۔ استعمال ہوتا ہے اور زبان زد شعروں میں سے ہے۔

غزل (۳)

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست	۱	مے بےخانہ بجوش آمد و می باید خواست
نوبت زہدفروشان گراں جان بگذشت	۲	وقت شادی و طرب کردن رنداں برخاست

چہ ملامت بود آن را کہ چو ما بادہ خورد	۳	این نہ عیب است بر عاشق رند و نہ خطاست
بادہ نوشی کہ درو هیچ ریائے نبود	۴	بہتر از زہد فروشی کہ درو روو ریاست
ما نہ مردان ریائیم و حریفان نفاق	۵	آنکہ او عالم سر است بدین حال گواہ است
فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نکنیم	۶	وآنچہ گویند روا نیست بگوئیم رواست
چہ بود گر من و تو چند قدح بادہ خوریم	۷	بادہ از خون رزان است نہ از خون شماست
این نہ عیب است کزین عیب خلل خواہد بود	۸	ور بود عیب چہ شد مردم بی عیب کجاست

(۹) حافظ از عشق خط و خال تو سرگردان است
ہمچو پرگار ولے نقطہ دل پا برجاست (۹)

اس غزل میں ایک حد تک تسلسل مضمون موجود ہے۔ خواجہ صاحب یہاں بھی زاہداں ریاکار اور رنداں بادہ خوار کا مقابلہ کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے مذہب میں ریا سب سے بڑا گناہ ہے۔

(۱) ترجمہ۔ رمضان گزر گیا۔ عید آئی۔ اور دل جوش میں آئے۔ شراب مے خانہ میں جوش میں آئی۔ مانگنی چاہئے۔

شعر کا مطلب صاف ہے۔ اس مضمون کو مختلف شعرا نے مختلف پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

(۱)	ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد		کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد	
(۲)	عید آمد و کارہا نکو خواہد کرد		ساقی مئے ناب در سبو خواہد کرد	(خیام)
(۳)	ماہ رمضان بادہ نخوردیم و گذشت		بارے شب عید از مہ شوال بود	(خیام)

ملا محمد سعید اشرف نے تو پورا رمضان کا مہینہ سہواً مے خانہ میں گزار دیا عید کے روز شاید معلوم ہوا کہ رمضان گزر گیا۔ ملا صاحب خواجہ صاحب سے بڑھ گئے۔

قرب یک ماہ بمے خانہ اقامت کردم		اتفاقاً رمضان بود نمے دانستم	

(۲) ترجمہ۔ ریاکار اور سخت جان زاہدوں کی باری گذر گئی۔ رندوں کی شادی اور

طرب کرنے کا وقت ہوتا ہے۔

گراں جاں ۔سخت جاں ۔سست ۔کاہل (برہان قاطع)

خواجہ صاحب یہاں زاہدوں کو زہد فروش کہتے ہیں ۔ کیونکہ ریاکار آدمی کا زہد اخلاص سے نہیں ہوتا وہ گویا اپنے زہد کا خدا سے نہیں بلکہ لوگوں سے اجر حاصل کرتا ہے ۔ زاہدوں کو گراں جان کہنے کے دو سبب ہوتے ہیں ایک ان کی کاہلی اور دوسرے اُن کی محبت دنیا کی وجہ سے سخت جانی ۔ظاہر ہے کہ ماہ رمضاں زاہداں ریاکار کی آمدنی کا مہینہ ہے ۔

(۳) ترجمہ ۔ اس آدمی کو کیا ملامت ہے جو ہماری طرح شراب پیے (کیونکہ) یہ عاشق رند کے لیئے نہ عیب ہے نہ خطا۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ عاشقان رند مشرب کے مذہب میں بادہ نوشی کوئی عیب نہیں۔

(۴) ترجمہ ۔ شراب پینا جس میں کہ کوئی ریا نہ ہو۔ اس زہد فروشی سے اچھا ہے جس میں ریا ہے ۔

اس شعر میں خواجہ صاحب نے صاف لفظوں میں زہد فروشی اور بادہ پرستی کا مقابلہ کیا ہے ۔ اور بتایا ہے ریاکاری سے بادہ نوشی اچھی ہے ۔ اسی مضمون کے لیئے دیکھو شعر الف ۱۲ و الف ۱۳ ۔

	تو فخر بایں کنی کہ من مے نخورم		صد کار کنی کہ مے غلام ست آں را		۷

(۵) ترجمہ ۔ ہم ریاکار نہیں اور نہ منافق ہیں خدا جو بھیدوں کا جاننے والا ہے اس حال پر گواہ ہے ۔

عالم سر ۔ بھیدوں کا جاننے والا ۔ عالم الغیب ۔ خدا ۔

(۶) ترجمہ ۔ خدا کا فرض ادا کرتے ہیں اور کسی سے بُرائی نہیں کرتے اور جس چیز کو کہتے ہیں کہ روا نہیں ہم کہتے ہیں روا ہے ۔ (یا نگوئیم روا ست ۔ ہم نہیں کہتے کہ روا ہے)۔
بالفاظ مولانا شبلی خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیم اعلےٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت

کی تصویر ہے۔ ان کا طرز عمل خود ان کی زبان سے یہ ہے۔

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن	کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

شعر ہذا میں بھی خواجہ صاحب نے اسی اخلاق کی تعلیم کی ہے اور تمام مذاہب کی تعلیم کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے۔ کہ آدمی کسی کے ساتھ برائی نہ کرے۔ کسی کا دل نہ دکھائے۔ دل آزاری سے بڑا گناہ کوئی نہیں۔ دیکھو شعر (ت ۳) و شعر (ت ۳۴)

شکست شیشہ یک دل چناں است	کہ چندیں کعبہ ویراں کردہ باشی

(۷) ترجمہ۔ کیا ہوا اگر میں اور تو چند پیالے شراب کے پی لیں۔ شراب انگور کی خون ہے تمہاری خون نہیں۔

اس شعر میں پھر خواجہ صاحب نے بادہ نوشی کا دوسرے گناہوں سے مقابلہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ کیا ہوا کہ ہم نے شراب پی وہ زیادہ سے زیادہ انگور کا لہو ہے آدمی کا لہو نہیں۔ وہ لوگ جن کی آمدنی میں مال حرام کا حصہ ہو۔ وہ گویا دوسرے انسانوں کا خون پیتے ہیں۔ جو پیسہ ایک غریب آدمی نے خون پانی ایک کرکے کمایا ہو۔ اگر دوسرا آدمی بغیر حق وہ پیسہ اس سے حاصل کرلے تو گویا اس آدمی نے اس غریب کا خون پیا۔ زاہداں ریاکار جو کسب معاش سے بے فکر ہوتے ہیں اور زہد فروشی کرکے سیم و زر اکٹھی کرتے ہیں وہ گویا انسانوں کا لہو پیتے ہیں۔ ع

سود بے سرمایہ ہے سرتا بہ پا انکی معاش۔

اور حرام کھاتے ہیں۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ انسانوں کے خون سے انگور کا خون برا نہیں۔

تو خون کساں خوری و ما خون رزاں	انصاف بدہ کدام خونخوار تریم۔ (خیام)

(۸) ترجمہ۔ یہ ایسا عیب نہیں۔ جس سے خلل واقع ہو۔ اور اگر عیب ہے تو کیا ہوا بے عیب آدمی کہاں ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اول تو شراب پینا کوئی ایسا عیب نہیں جس سے خلل واقع ہوگا۔ اور اگر ہے بھی تو بتا بے عیب کون ہے۔

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو		وآن کس کہ گناہ نکرد چوں زلیست بگو	✓

گو گویا زاہد بھی گناہ گار اور رند بھی گناہ گار مگر ع

کہاں وہ بُرائی کہاں یہ بُرائی

(۹) ترجمہ۔ حافظ تیرے خط و خال کے عشق میں سرگرداں ہے۔ مانند پرکار کے لیکن دل کا نقطہ ایک جگہ قائم ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگرچہ ہم تیرے خط و خال کے عشق میں سرگردان ہو گئے مگر ہمارا دل اپنے مرکز پر قائم ہے۔ یعنی ہم تعلقات دنیا سے سرگردان ہونے کے باوجود اپنے ایمان پر قائم ہیں۔

ہمچو پرکاریم یک پا در شریعت مستقیم		پاے دیگر سیر ہفتاد و دو ملت میکنیم	

غزل (۴)

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست	۱	سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست
سرم بدنیا و عقبے فرو نمے آید	۲	تبارک اللہ ازین فتنہا کہ در سر ماست
در اندرون من خستہ دل ندانم کیست	۳	کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست
دلم ز پردہ بروں شد کجای اے مطرب	۴	بنال ہاں کہ ازیں پردہ کار ما بنواست
مرا بکار جہاں ہرگز التفات نبود	۵	رخ تو در نظر من چنین خوشش آراست
نخفتہ ام بخیالے کہ مے پزم شب ہا	۶	خمار صد شبہ دارم شراب خانہ کجاست
چنین کہ صومعہ آلودہ شد ز خون دلم	۷	گرم بہ بادہ بشوئید حق بدست شماست
ازان بدیر مغانم عزیز مے دارند	۸	کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دل ماست
چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق	۹	کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پر ز صداست

خمارِ عشق تو دوشب در اندر رنم بود (۱۰) کجاست وقت عبادت چہ وقت جائے دعاست

(۱۱) بذلہ عشق تو دو چشم در اندر ون دادند
فضلک سینہ حافظ ہنوز پر ز صداست (۱۱)

(۱) ترجمہ ۔ جب تو اہل دل کی بات سنے تو یہ نہ کہو کہ غلط ہے ۔ اے دلبر تو سخن فہم نہیں غلطی اس میں ہے ۔

سخن ۔ یہ لفظ تین طرح پڑھا جاسکتا ہے ۔ (۱) سُخُن (۲) سَخَن (۳) سُخْن شعر کا مطلب صاف ہے ۔ دوسرا مصرع بطور مثل عام استعمال ہوتا ہے ۔

(۲) ترجمہ ۔ میرا سر دنیا اور عقبےٰ کے لئے نہیں جھکتا ان فتنوں کی وجہ سے جو میرے سر میں ہیں برکت اللہ کو ہے ۔

تبارک اللہ ۔ بابرکت ہے خداوند تعالےٰ ۔ تعجب اور مدح کے مقام پر بولا جاتا ہے سبحان اللہ بھی ایسے موقعوں پر کہتے ہیں ۔

اس شعر میں فتنہا سے مراد وہ خیالات ہیں جو عاشق کے دماغ میں ہوتے ہیں ۔ اور جن کی وجہ سے عاشق سوائے اپنے محبوب کے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا دنیا اور عقبےٰ کو ہیچ سمجھتا ہے ۔ نیز دیکھو شعر ت ۴ ۔

(۳) ترجمہ ۔ مجھ خستہ دل کے اندر میں نہیں جانتا کون ہے کہ میں چپ ہوں اور وہ شور و فغان میں ہے ۔

عاشقان الٰہی گرچہ بظاہر چپ ہوتے ہیں ۔ مگر انکے دل میں اسقدر شور و غوغا ہوتا ہے کہ الامان ۔ حتے المقدور عاشق اس کو ضبط رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ مگر جب تاب ضبط نہیں رہتی ۔ تو پھر زبان پر بھی وہ نالہ و فریاد آنے لگ جاتے ہیں ۔ ایسے ہی موقعہ پر خواجہ صاحب نے کہا ہے ۔ ع ۔

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا

(۴) ترجمہ ۔ میرا دل پردہ سے باہر ہوگیا اے مطرب تو کہاں ہے ۔ ہاں نغمسرائی کر کہ

اس پردہ سے میرا کام اچھا رہتا ہے۔

پردہ (۱) حجاب (۲) دستہ طنبور و ستار پر رووہ۔ برنج و نقرہ کی تار جو لگائی جاتی ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے بمعنے آہنگ و مقامات موسیقی۔

نوا۔ بفتح۔ (۱) مطلق بمعنے آواز (۲) بارہ مقامات موسیقی سے ایک مقام کا نام (۳) سامان اسباب۔

اس شعر کے دو طرح معنے ہو سکتے ہیں۔ (۱) میرا دل حجاب سے باہر ہو رہا یعنی اب اخفائے راز کی طاقت نہیں رہی ہاں اے مطرب نغمہ سرائی کر کہ اس حجاب سے ہمارا کام درست رہتا ہے۔ دیکھو شعر الف ۴ (۲) میرا دل بے آہنگ ہو رہا ہے۔ یعنی تال اور سر چھوڑ چکا ہے۔ اے مطرب نغمہ سرائی کر کہ ہمارے دل کے موازنہ کے قائم رہنے سے ہمارا کام اچھا رہتا ہے۔ لفظ پردہ کے دو مختلف معنوں کو علی الترتیب استعمال کرنے سے مختلف معنی نکل سکتے ہیں مطلب قریباً ایک ہے پردہ کا لفظ مطرب کی رعایت سے خالی از لطف نہیں

(۵) ترجمہ۔ مجھے جہاں کے کاموں سے بالکل دلبستگی نہ تھی تیرے چہرے نے اس کو میری نظر میں خوش نما بنا دیا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خود دنیا سے چندان التفات نہ تھا مگر تیرے رخ روشن نے دنیا کو بھی میری نظروں میں آراستہ کر کے دکھایا۔ جس سے دنیا کی طرف بھی میری توجہ ہو گئی۔ فلسفہ تصوف میں دنیا خداوند کریم کے جمال کا مظہر ہے مولف نے کہا ہے

وَلی بنظرِ تعمق بذرہ بنگر		کہ ہست مظہرِ انوارِ آفتاب جلال	

شیخ فخرالدین عراقی قدس سرہٗ فرماتے ہیں "غیرت معشوق آن اقتضا کرد کہ عاشق غیراو را دوست ندارد و بغیر او محتاج نشود۔ لاجرم خود را عین ہمہ اشیا کرد تا ہر چہ را کہ دوست دارد یا بہر چہ محتاج شود۔ او بود۔

غیرتش غیر در جہان نگذاشت		لاجرم عین جملہ اشیا شد"	

(۶) ترجمہ۔ اس خیال سے جس میں میں مستغرق ہوں میں کئی رات نہیں سویا صد ہا راتوں کا مجھے خمار ہے، شراب خانہ کہاں ہے۔

شبہ (۱) داہماہے آبگینہ مطلق بمعنے آبگینہ شیشہ جس میں شراب رکھی جاتی ہے۔ (غیاث اللغات)۔ (۲) شب یعنے رات۔

خیال مے پزم ۔ خیال پختن سے بمعنے طمع و توقع رکھنا خیال میں مستغرق رہنا

خمار ۔ (۱) اعضاشکنی اور درد سر جو نشہ شراب کے زائل ہونے کے بعد ہوتے ہیں (۲) بقیہ مستی جو سر میں رہتی ہے۔

اس شعر کے بھی دو طرح معنے ہو سکتے ہیں گو پہلے معنے اصح ہیں اور اس شعر کا شعر مابعد سے جو تعلق ہے وہ انہیں معنوں سے ہو سکتا ہے۔

(۱) خیال محبوب میں یا امید وصال محبوب میں میں کئی راتیں نہیں سویا اور ان تمام راتوں کا خمار مجھ میں موجود ہے۔ شراب خانہ کہاں ہے کہ میں شراب پیوں اور اس خمار کی تکلیف سے رہائی پاؤں۔ ناظرین خواجہ صاحب کے خمار اور نشہ کے معانی سے اب خوب واقف ہو گئے ہونگے۔

(۲) خیال محبوب میں میں کئی راتیں نہیں سویا۔ اور اس خیال میں مستغرق ہونے کی وجہ سے میرے اندر صدہا آبگینوں کا نشہ موجود ہے۔ شراب خانہ کیا شے ہے اسی مضمون پر مرزا بیدل کا شعر ہے۔

	بخیال چشم کہ مے زند قدح جنوں دل تنگ ما کہ ہزار میکدہ مے دود بہ رکاب گردش رنگ ما	

(۷) ترجمہ ۔ یہاں تک کہ معبد بھی میرے خون دل سے آلودہ ہو گیا اگر تم مجھے شراب سے دھو تو حق بجانب ہو گے

یہ شعر پہلے شعر سے قطعہ بند ہے ۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس خمار صد شبہ کی وجہ سے مجھے اتنا صدمہ ہوا۔ کہ صومعہ بھی میرے خون دل سے آلودہ ہو گیا اس لیے آپ اگر مجھے شراب سے دھو دیں تو آپ حق بجانب ہو نگے۔

(۸) ترجمہ ۔ اس لئے مجھے دیر مغان میں عزیز جانتے ہیں کہ میرے دل میں ایسی آگ ہے جو کبھی نہیں بجھتی۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ دیر مغان والے مجھے اس واسطے عزیز رکھتے ہیں کہ میرے دل میں ایک ایسی آگ ہے - جو کبھی نہیں بجھتی - دیر مغان یعنی آتش پرستوں کے معبد میں ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے اور وہ صدیوں سے اسی طرح جل رہی ہے درمیان میں کبھی نہیں بجھی - خواجہ صاحب کے دل میں آتش عشق ہمیشہ شعلہ زن رہتی ہے اس لئے آتش پرست انکو بھی اپنا ہم مشرب سمجھتے ہیں -

اس شعر سے ناظرین پر روشن ہوجائیگا کہ خواجہ صاحب کن معنوں میں دیر مغاں سے تعلق رکھتے ہیں - اسی طرح گذشتہ دو شعروں سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ خواجہ صاحب کا خمار اور نشہ کیا ہے -

(۹) ترجمہ :- وہ کیا ساز تھا جو مطرب عشاق نے بجایا کہ مدتیں گزر گئیں اور ابھی میرے دماغ میں گونج ہے -

خواجہ صاحب نے یہاں پھر صبح میثاق کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ آواز جسکی گونج اب تک حافظ صاحب کے کانوں میں ہے - الست بربکم ہے - مقطع میں بھی یہی مضمون ہے -

	الست از ازل ہمچنانش بگوش		بفریاد قالو بلی در خروش	

(۱۰) ترجمہ - تیرے عشق کا خمار کل رات میرے اندر تھا وقت عبادت کہاں ؛ اور دعا کا کیا موقعہ -

یہاں خمار بمعنی نشہ آیا ہے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کل رات تیرے عشق کا نشہ ابھی میرے دل میں موجود تھا - اس لیئے عبادت کا کیا موقعہ تھا اس شعر میں ارشاد ربانی لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ کی طرف اشارہ ہے آدمی پر جب تک نشہ کی حالت طاری ہو نماز جائز نہیں - خواجہ صاحب بھی عشق الہی میں بیخود تھے - عبادت کا کس کو فکر تھا -

(۱۱) ترجمہ - تیرے عشق کی ندا کل میرے دل کو دی گئی - حافظ کے سینہ کا میدان تاحال اس آواز سے بھرا ہے -

اس شعر میں بھی دوش سے مراد صبح الست ہے۔ مطلب وہی ہے جو شعر نمبر (۹) کا ہے۔ خالق و مخلوق کے درمیان سلسلہ عشق کا آغاز روز میثاق سے ہے۔ جب خداوند کریم نے ارواح سے پوچھا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔

خواجہ صاحب نے یہاں لفظ دوش استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ شعر (۹) میں لکھا جا چکا ہے وہ آواز چونکہ اب تک عاشق کے کانوں میں گونج رہی ہے اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ روز الست ابھی کل گذرا ہے۔

نفحات الانس میں ہے کہ علی سہیل اصفہانی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو روز بلیٰ یاد ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ کیوں نہ ہو۔ ابھی کل کی بات ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری نے فرمایا کہ یہ جواب بھی ناقص ہے۔ صوفی کے لئے کل اور آج کیا شے ہے۔ روز الست کی تو ابھی رات آئی ہی نہیں۔ وہی روز جا رہا ہے۔

نیز دیکھو شعر ت ب ۱ ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

الست از ازل ہمچناں شان بگوش	بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

غزل (۵)

روضۂ خلد بریں خلوت درویشان ست	۱	مایۂ محتشمی خدمت درویشان است
گنج عزلت کہ طلسمات عجائب دارد	۲	فتح آن در نظر رحمت درویشان است
قصر فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت	۳	منظرے از چمن نزہت درویشان است
آن چہ زر مے شود از پرتو آن قلب سیاہ	۴	کیمیائے ست کہ در صحبت درویشان است
وآنکہ پیشش بنہد تاج تکبر خورشید	۵	کبریائیست کہ در حشمت درویشان است
دولتے را کہ نباشد غم از آسیب زوال	۶	بے تکلف بشنو دولت درویشان است

خسروان قبلہ حاجات جہان اند ولے	۷	از ازل تا بہ ابد فرصت درویشان است
روئے مقصود کہ شاہان جہان مے طلبند	۸	مظہرش آئینہ طلعت درویشان است
اے توانگر مفروش این ہمہ نخوت کہ ترا	۹	سر و زر در کنف ہمت درویشان است
گنج قارون کہ فرو مے رود از قہر ہنوز	۱۰	خواندہ باشی تو کہ از غیرت درویشان است
بندۂ آصف عہدم کہ در سلطنتش	۱۱	صورت خواجگی و سیرت درویشان است

(۱۲) حافظ اینجا بادب باش کہ سلطان و ملک
ہمہ در بندگی حضرت درویشان است (۱۲)

اس غزل میں مضمون مسلسل ہے۔ اور تمام غزل درویشوں کی برکت وعظمت پر لکھی گئی ہے۔ محض عاشقانہ یا شاعرانہ مبالغہ نہیں صرف امر واقع کا اظہار ہے۔ اس غزل کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خواجہ صاحب کو درلشیوں سے کس قدر عقیدت تھی۔ اور وہ خود کس مشرب کے آدمی تھے۔ خواجہ صاحب کے تمام کلام کا ماحصل یہ ہے کہ وہ زاہدان ریاکار کو نہایت نفرت سے دیکھتے تھے اور بزرگاں با اخلاص کی نہایت سچے دل سے عزت کرتے تھے۔ لفظ درویش کی تحقیق لغوی شعر الف ۳/۲ میں آچکی ہے اصطلاحاً ان بزرگان صاحب معرفت اور خدارسیدگان باکرامت کو کہتے ہیں۔ جو دنیاوی جاہ وحشم کو حقیر سمجھتے ہوں۔

(۱) ترجمہ۔ درویشوں کی خلوت بہشت کا باغ ہے اور ان کی خدمت کرنا جاہ وحشمت کا سرمایہ ہے۔

خلد۔ بقاے دائم۔ ہمیشگی۔ نام بہشت۔ **خلوت** بالفتح نہ بالکسر تنہائی مکان کا خالی ہونا غیر سے۔ باصطلاح صوفیاں اڑھائی روز جو وہ گوشہ میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں۔

درلشیوں کا گوشہ عزلت فی الواقع بہشت ہے۔ کیونکہ اس کے ساکنوں کو اطمینان قلب حاصل ہے

(۲) ترجمہ ۔ گوشہ تنہائی جس میں عجیب طلسمات ہیں اس کو کھولنا درویشوں کی نظر ہمت کا کام ہے ۔

طلسمات ۔ جمع طلسم ۔ موہوم خیالات جو عجیب شکلوں میں نظر آتے ہیں ۔ وہ ہیبت شکلیں جو خزانوں کے منہ پر بنائی جاتی ہیں ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ گوشہ تنہائی میں عجیب قسم کے طلسمات اور راز ہیں جن کی ماہیت کو جاننا اور ان سے فائدہ اٹھانا درویشوں کی نظر ہمت کا کام ہے

(۳) ترجمہ ۔ قصر فردوس جسکا دربان رضوان ہے وہ درویشوں کی پاکیزگی اور خوشحالی کے باغ کا ایک نظارہ ہے ۔

فردوس ۔ نام ایک بہشت کا ۔ بعضوں کے نزدیک بہشت کے سب سے اعلےٰ طبقہ کا نام ہے ۔ اس باغ کو بھی کہتے ہیں جس میں ہر ایک ایسی شے موجود ہو جو دوسرے باغوں میں ہو ۔ برہان قاطع میں لکھا ہے کہ باغ انگور کو کہتے ہیں ۔

رضوان ۔ فرشتہ موکل بہشت ۔

(۴) ترجمہ ۔ وہ چیز جسکی چمک سے سیاہ دل بھی روشن ہو جائے ۔ کیمیا ہے ۔ جو درویشوں کی صحبت میں ہے ۔

قلب ۔ بالفتح ۔ (۱) واژگوں ۔ الٹا ۔ (۲) دل ۔ دل کو قلب اسواسطے کہتے ہیں کہ وہ سینہ میں الٹا لٹکا ہوا ہے ۔ (۳) غیر خالص چاندی اور سونا ۔

کیمیا ۔ وہ ترکیب جس سے اجساد ناقصہ کو کمال کے درجہ پر پہنچایا جاتا ہے جس ترکیب سے رانگ اور تانبے کو چاندی سونا بنایا جاتا ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ درویشوں کی صحبت سے سیاہ دل آدمی بھی فیض حاصل کر لیتا ہے ۔ جسطرح کیمیا سے ناقص دھاتیں سونا چاندی بن جاتی ہیں لفظ قلب یہاں دو نو معنے دے رہا ہے ۔ انتخاب الفاظ بہت اچھا ہے

سگ اصحاب کہف روزے چند		پئے نیکاں گرفت و مردم شد	

(۵) ترجمہ ۔ وہ چیز جسکے سامنے سورج اپنا تاج تکبر اتار دیتا ہے عظمت سے

جو درویشوں کی حشمت میں ہے۔
یعنی درویشوں کی حشمت کی کبریائی اتنی ہے کہ سورج بھی اپنے تاج تکبر کو اسکے آگے اتار کر رکھتا ہے۔
(۶) ترجمہ۔ وہ دولت جسکو زوال کے نقصان کا غم نہ ہوبے تنک سن لوکہ وہ درویشوں کی دولت ہے۔
درویشوں کی دولت کو زوال نہیں۔ کیونکہ زوال صرف دولت دنیا کو ہے۔ دولت دین کو زوال نہیں۔ ابدالاباد تک وہ ترقی پر ہے۔
(۷) ترجمہ۔ بادشاہ جہان کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں مگر ازل سے ابد تک سچا آرام صرف درویشوں کو ملا ہے۔
فرصت۔ نوبت کسی چیز کی۔ آرام پانا۔ مہلت دینا۔ موافقت روزگار
مطلب یہ ہے۔ کہ گرچہ بادشاہ اہل جہاں کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں اور ان کی داد و فریاد کی جگہ ہیں۔ مگر ازل سے لے کر ابد تک آرام اور موافقت روزگار صرف درویشوں کو حاصل ہوا ہے۔ بادشاہوں کو نہیں ؛
(۸) ترجمہ۔ مقصود کا منہ جو جہاں کے بادشاہ طلب کرتے ہیں اس کے ظاہر ہونے کی جگہ درویشوں کا آئینہ رو ہے۔
طلعت۔ دیدار منہ دیکھنا۔
خواجہ حافظ فرماتے ہیں کہ مقصود کا منہ دیکھنے کے لئے دنیا کے بادشاہ جدوجہد کرتے ہیں۔ اور اقبال و نصرت کے مدعا اور مطلوب کے لئے وہ ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں مگر فی الحقیقت شاہد مقصود کے ظاہر ہونے کی جگہ درویشوں کا آئینہ رو ہے یعنے تمام سعادت اور اقبالمندی درویشوں کے حصے میں ہے اور بادشاہون کو بھی اگر مل سکتی ہے تو وہاں سے ہی۔
(۹) ترجمہ۔ اے امیر اتنا غرور نہ کر کہ تیری امیری درویشوں کی دعا کے ہاتھ میں ہے۔

اس شعر میں خواجہ صاحب نے خداوندان نعمت کو نصیحت کی ہے۔ کہ اتنے مغرور نہ ہو اور نخوت ظاہر نہ کرو کیونکہ تمہاری سرداری درویشوں کے ہاتھ میں ہے۔ جن کو تم حقیر سمجھتے ہو۔ تم اس عارضی اور ناپایدار دولت پر کبر نہ کرو۔ کیونکہ اصلی دولت تمہارے ہاتھ میں نہیں بلکہ درویشوں کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۰) ترجمہ۔ قارون کا خزانہ کہ اب تک قہر الٰہی سے نیچے جا رہا ہے۔ تو نے پڑھا ہوگا کہ یہ درویشوں کی غیرت کا نتیجہ ہے۔

گذشتہ شعر میں خواجہ صاحب نے جو نصیحت فرمائی ہے اسکی تائید میں اس شعر میں ایک قرآنی قصہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ دونو شعر قطعہ بند ہیں قارون کا قصہ سورہ القصص میں آیا ہے۔

"اِن قارون کان من قوم موسیٰ" قارون موسےٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔ ثعلبی نے کہا ہے کہ حضرت موسےٰ ؑ کا چچازاد تھا۔ قارون کا باپ یصہر بن قاہش اور حضرت موسےٰ ؑ کے والد عمران بن قاہش تھے۔ قارون پہلے غریب تھا اور اس حالت میں بہت متواضع اور متخلق تھا۔ امیر ہو کر اسکا حال دگرگوں ہوگیا۔ "فبغی علیھم" چاہا کہ قوم موسےٰ ؑ پر حکمران ہو جائے۔ وَاٰتَیْنٰہُ مِنَ الْکُنُوْز خدا تعالےٰ نے اس کو مال فراواں دیا اور اسکے خزانے کی چابیاں ساٹھ اونٹ اٹھاتے تھے۔ "واذ قال لہ لا تفرح" اور جب اسکی قوم نے اسکو مغرور اور متکبر ہوتے ہوئے دیکھکر اسکو کہا اس کو کہ اس مال پر غرور نہ کر اور خدا کے بندوں کے ساتھ نیکی کر اس نے از راہ کبر جواب دیا کہ مجھے خدا نے دولت اس واسطے دی کہ میں دانشمند ہوں۔ اور خدا کی مہربانیوں کا شکرگزار نہ ہوا اور روز بروز اسکی نخوت بڑہتی گئی۔ اور حضرت موسےٰ ؑ کے درپئے آزار ہوا۔ آخرکار جب زکوٰۃ کا حکم آیا۔ تو حضرت موسےٰ ؑ نے اسے زکوٰۃ کے لئے کہا کہ ایک ہزار دینار سے ایک دینار خدا کی راہ میں دو۔ اس نے حساب کیا۔ تو بہت بھاری رقم بنتی تھی۔ حیلہ و حجت ڈھونڈھنے لگا۔ اور حضرت موسےٰ ؑ کو رسوا کرنے کی تجاویز سوچنے لگا۔ کہ لوگ اسکے احکام کی پروا نہ کریں ایک بدکار عورت بنام سبزا کو روپیہ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سر اجلاس کہ دے کہ

موسےؑ نے میرے ساتھ زنا کیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر وہ عورت آخر پشیمان ہوئی۔ قارون باز نہ آیا اور حضرت موسےؑ کو اسی طرح اذیتیں دیتا رہا جسکی سزا میں "فخسفنا بہ وبداره الارض" خدا تعالےٰ نے اسکو معہ اپنے خزائن کے زمین میں گاڑدیا اور صاحب لباب لکھتا ہے۔ کہ ہر روز قارون ملعون مطعون اپنے قد کے برابر اپنے مال اور مکان کے سمیت زمین کے نیچے گڑتا چلاجاتا ہے۔ اور نفخ صور تک وہ ارض اسفلی تک پہنچ جاویگا۔

اس شعر میں درویش سے حضرت موسےٰ علیہ السلام مراد ہے۔

پہلے مصرع میں مروجہ نسخوں میں لفظ قعر لکھا ہے۔ مگر یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ قہر چاہیئے مولانا مولوی سید حسین الواعظ کاشفی نے اپنی تفسیر میں قصہ ہذا کے ضمن میں جہاں خواجہ صاحب کا یہ شعر درج کیا ہے۔ انہوں نے لفظ قہر لکھا ہے۔

(۱۱) ترجمہ۔ ہم اس آصف وقت کے غلام ہیں کہ سلطنت کی حالت میں اسکی صورت امیرانہ ہے اور سیر درویشانہ۔

آصف ۔ بفتح صاد۔ نام وزیر سلیمان علیہ السلام آصف عہد یعنے خواجہ صاحب کے زمانے میں جو بادشاہ کا وزیر تھا۔ چونکہ خواجہ صاحب نے اپنی عمر میں متعدد بادشاہ شیراز حکمران دیکھے اسلئے یقیناً معلوم نہیں ہوسکا کہ کس بادشاہ کے کس وزیر کی طرف اشارہ ہے مگر غالب یہ ہے۔ کہ یہاں بھی انکا ممدوح وہی وزیر ہے۔ جس کی مدح میں خواجہ حافظ نے شعر د ۱۱ لکھا ہے۔

(۱۲) **ترجمہ** ۔ اے حافظ باادب رہ کہ سلطنت و بادشاہ و تمام درویشوں کی درگاہ کے غلام ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ درویشوں کی درگاہ میں بادشاہ بھی غلام ہیں۔ تو کیا تو بے ادب گفتگو کر۔ شعرا عموماً جب بزرگوں کی مدح کرتے ہیں۔ تو اپنی مدح سرائی میں بھی وہ لحاظ آداب کرتے ہیں۔ عرفی نے ایک نعتیہ قصیدہ کو اسطرح ختم کیا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ! قدم رلب تیغ است

غزل (۶)

مطلب طاعت و پیمان درست از من مست	۱	کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روز الست
من ہمان دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق	۲	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست
مے بدہ تا دہمت آگہی از سر قضا	۳	کہ بروے کہ شدم عاشق و بر بوئے کہ مست
کمر کوہ کم است از کمر مور اینجا	۴	ناامید از در رحمت مشو اے بادہ پرست
جان فدائے دہنت باد کہ در باغ نظر	۵	چمن آرائے جہان خوشتر ازین غنچہ نبست
بجز آن نرگس مستانہ کہ چشمش مرساد	۶	زیر این طارم فیروزہ کسے خوش ننشست

(۷) حافظ از دولت عشق تو سلیمانی یافت
یعنی از وصل تواش نیست بجز باد بدست (۷)

(۱) ترجمہ ۔ مجھ مست سے بندگی اور وعدہ کی درستی نہ ڈھونڈو ۔ کیونکہ میں روز الست سے مے خوار مشہور ہوں ۔

روز الست سے مراد روز میثاق ۔ جب خدا تعالے نے روحوں سے وعدہ بندگی لیا تشریح شعر الف ۱/۱ میں آچکی ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ میں تو اسی روز سے مست مشہور ہوں ۔ مستوں سے بندگی اور ایفائے عہد کی طلب چہ معنے دارد ۔ وہ تو شرعاً بھی معذور ہیں ۔ انسان ظالم اور جاہل روز اول سے ہی مشہور ہے پھر اس سے کیا توقع ! پیمان اطاعت تو بیشک تھا مگر پیمانۂ عشق اس پر غالب آگیا ۔

یک عمرے داشتم پیمان و تقوے	برابر باد یک پیمانہ کردی

استعمال لفظ پیمان و پیمانہ ظاہر۔

(۲) ترجمہ۔ میں نے جب چشمۂ عشق سے وضو کیا اسی وقت ہر شے کو یکدم ترک کر دیا۔

چار تکبیر۔ کسی چیز کو ترک کرنا۔ اصل میں چار تکبیر سے مراد نماز جنازہ ہے یعنی جس چیز کی نماز جنازہ پڑھی گئی وہ گئی۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے تیرے چشمہ عشق سے وضو کیا۔ تو دنیا ومافیہا پر نماز جنازہ پڑھ دی یعنی سب کو ترک کر دیا اس شعر میں بھی ہماندم سے مراد روز میثاق ہے کیونکہ یہ وعدہ انسانوں سے خدا نے اسی واسطے لیا تھا کہ وہ پھر یہ نہ کہیں کہ "انما اشرک آباؤنا من قبلُ" اور خداوند تعالی کی توحید پر کامل یقین رکھیں۔

(۳) ترجمہ۔ شراب دے تا تجھے راز قضا سے واقف کروں کہ میں کس کے رخ پر عاشق ہوا اور کسی کی خوشبو پرست۔

عاشق سے راز کی آگہی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسے بے خود کیا جائے۔

(۴) ترجمہ۔ پہاڑ کی کمر چیونٹی کی کمر سے یہاں کمزور ہے اے میخوار اسکی رحمت کے دروازہ سے ناامید نہ ہو۔

عاشقان خدا کو چونکہ اسکی رحمت پر بھروسا ہے اس لئے باوجود انسانی کمزوریوں کے انکے دل کو بڑی تقویت ہے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

ہے پور زال سے دل اسکا قوی زیادہ	رکھتی ہے آسرا ایمان جو پیرزال تیرا

(۵) ترجمہ۔ میری جان تیرے دہن پر قربان ہو کہ باغ نظر میں جہان کے چمن نے کوئی غنچہ اس سے اچھا نہیں بنایا۔

غنچہ۔ گل ناشگفتہ۔ دراصل یہ لفظ گنجہ ہے۔ مصدر گنجیدن سے۔ کیونکہ اسکی ذات میں گنجیدگی پائی جاتی ہے۔ بہت سی پتیاں باہم گنجان اور مجتمع ہوتی ہیں فصاحت کے لئے گنجہ سے گنچہ اور پھر غنچہ بنا لیا گیا۔ غنجہ بھی کہتے ہیں۔ معشوق کے دہن کو بوجہ نزاکت

وخوبی و تنگی کے غنچہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لفظ بست بر عایت تنگی غنچہ وغیرہ۔ **باغ نظر** یعنے عالم ۔ اور چمن آرا سے یعنے خداوند تعالےٰ

(۶) ترجمہ ۔ اس چشم مست کے سوا کہ چشم بد اس سے دور ہو اس نیلگوں آسمان کے نیچے کوئی خوش نہ بیٹھا۔

یعنی مس مست آنکھ کے سوا کہ چشم بد دور اس نیلگوں چرخ کے نیچے کوئی خوش ہو کر نہیں بیٹھا۔ یا یہ کہ معشوق کی آنکھ کے برابر کوئی چیز خوش نشین نہیں یعنے موزوں اور خوبصورت نہیں۔

(۷) ترجمہ ۔ حافظ تیرے عشق کی دولت سے سلیمان ہوگیا۔ یعنی طلب وصل سے اس کے ہاتھ میں سوائے ہوا کے کچھ نہ آیا۔

بہت خوب ۔ خواجہ صاحب معشوق سے بھی نوک جھوک کر گئے۔ فرماتے ہیں کہ تیرے عشق میں میں بھی سلیمان ہوگیا۔ کیونکہ تیرے وصال کی آرزو میں میرے ہاتھ بھی ہوا آئی۔ (یعنی وصال نہ ہوا) حضرت سلیمان علیہ السلام کی زیر فرمان ہوا بھی تھی۔ مولانا شبلی مرحوم کی ٹانگ میں جب گولی لگی اور وہ لنگڑے ہو گئے تو انہوں نے بھی تیمور ہونے کا دعوے کیا تھا۔

غزل (۷)

سر ارادت ما و آستان حضرت دوست	۱	کہ ہر چہ بر سر ما میرود ارادت اوست
نظیر دوست ندیدم اگرچہ از مہ و مہر	۲	نہادم آئینہ ہا در مقابل رخ دوست
نثار روے تو ہر برگ گل کہ در چمن است	۳	فدائے قد تو ہر سرو بن کہ بر لب جوست
مگر تو شانہ زدی زلف عنبر افشان را	۴	کہ باد غالیہ سا گشت و خاک عنبر بوست
رخ تو در نظر آمد مراد خواہم یافت	۵	چرا کہ حال نکو در قفائے فال نکوست

صبا ز حال دل تنگ ما چه شرح دهد	۶	که چون شکنج ورقهای غنچه توبرتوست
نه من سبوکش این دیر رندسوزم و بس	۷	بسا سرا که درین آستانه سنگ و سبوست
زبان ناطقه در وصف حسن ادلال است	۸	چه جای کلک بریده زبان بیهده گوست

(۹) نه این زمان دل حافظ در آتش طلبست
که داغدار ازل همچو لاله خودروست (۹)

(۱) ترجمہ۔ ہمارا سر تسلیم دوست کی درگاہ کی آستان پر ہے جو کچھ ہمارے سر پر گذرے وہ اسکا ارادہ سے ہے۔

ارادت ۔ مرید بننا کسی کے ارادہ پر سر تسلیم خم کرنا۔ **ارادت** ارادہ کرنا
اس شعر میں بھی تسلیم و رضا کی تلقین ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محبوب کی رضا پر ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ ع۔

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

(۲) ترجمہ۔ دوست کی نظیر نہ دیکھی گرچہ چاند اور سورج سے دوست کے رخ کے مقابل میں نے آئینے رکھے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک تمام کائنات گویا ذات رب الارباب کا عکس ہے اور چاند سورج ستارے وغیرہ سب اسکی نور کی شعاعیں ہیں۔ کائنات کا مثال وہ اس طرح دیتے ہیں کہ اگر آفتاب کے سامنے آئینہ رکھا جائے تو عکس جو آئینہ میں پڑے گا وہ کوئی علیحدہ وجود نہیں۔ بلکہ صرف عکس ہے۔ اسی طرح تمام کائنات خدا تعالے کی ذات اور وجود کا عکس ہے۔

ہر نقش کہ بر تختہ ہستی پیدا است	این صورت آنکس است کان نقش آراست

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ آئینہ مہر و ماہ میں تجلیات ذات باری موجود ہیں اور عکس ذات رب العزت کائنات کی صورت میں پیدا ہے۔ تاہم اسکی نظیر موجود نہیں یہ سب عکس ہے۔ گویا مشاہدہ عین ذات حاصل نہ ہوا۔ صرف مرآت کے ذریعے عکس دیکھے

مگر وہ اسکی نظیر نہ تھے ۔

(۳) ترجمہ ۔ تیرے رخسار پر باغ میں ہر ایک پھول کا پتہ قربان ہے اور تیرے قد پر باغ کا سرو جو نہر کے کنارہ پر ہے فدا ہے ۔

سروبن ۔ سرو باغ یا سرو جو کنارہ باغ یا کنارہ جو پر ہو ۔ بن بمعنی درخت بھی ہوتا ہے ۔

(۴) ترجمہ ۔ شائد تو نے زلف عنبریں کو کنگھی کی ہے کہ ہوا بھی معطر اور خاک بھی خوشبودار ہو گئی ۔

عنبر ۔ تحقیق شعر الف ۴۳ میں گزر چکی ہے ۔ **غالیہ** ۔ مشہور خوشبو ہے ۔ جو مشک عنبر ۔ کافور و دہن البان وغیرہ سے بنتی ہے ۔

یعنی تمام دنیا کی ہوا اور خاک میں جس قدر خوشبو ہے وہ زلف یار کی خوشبو سے ہے معنی ظاہر و حقیقی ظاہر ۔

(۵) ترجمہ ۔ تیرا رخ جب مجھے نظر آیا اب میں مراد حاصل کر لونگا کیونکہ نیک فال کے بعد ہمیشہ خوشحالی ہوتی ہے ۔

مشہور ہی ۔ کہ اگر کوئی آدمی کسی کام یا مہم پر جارہا ہو اور اسکو سامنے سے کوئی اچھی اور بامین چیز نظر آئے تو یہ فال نیک ہوتا ہے اور وہ آدمی جس مقصد کی تلاش میں جارہا ہو وہ اسے حاصل ہو جاتا ہے ۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے تیرا چہرہ دیکھ لیا اب امید ہے کہ میں خوشحال رہونگا ۔

پیشانی او خجستہ فال ست			دیباچہ مصحف جمال ست	(حسن)

(۶) ترجمہ ۔ صبا ہمارے دل تنگ کے حال کی کیا شرح کرے کہ غنچہ کی پتیوں کے شکنج کی طرح تہ بر تہ ہے ۔

یعنی ہمارے دل تنگ کا ماجرا اس قدر پیچیدہ اور تو بر تو ہے کہ اسکی تفصیل ناممکن یا ہمارے دل تنگ کی کشائش مشکل ۔ صبا غنچوں کو تو شگفتہ کر دیتی ہے ۔ خواجہ صاحب کے غنچۂ دل کو وہ بھی شگفتہ نہ کر سکی ۔

(۷) ترجمہ ۔ صرف میں ہی اس دشمنِ زہد و ریا کا بے خوار نہیں ہوں ۔ بلکہ بہت سے سر اور بھی اس آستانہ کے سنگ اور سبو ہیں ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی اس دشمنِ اتقا خرابات میں خرابانی نہیں ہوں بلکہ ہزاروں اور سر بھی اسی آستان کے پتھر رہے ہیں ۔ اور اسی میخانہ کے سبو یعنی میکش رہے ہیں اور خم کے خم پیتے رہے ہیں ۔ خواجہ صاحب ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔ دیکھو شعر ۱۴ ۔

	زمن بر آں گل عارض غزل سرائم و بس		کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند ۔	

(۸) ترجمہ ۔ زبان گویا اسکی حسن کی تعریف میں گنگ ہے ۔ زبان بریدہ اور بیہدہ گو قلم تو خیر کس حساب میں ہے ۔

قلم ہمیشہ بریدہ زبان ہوتا ہے ۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ یہاں زبانوں والے بھی گنگ ہیں ۔ زبان بریدہ قلم کی کیا مجال ہے کہ تیرے اوصاف کی تحریر کر سکے ۔

	دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر		ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم	

(۹) ترجمہ ۔ حافظ کا دل کوئی اب سے طلب کی آگ میں نہیں جلنے لگا بلکہ روز ازل سے وہ لالہ خودرو کی طرح داغدار ہے ۔

لالہ خودرو ۔ لالہ کی ایک قسم ہے گل لالہ میں ہمیشہ ایک داغ ہوتا ہے ۔ جسے عاشق کے داغ دل سے تشبیہ دیتے ہیں ۔

حسن مطلق کا ازل کے دن سے میں مستانہ تھا میں پرانا مست ہوں جنت مرا کاشانہ تھا	(امیر مینائی)	لامکاں کہتے ہیں جسکو وہ مرا کاشانہ تھا حور ساقی ۔ چشمہ کوثر مرا میخانہ تھا
آندم کہ زہر دو کون آثار نبود معشوقہ عشق و ما بہم سے بودیم		برلوح وجود نقش اغیار نبود در گوشۂ خلوتے کہ دیار نبود

غزل (۸)

	دل سراپردہ محبت اوست	۱	دیدہ آئینہ دار طلعت اوست	

من کہ سر در نیاورم بدو کون	۲	گردنم زیر بار منت اوست
تو و طوبی و ما و قامت یار	۳	فکر ہر کس بقدر ہمت اوست
دور مجنون گذشت و نوبت ماست	۴	ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست
من کہ باشم دراں حرم کہ صبا	۵	پردہ دار حریم حرمت اوست
ملک عاشقی و گنج طرب	۶	ہر چہ دارم ز یمن ہمت اوست
من و دل گر فنا شویم چہ باک	۷	غرض اندر میان سلامت اوست
بے خیالش مباد منظر چشم	۸	زانکہ این گوشہ خاص دولت اوست
گر من آلودہ دامنم چہ عجب	۹	ہمہ عالم گواہ عصمت اوست
ہر گل نو کہ شد چمن آرا	۱۰	اثر رنگ و بوئے صحبت اوست

(۱۱) فقر ظاہر مبین کہ حافظ را
سینہ گنجینہ محبت اوست (۱۱)

(۱) ترجمہ۔ دل اسکی محبت کا سراپردہ ہے۔ آنکھ اسکے چہرہ کی آئینہ دار ہے۔

یعنی دل میں ہمیشہ اس کا خیال ہے اور آنکھوں میں ہمیشہ اُسکی شکل ہے عاشق کا دل معشوق کی منزل ہے ملا محمد سعید اشرف کہتا ہے۔

یار در سینہ نہاں بود ندانستم	دل بہ پیش نگران بود ندانستم

مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں۔

اے خانہ پرستاں چہ پرستید گل و سنگ	آں خانہ پرستید کہ خاصاں طلبیدند
آں خانہ دل خانہ حق واحد مطلق	خوش وقت کسانیکہ دراں خانہ خزیدند

ع دل گذرگاہ جلیل اکبر است

اسی طرح عاشق کی آنکھیں بھی روئے یار کی آئینہ دار ہیں ان میں بھی سوائے روئے یار کے عکس کے اور کچھ نہیں ہوتا ع۔ ہر چہ آید در نظر از دور پندارم توئی

(۲) ترجمہ — میں جو دو نو جہان کے لئے سر نہیں جھکاتا میری گردن کسی احسان کے زیر بار ہے۔

وہی خیال ہے جو شعرت ۲ میں ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں دنیا و عاقبت کے واسطے سر نیچا نہیں کرتا البتہ میری گردن اسکے بار منت سے خم ہے۔

(۳) ترجمہ — تجھ کو طوبی کا ہم کو قد یار کا خیال ہے۔ ہر کسی کا فکر اس کی ہمت کے مطابق ہوتا ہے۔

خواجہ صاحب نعیم بہشت کے طالب زاہد کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ آپ کے لئے تو بہشت کی نعمتیں ہی غائت الآمال ہیں۔ مگر ہم مشاہدہ یار کے طالب ہیں۔

از باغ نعیمش مدہ انعام ومیسنر
آسائش ہمسائگی حق ز تو خواہد

با مطلب او مطلب اصحاب نعم را
او ہمہ دوزخ نہ کند باغ ارم را

(۴) ترجمہ — مجنوں کا زمانہ گزر گیا اب ہماری باری ہے۔ ہر کوئی پانچ دن کی نوبت گزار جاتا ہے۔

اس شعر میں خواجہ صاحب نے دنیا کی ناپائیداری دکھائی ہے اور لوگ سکندر و دارا کی مثالیں دے کر یہ مضمون ادا کرتے ہیں۔ عاشقوں کی سلطنت اور ہوتی ہے۔ انہوں نے فرہاد و مجنوں کی مثال پیش کر دی۔

(۵) ترجمہ — میں کون ہوں کہ اس حرم میں جاؤں۔ صبا اسکی حریم حرمت کی پردہ دار ہے۔

حرم — احاطہ گرداگرد خانہ کعبہ۔ اندرون سرائے۔ حریم۔ احاطہ گرداگرد خانہ حرمت۔ عزت۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں کیا چیز ہوں کہ رب العزت کے حرم میں یعنی سرا میں مجھے دخل ہو۔ وہاں تو صبا بھی باہر دروازہ پر پردہ داری کر رہی ہے اور اندر نہیں جا سکتی۔ حالانکہ ہوا کو طبعاً کوئی روکاوٹ نہیں۔ یا یہ کہ میری رسائی وہاں تک ناممکن ہے۔ کیونکہ صبا وہاں پردہ دار ہے اور وہ ایسی پردہ دار ہے جس سے آنکھ بچا کر جانا بھی ممکن

نہیں۔ظاہر ہے کہ ہوا ہر جگہ موجود ہو گی۔

(۶) ترجمہ۔ عشق کا ملک اور خوشی کا خزانہ جو ہمارے پاس ہے اسکی یمن و ہمت کی وجہ سے ہے۔

سلطان عشق کا خزانہ بادی النظر میں نقد طرب سے خالی ہونا چاہئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عاشقوں کو غم جاناں کے عوض غم جہاں سے قطعاً رہائی ہوتی ہے۔ اس لئے مقابلتہً وہ خوش ہیں۔کیونکہ انہیں ایک غم تو بیشک ہے مگر ہزارہا غموں سے نجات بھی حاصل ہے اور غمِ عشق بھی خود ایک لذت ہے۔

عشق سرتا پا غم آمد لیک اندر ہر غمے۔	حسن	ذوق دیگر لذت دیگر سرور دیگرست

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم کو جو سلطنت عشق اور گنج طرب حاصل ہے وہ سب اسکے یمن کی بدولت ہے۔

(۷) ترجمہ۔ میں اور میرا دل اگر فنا بھی ہو جائیں تو کیا غم غرض ہم کو اس کی سلامت سے ہے۔

عاشق کے دل کو اسقدر تسکین ہے کہ اگر وہ فنا بھی ہو جائے تو کچھ ڈر نہیں اسکا مقصود یار کی سلامتی ہے اور وہ سلامت ہے۔

(۸) ترجمہ۔ اس کے خیال سے خالی آنکھ کا منظر نہ ہو۔کیونکہ یہ گوشہ خاص اس کی منزل ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری آنکھ کا منظر کبھی معشوق کے نظارہ سے خالی نہ ہو۔کیونکہ گوشہ چشم خاص اسکی جگہ ہے۔ اس کی منزل میں دوسرے کا کیا کام۔

(۹) ترجمہ۔ اگر میں گناہگار ہوں تو کیا عجب۔تمام جہان اس کی پاکی کا گواہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر میں گنا ہگار ہوں تو کیا ہرج۔محبوب کی عصمت کے اور بہت گواہ ہیں۔یعنی نہ ہماری نافرمانی سے اسکی ذات میں کچھ نقص واقع ہوتا ہے اور نہ ہماری تسبیح سے اسکو کچھ فائدہ حاصل۔ عصمت سے یہاں مراد مطلق پاکی ہے۔گناہ سے

بچتا نہیں - گویا خدا کی پاکی بیان کرنے والے اور بہت ہیں ایک میں نہ سہی - ظاہری مطلب ظاہر ہے -

(۱۰) ترجمہ - جو نیا پھول زیب چمن ہوتا ہے - اس میں رنگ و بو اسی کی صحبت سے ہے -

وہی خیال ہے جو شعر ت ۱۹/۵ میں ہے

(۱۱) ترجمہ - حافظ کی ظاہری ناداری پر نہ جا - کیونکہ اس کا سینہ یار کی محبت کا خزانہ ہے -

وہی خیال ہے جو اشعار ت ۱۸/۳ میں ہے -

غزل (۹)

آن سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست	۱	چشم میگون لب خندان دل خرم با اوست
گرچہ شیرین دہنان بادشہانند ولے	۲	آن سلیمان زمان ست کہ خاتم با اوست
روئے خوبست و کمال ہنر و دامن پاک	۳	لاجرم ہمت پاکان دو عالم با اوست
خال مشکین کہ بران عارض گندم گون است	۴	سر آن دانہ کہ شد رہزن آدم با اوست
دلبرم عزم سفر کرد خدارا یاران	۵	چہ کنم با دل مجروح کہ مرہم با اوست
با کہ این نکتہ توان گفت کہ آن سنگین دل	۶	کشت مارا و دم عیسے مریم با اوست

(۷) حافظ از معتقدانست گرامی دارش (۷)
زانکہ بخشائش بس روح مکرم با اوست

شارحین کا اتفاق ہے کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے حضرت رسالت مآب صلعم کی ثنا میں لکھی ہے - اور الفاظ جو اس غزل میں موجود ہیں اس خیال کی تائید کرتے ہیں -

یوں تو ہر ایک غزل کو جدہر چاہو لے چلو۔ مگر یہ غزل صریحاً آنحضرتؐ کی نعت میں معلوم ہوتی ہے۔ شاعرانہ طرز ہے۔ عاشقانہ پہلو سے گریز نہیں ہو سکتا۔ خواجہ صاحب حمد ہو یا نعت عاشقانہ انداز سے باہر نہیں ہوتے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لطف اور اثر اس طرز میں ہے اور کسی طرز میں نہیں ہو سکتا۔ اگر اس غزل کو نعتیہ نہ خیال کریں تو حسب معمول عاشقانہ راز و نیاز کی گفتگو اور معشوق کے حسن سیرت و صورت کی تعریف منظور ہوگی۔

(۱) ترجمہ۔ وہ گندم رنگ کہ جہاں کی شیرینی اس کے پاس ہے۔ اس کی آنکھیں میگون لب خنداں اور دل خوش ہے۔

سیہ چردہ۔ یا سیہ جردہ یعنے سیاہ رنگ کیونکہ جردہ یعنے رنگ ہے۔ (برہان) بعض جگہ سیہ چردہ سے شخص ملیح و سبز رنگ مراد ہوتی ہے۔ (سراج) یہاں یہی دوسرے معنی ہیں

اس شعر میں حضرت رسالتمآبؐ کی اوصاف حمیدہ کا ذکر ہے۔ شیرینی سے یہاں حسن اخلاق مراد ہے۔ چشم میگوں یعنی سرخ آنکھ تہور کی نشانی ہے۔ لب خنداں نے اس تہور کے ساتھ لطف و کرم بھی شامل کر دیا اور دل خرم نے اطمینان قلب اور باطنی پاکیزگی کا ثبوت دے دیا ہے۔ حضرت رسول کریمؐ میں جلالی اور جمالی دونوں اوصاف بوجہ احسن موجود تھے۔ آپ کا رنگ بھی ملیح تھا اس لئے سیہ چردہ کہا گیا حدیث ہے۔ انا ملیح" و اخی یوسف صبیح"۔

(۲) ترجمہ۔ اگرچہ حسین جہاں کے بادشاہ ہیں۔ لیکن وہ سلیمان وقت ہے کہ اسکے پاس خاتم ہے۔

خاتم۔ بفتح تا یا بکسر تا (۱) انگشتری۔ مہر (۲) جس سے کوئی شے ختم ہو۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ اور بھی حسین ہیں اور سلطنت حسن کے بادشاہ۔ مگر میرا ممدوح بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ وہ سلیمان وقت ہے۔ کیونکہ اسکے پاس خاتم ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگشتری تھی۔ جو ان کی حکومت کا راز تھی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ممدوح کے پاس بھی خاتم ہے

یعنی آنحضرت کے کندہوں پر ایک تو مہر نبوت موجود تھی ۔ دوسرے وہ خاتم الانبیا ہیں ۔ اس لئے ان کے مقابلہ میں دیگر انبیاء معمولی بادشاہوں کی طرح ہیں اور آنحضرت م سلیمان وقت ہیں ۔ جن کی سلطنت کی وسعت جن و انس اور عناصر تک ہے ۔ جنوں کا بھی ہمارے رسول کریم پر ایمان لانا قرآن شریف سے ثابت ہے ۔

واذا صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا انصتو فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین ۔ (سورہ احقاف رکوع ۴)

آنحضرتؐ میں خاتم الانبیاء ہونے کی حیثیت سے ضروری تھا کہ تمام اوصاف حمیدہ جو ایک بشر میں ہوسکتے ہیں اور جملہ لوازمات نبوت جو پہلے نبیوں کو یکے بعد دیگرے عطا ہوئے تھے ۔ یکجا بدرجۂ کمال موجود ہوں ۔ تاکہ کوئی کمی باقی نہ رہ جائے ۔ جس کا پھر تدارک ممکن نہ ہو ۔ ان کے اخلاق نے دنیا کے لئے ایک نمونہ پیش کیا ۔ جس کو رب العزت نے اسوہ حسنہ کہا ۔ اور اُن کی تعلیم وتلقین پر ارشاد اکملت لکم دینکم ہوا ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جملہ انبیا کے اوصاف ان میں یکجا موجود تھے اور پھر اس سے بھی کچھ زیادہ

حسن یوسف دم عیسےٰ ید بیضا داری ۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ۔

سیمرغ فہم ہیچکیں از انبیاء نرفت ۔ آنجا کہ تو بہ بال کرامت رسیدۂ
ہر یک بقدر خویش بجائے رسیدہ اند ۔ آن جا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدۂ

(۳) ترجمہ ۔ چہرہ خوبصورت ہے ۔ ہنر بدرجہ کمال اور دامن پاک دونو جہانوں کے پاک لوگوں کی ہمت ضرور ان کی ساتھ ہے

جیسا گذشتہ شعر میں لکھا جا چکا ہے ۔ آپ میں اوصاف حمیدہ کا بدرجہ کمال ہونا ثابت ہے ۔ لہذا اکمالِ ہنر ۔ اور چونکہ تمام انبیاء کی صفات جو ان میں فرداً فرداً ہیں آپ میں یکجا موجود ہیں ۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے ۔ کہ جملہ انبیاء نے آپ سے فیض حاصل کیا اور ان کی بلند دلی اور عظمت ع۔م آپ ہی کی بدولت تھی ۔ آنحضرت صلعم کا قول ہے کہ "انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری"

(۴) ترجمہ ۔ سیاہ خال جو ان کے گندم گون رخسار پہ ہے ۔ اس دانہ کا راز جو آدم

کار ہزن ہوا اسکے ساتھ ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کے گندم گوں عارض پر سیاہ خال اس دانہ گندم کا راز بتا رہا ہے۔ جس نے حضرت آدم کو بہشت سے نکلوایا تھا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ چونکہ آنحضرت نے زمین پر پیدا ہونا تھا۔ آپ کے عشق میں حضرت آدم بھی بہشت کو چھوڑ آئے۔ گویا وہ دانہ گندم جو حضرت آدم کو بہشت سے نکلوانے کا باعث ہوا۔ وہ آپ کے عارض گندم گوں کا عشق تھا۔

سزد گر آدم خاکی سرشتے		دہد بر دانہ خالش بہشتے	(احسن)

(۵) ترجمہ۔ میرے دلبر نے سفر کا ارادہ کیا اے دوستو۔ میں اپنے زخمی دل کو کیا کروں کہ مرہم اسکے پاس ہے۔

اس شعر میں آنحضرت کے وصال کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے مجروح دل کی مرہم تو صرف آنحضرت ؐ کے پاس ہی ہے۔ اب میں لاچار ہوں۔ کیا کروں درد بیدرمان ہے۔

(۶) ترجمہ۔ یہ نکتہ کس کو کہوں کہ اس سنگین دل نے ہم کو مارا حالانکہ دم عیسیٰ ابن مریم اسکے پاس ہے۔

بیشک نکتہ ہے دم عیسےٰ ؑ سے مراد "قم باذن اللہ" ہے یہ کہ حضرت عیسےٰ ؑ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ عیسے نفس ہو کر اس نے الٹا مجھے مار ڈالا۔ عجیب بات ہے۔ کس کو کہوں کون مانے گا۔

خواجہ صاحب نے شعر (ی ۴۳) میں بعینہ یہی مضمون پھر ادا کیا ہے۔ اور اس سے بھی اچھے پیرائے میں۔

(۷) ترجمہ۔ حافظ (کسی کے) مریدوں سے ہے اسکی عزت کرو۔ کیونکہ (رسولؐ کی) روح مکرم کی کافی بخشائش اسکے ساتھ ہے

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں کسی کے معتقدوں میں سے ہوں۔ میری عزت کرو کیونکہ بہت مکرم روحوں کی بخشائش میرے ساتھ ہے یا روح مکرم آنحضرت ؐ میرے لیے کافی بخشائش

ہے ۔ لفظ بس کا استعمال وضاحت طلب ہے مگر مطلب صاف ہے ۔

مولانا جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ گرچہ معلوم نہیں ہوا کہ خواجہ حافظ نے کسی بزرگ کی بیعت کی مگر ان کی کلام میں اسقدر تصوف بھرا ہے کہ اسکی نظیر نہیں ۔ اس شعر میں خواجہ صاحب نے گو نہ اس امر کا جواب بھی دیا ہے ۔ کہ حافظ کو یہ نہ کہو کہ وہ کسی کا مرید نہیں اور کسی سے بیعت نہیں کی ۔ وہ روح آنحضرت سے فیض یاب ہوتا ہے اور اسکے لئے یہ فیض کافی ہے اور اکثر خدا رسیدہ لوگوں کی بیعت بھی براہ راست رسول اللہ سے ہوتی ہے ۔ نیز دیکھو شعر الف ۹ ؁

غزل (۱۰)

دارم امید عاطفتے از جناب دوست	۱	کردم خیانتے و امیدم بعفو اوست
دانم کہ بگذرد ز سر جرم من کہ او	۲	گرچہ پری وش است ولیکن فرشتہ خوست
بے گفتگوے زلف تو دل را ہمے برد	۳	با روے دلکش تو کرا روے گفتگوست
عمریست تا ز زلف تو بوے شنیدہ ام	۴	زان بوے در مشام دل ما ہنوز بوست
ہیچ است آن دہان کہ ندیدم ازو نشاں	۵	موئیست آن میان و ندانم کہ آن چہ موست
دارم عجب ز نقش خیالش کہ چون نرفت	۶	از دیدہ ام کہ دمبدمش کار شست و شوست
چندان گریستم کہ ہر انکس کہ برگذشت	۷	در دیدہ ام چو دید روان گفت اینچہ جوست
ماسر چو گوے بر سر کوے تو باختیم	۸	واقف نشد کسے کہ چہ گوئیست وانیچہ کوست

(۹) حافظ بدست حال پریشان تو ولے
بر یاد زلف یار پریشانیت نکوست (۹)

(۱) ترجمہ ۔ مجھے دوست کے دربار سے مہربانی کی امید ہے ۔ گرچہ میں نے خیانت کی

گر اسکی عفو کی امید ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں گناہگار ہوں مگر بخشش کا امیدوار لفظ خیانت میں "انا عرضنا الامانت" والی امانت کی طرف اشارہ ہے۔ مزید تشریح کے لئے دیکھو شعر ا دیف د

(۲) ترجمہ ۔ میں جانتا ہوں کہ میرے جرم سے درگزر کرگیا اگرچہ وہ پری وش ہے مگر ساتھ ہی وحشتہ خصلت ہے ۔

خوب رو ہو کر خوشخو ہونا بینک شاذ ۔ پہلے تو خواجہ صاحب بھی شکایت کر چکے ہیں۔

ع ۔ رخ ہمچو ماہ تاباں دل ہمچو سنگ خارا

مگر اب کسی اور بحر میں ہیں۔

(۳) ترجمہ ۔ تیری زلف چپ چاپ دل کو لے جاتی ہے۔ تیرے دلکش چہرہ کے ساتھ کسکو تاب گفتگو ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب تیری زلفیں چپ چاپ عاشق کا دل قابو کرلیتی ہیں تو پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ تیرے خوبصورت چہرہ کا جس میں دلکشی بدرجہ کمال موجود ہے نظارہ کرے اور بے قابو نہ ہو۔

ممکن ہے کہ اس شعر میں واقعہ طور کی طرف اشارہ ہو یعنی زلف سے عالم کثرت مراد لی جاوے اور یہ کہا جاوے کہ جب عالم کثرت ہی انسان کے دل کو قابو کرنے کے لئے کافی ہے اور وہ پردہ کثرت ہی میں بغیر گفتگو کے انسان کے دل کو اپنی طرف مائل کر سکتا ہے تو پھر آدمی کی کیا مجال ہے کہ وہ اس پردہ کثرت کو ہٹا کر اسکے روئے دلکش یعنے عین ذات کا مشاہدہ کرے اور اس سے ہمکلام ہو۔ حضرت موسے علیہ السلام نے ایسا کر کے بھی دیکھ لیا۔

(۴) ترجمہ ۔ مدت ہوئی کہ تیری زلف کی خوشبو ہم نے سونگھی ہمارے دماغ میں اسکی ابھی تک خوشبو باقی ہے ۔

مشام ۔ میم مشدد ۔ مگر فارسی استعمال میں مشدد نہیں پڑھا جاتا۔ محل قوت شامہ جو ناک کے انتہا پر اور دماغ کے ابتدا میں واقع ہے یہ لفظ مصدر شم سے مشتق ہے

بمعنے سونگھنا۔ شم سے مشم صیغہ ظرف ہے۔ اسکی جمع مشام۔ بعض ادغام مشام۔ گویا لفظ مشام جمع ہے۔ مگر بمعنے واحد استعمال ہوتا ہے۔

اس شعر کا مطلب بعینہٖ وہی ہے۔ جو شعر ت ۶ کا ہے۔ تشریح کے لئے وہ اشعار دیکھو۔

(۵) ترجمہ۔ اسکا دہن معدوم ہے کیونکہ اس کا کوئی نشان نہ دیکھا۔ اس کی کمر بال کی طرح ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ وہ بال کیسا ہے۔

خواجہ صاحب کی اس مشکل کو غنی کشمیری نے اس طرح حل کیا ہے۔

دیدم میان یار و ندیدم دہانِ یار		نتواں بہ ہیچ دید چو در دیدہ موفتد	

مظہر جانجاناں دہان کے متعلق کہتا ہے

کارسازانِ ازل نیستی و ہستی را		باہم آمیختہ اورا دہنے ساختہ اند	

(۶) ترجمہ۔ حیران ہوں کہ تیرے خیال کا نقش کیسطرح نہ دور ہوا۔ میری آنکھوں سے۔ اسکا کام تو ہر وقت رونا دہونا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میری آنکھوں سے ہر وقت آنسو رواں ہیں۔ حیران ہوں کہ تیرا نقش خیال میری آنکھوں سے کیونکر دور نہ ہوا۔ حالانکہ پانی تمام نقشوں کو دہو ڈالتا ہے۔ خواجہ صاحب کو شائد معلوم نہ ہوگا کہ بعض پانی کچے نقشوں کو بھی پکا کر دیتے ہیں۔ فوٹوگرافر اس امر کی تصدیق کرینگے۔

(۷) ترجمہ۔ میں اتنا رویا کہ جو آدمی گزرا میری آنکھوں کو جب دیکھا تو کہا کہ یہ کونسی نہر رواں ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ میں اتنا رویا کہ جب کوئی میرے پاس سے گزرا اور میری آنکھوں کو دیکھا تو کہا کہ یہ کونسی نہر جاری ہے لفظ رواں جو کے ساتھ ہے۔

(۸) ترجمہ۔ ہم نے گیند کی طرح سر تیرے کوچہ میں ہار دیا کوئی واقف نہ ہوا کہ یہ کیسی گیند ہے اور کیسا کوچہ ہے۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے سر کو گیند کی طرح تیرے کوچے میں ہار دیا۔

اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ کہ کیا ماجرا ہے۔

(۹) ترجمہ ۔ اے حافظ تیرا حال پریشاں برا ہے لیکن یار کی زلف میں تیری پریشانی بھی اچھی ہے۔

خواجہ حافظ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ بے شک تیرا حال پریشان ہے اور حالت اچھی نہیں۔ مگر چونکہ یہ پریشانی زلف یار کی یاد میں ہے۔ اس لئے یہ پریشانی بری نہیں اچھی ہے، پہلے کئی دفعہ لکھا چکا ہے۔ کہ عاشق اپنی پریشان حالی کو ہمیشہ معشوق کی زلفوں کی پریشانی سے منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ صاحب کے کئی شعر اس مضمون پر پہلے آچکے ہیں۔ چنانچہ دیکھو شعر الف ۴۔

ایک شارح نے پہلے مصرع کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ "حافظ تو حال کے ہاتھ سے پریشان تو ہے لیکن"

غزل (۱۱)

آن شب قدرے کہ گویند اہل خلوت امشب است	۱	یارب این تاثیر دولت از کدامی کوکب است
تا بگیسوئے تو دست ناسزایان کم رسد	۲	ہر دلے در حلقۂ در ذکر یارب یارب است
کشتۂ چاہ زنخدان توام کز ہر طرف	۳	صد ہزارش گردن جان زیر طوق غبغب است
تا خوئے بر عارضش بین کافتاب گرم رو	۴	در ہوائے آن عرق تا ہست ہر روزش تب است
اندران موکب کہ بر پشت صبا بندند زین	۵	با سلیمان چون برانم من کہ مورم مرکب است
شاہسوار من کہ ماہ آئینہ دار روئی اوست	۶	تاج خورشید بلندش خاک نعل مرکب است
آب حیوانش ز منقار بلاغت میچکد	۷	زاغ کلک من بنام ایزد چہ عالی مشرب است
من نخواہم کرد ترک لعل یار و جام مے	۸	زاہدان معذور داریدم کہ اینم مذہب است

(۹) آنکہ ناوک بر دلم از زیر چشمے مے زند
قوت جان حافظش در خندہ زیر لب است (۹)

(۱) ترجمہ ۔ شب قدر جسکا ذکر گوشہ نشین کرتے ہیں آج کی رات ہے۔ یارب یہ خوش قسمتی کس ستارہ کی وجہ سے ہے ۔

شبقدر ۔ تحقیق گزر چکی ہے دیکھو شعر ب ۱۵/۲ **کوکب** ۔ ستارہ روشن و بزرگ ۔ خوشحالی و بدحالی عموماً لوگ ستاروں کی گردش سے منسوب کرتے ہیں ۔

(۲) ترجمہ ۔ تاکہ تیرے گیسو تک نااہلوں کا ہاتھ نہ پہنچے ہر دل حلقہ زلف میں ذکر یارب یارب کر رہا ہے ۔

کم رسد ۔ معنے نہ رسد۔ کم ان معنوں میں اکثر استعمال ہوتا ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ تیری زلف کی حلقوں میں جتنے دل اسیر ہیں سب ذکر یارب یارب میں مشغول ہیں ۔ تاکہ اس ذکر کی برکت سے کوئی ناسزا ادہر نہ جانے پاتے یارب یارب کرنا یا خدا خدا کرنا بمعنے خدا کی پناہ مانگنا مثلاً (مصطلحات خان آرزو)

خدا خدا کنم از کثرت بتاں شب و روز
کہ درمیاں نشود گم رہ خدادانی

یا دوسرے معنے اس طرح بھی ہوسکتے ہیں۔ کہ تیری زلفوں تک کوئی ناسزا نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ تیری زلف کے حلقوں میں جتنے دل اسیر ہیں وہ سب ذکر یارب یارب میں مصروف ہیں۔ یعنی ان میں سے کوئی نااہل نہیں ۔

(۳) ترجمہ ۔ میں تیرے چاہ زنخدان کا پیاسا ہوں جسکی ہر طرف لاکھوں جانوں کی گردنیں دائرہ غبغب میں اسیر ہیں ۔

زنخداں اور **غبغب** کی لغوی تحقیق گزر چکی ہے ۔ دیکھو الف ۵/۹

یہاں طوق غبغب سے مراد دائرہ غبغب ہے جسکی رعایت سے لفظ گردن آیا۔ کیونکہ اسیر کرنے کے لئے گردن میں طوق ڈالا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب اپنی مہم کی دشواری بیان کرتے ہیں۔ کہ میں چاہ زنخدان کا پیاسہ تو ہوں۔ مگر دیکھتا ہوں کہ پہلے ہزاروں دل جو ادہر مائل ہوئے اسیر پڑے ہیں ۔ میرا بھی یہی حال ہوگا ۔

(۴) ترجمہ ۔ اسکے رخسار پر پسینہ کی چمک دیکھ کہ تیز رو سورج اسی پسینہ کے شوق میں جیب تنگ ہے ۔ ہر روز جل رہا ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ معشوق کے عارض پر پسینہ کا قطرہ اسقدر درخشندہ اور روشن ہے کہ آفتاب بھی اسکی تاب سے تاب میں ہے۔ یعنی آفتاب بھی جب تک ہے اس کی درخشانی کے رشک میں جلتا رہے گا۔

ایک شارح صاحب نے اس شعر کے معنے اس طرح بیان فرمائے ہیں "اسکی عارض کی پسینہ کی تاب مثل آفتاب تیز کے دیکھ۔ اس پسینہ کی محبت جب تک کہ دل میں موجود ہے روز زیادہ ہے"

(۵) ترجمہ ۔ جس لشکر میں ہوا کی پشت پر زین لگائے گئے سلیمان کر میں کیا مقابلہ کرونگا کہ میرا گھوڑا چیونٹی ہے۔

موکب ۔ گروہ سواراں۔ شاہی جلوس میں جو لشکر ہو۔

خواجہ صاحب نے اس شعر میں اپنی کم بضاعتی کا اعتراف کیا ہے کہ جس لشکر میں باد صبا پر زین لگا کر لوگ سوار ہوگئے وہاں میں انکا کیا مقابلہ کرونگا۔ جسکا مرکب چیونٹی ہے حضرت سلیمان کا تخت ہوا پر اڑتا تھا۔ اور مور و ملخ انکے تابع فرمان تھے۔ غالباً خواجہ صاحب کا اشارہ روز قیامت اور عبور پل صراط کی طرف ہے۔

اور کلام پاک میں حضرت سلیمان کے قصہ میں چیونٹی کا ذکر بھی ہے۔

(۶) ترجمہ ۔ میرا شاہسوار جسکا آئینہ دار چاند ہے۔ اس کے گھوڑے کی نعل کی خاک بلند سورج کا تاج ہے۔

مہ کی آئینہ داری کے متعلق دیکھو شعر ت ۲

(۷) ترجمہ ۔ اس کی خوش گو چونچ سے آب حیات ٹپکتا ہے۔ میرے قلم کا کوا ماشا اللہ کتنا بلند مشرب ہے۔

قلم کو زاغ بوجہ سیاہی کہا گیا ہے۔ لفظ منقار۔ آب اور مشرب زاغ کی رعایت سے آئے ہیں۔ بنام ایزد یعنے ماشا اللہ۔ یہ شعر بھی شاعرانہ فخریہ پہلو لئے ہوئے ہے۔ قلم سے آب حیات کا ٹپکنا ظاہر۔ کیونکہ قلم کا لکھا ہوا مقابلتہً ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اور خواجہ صاحب کی غزل تو بے شک پانچ چھ سو سال کی عمر پا چکی ہے۔ اور ابھی اسی شباب

میں ہے۔

(۸) ترجمہ۔ میں لب یار اور جام شراب کو نہ چھوڑونگا۔ اے زاہد مجھے معذور سمجھو کہ یہی میرا مذہب ہے۔

خواجہ صاحب واعظ کی پند و نصایح سے تنگ آکر اسے کہتے ہیں کہ مجھے معذور رکھ میرا مذہب ہی یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی ایک مذہب میں ہوکر خلاف مذہب عمل کرے تو اسکو نصیحت کرسکتے ہیں۔ مگر جب وہ ایک طرز عمل کو اپنا مذہب بنالے تو پھر دوسروں کا اس کے مذہب پر حملہ کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

(۹) ترجمہ۔ وہ جو میرے دل پر نیچی نظروں سے تیر مارتا ہے۔ حافظ کی جان کی غذا اسکے تبسم میں ہے۔

زیر چشم۔ نیچی آنکھ یا ترچھی نظر سے دیکھنا۔ خندہ زیر لب۔ تبسم جو حرکت لب سے تجاوز نہ کرے۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ معشوق کی ترچھی نظریں گرچہ تیر کا کام کرتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی اسکا تبسم ہمارے لئے آب حیات کا کام دیتا ہے۔ اور ناوک نظر سے جو زخم دل پر ہوتا ہے اسکا علاج تبسم سے ہو جاتا ہے۔

غزل (۱۲)

سینہ ام ز آتش دل در غم جانانہ بسوخت	۱	آتشے بود درین خانہ کہ کاشانہ بسوخت
تنم از واسطۂ دوری دلبر بگداخت	۲	جانم از آتش ہجر رخ جانانہ بسوخت
ہر کہ زنجیر سر زلف پریروے تو دید	۳	شد پریشان و دلش بر من دیوانہ بسوخت
سوز دل بین کہ ز بس آتش اشکم دل شمع	۴	دوش بر من ز سر مہر چو پروانہ بسوخت
چون پیالہ دلم از توبہ کہ کردم بشکست	۵	چون صراحی جگرم بے مے و پیمانہ بسوخت

ماجرا کم کن و باز آ کہ مرا مردم چشم ۶ خرقہ از سر بدر آورد و بشکرانہ بسوخت

آشنائی نہ غریب ست کہ دلسوز من است ۷ چون من از خویش برفتم دل بیگانہ بسوخت

خرقۂ زہد مرا آب خرابات ببرد ۸ خانۂ عقل مرا آتش خمخانہ بسوخت

(۹) ترک افسانہ بگو حافظ و مے نوش دمے
کہ نخفتیم شب و شمع با فسانہ بسوخت (۹)

(۱) ترجمہ۔ میرا سینہ دل کی آگ سے غم معشوق میں جل گیا اس گھر میں ایسی آگ تھی جس سے خود گھر جل گیا۔

آتشِ دل سے سینہ جلتا ہوا دیکھا۔ اب سینہ کی آگ سے دل جلتا ہوا ابھی دیکھو یہ

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۲) ترجمہ۔ میرا وجود معشوق سے دور ہونے کی وجہ سے گھل گیا میری جان معشوق کے رخسار کے ہجر کی آگ سے جل گئی۔

(۳) ترجمہ۔ جس آدمی نے تیرے زلف پریروے کی زنجیر کو دیکھا۔ پریشان ہو گیا اور اس کا دل مجھ دیوانہ پر جلا۔

پہلے بہت دفعہ آچکا ہے کہ عاشق کی پریشانی کا موجب معشوق کی زلف کی پریشانی ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ یوں تو اکثر لوگ مجھے مطعون کرتے ہونگے۔ مگر جب کسی نے ایک دفعہ بھی تیری زلف کے حلقہ کو دیکھ لیا وہ خود پریشان خاطر ہو گیا اور اسے یہ بھی سمجھ آگئی کہ میں کیوں پریشان اور دیوانہ ہوں۔ اور پھر وہ مجھ سے ہمدردی کرنے لگا۔ الفاظ زنجیر و دیوانہ اور زلف و پریشان کی لطافت ظاہر۔

(۴) ترجمہ۔ میرے دل کا سوز دیکھکر میری آنسوؤں کی آگ سے شمع کا دل کل ہمدردی سے مجھ پر پروانہ کی طرح جل گیا۔

اشک کو آگ سوز دل کی وجہ سے کہا شمع کا جلنا اور رونا مشہور۔ عاشق شب ہجر

میں روتا ہے۔اور شمع کو سمجھتا ہے۔کہ وہ بھی میرے سوز دل پر آنسو بہا رہا ہے اور جل رہا ہے۔

(۵) ترجمہ۔ میں نے توبہ کی اور میرا دل پیالہ کی طرح ٹوٹ گیا۔اور میرا جگر صراحی کی طرح شراب نہ ہونے سے خشک ہو گیا۔

مے خوار کی توبہ سے شکست پیالہ تو لازم۔مگر خواجہ صاحب کا شیشہ دل بھی اس توبہ سے ٹوٹ گیا۔ اور ان کا جگر بھی شراب کے نہ ہونے کے وجہ سے خشک ہو کر جل گیا۔صراحی نے تو شراب سے خالی ہو کر خشک ہونا ہی تھا۔خواجہ صاحب یہاں یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم میخواری پر مجبور ہیں۔کیونکہ ہماری زندگی اسی پر منحصر ہے۔اور اسی لئے ہم زہد خشک پر اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم نے ترک مے کر کے بھی دیکھ لیا۔اس توبہ سے ہم باز آئے۔

(۶) ترجمہ۔ باتیں نہ بنا اور باز آ جا کہ میری مردم چشم نے خرقہ سر سے اتار پھینکا۔اور شکرانہ میں اسے جلا دیا۔

ماجرا۔مرکب ہے ما اور جرا سے۔جو کچھ گذرا ہو۔سرگذشت۔احوال۔ بیان زمانہ گذشتہ۔**مردم چشم**۔سیاہی چشم جو محل بصرت ہے۔مردمک بھی بطریق تصغیر کہتے ہیں۔

خواجہ صاحب واعظ کو کہتے ہیں کہ قصے کہانیاں بند کرو۔کیونکہ میری مردم چشم نے خرقہ سر سے اتار کر عشق کے شکرانہ میں جلا دیا ہے۔یعنے میں نے عشق میں آنکھ کا پردہ حجاب یا حیا دور کر دیا ہے۔ اب مجھے پند و نصیحت کا فائدہ نہیں۔خرقہ کہنہ و دریدہ کپڑے کو کہتے ہیں۔درویشوں اور زاہدوں کا لباس ہے۔خرقہ از سر بدر آوردن یعنے ترک زہد رندی اختیار کرنا۔

(۷) ترجمہ۔ جو میرا ہمدرد ہے۔ وہ بیگانہ نہیں بلکہ دوست ہے۔جب میں بیخود ہو گیا تو بیگانوں کے دل مجھ پر جلے۔

مطلب یہ ہے کہ جب میں اپنے آپ سے باہر ہوا یعنی بیخود ہوا تو بیگانے بھی میرے

لئے افسوس کرنے لگے۔ اور وہ بیگانے چونکہ میرے ہمدرد ہیں۔ اس لئے ان کو بیگانہ نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ وہ میرے آشنا اور دوست ہیں۔

الفاظ آشنا و غریب اور خویش و بیگانہ ایک دوسرے کی رعایت سے آئے ہیں۔

(۸) ترجمہ۔ میری پارسائی کے خرقہ کو شراب لے گئی میرے خانہ عقل کو آتش میخانہ نے جلا دیا۔

آب خرابات اور **آتش** خم خانہ دونو کے معنے شراب ہیں۔ شراب کو بوجہ رنگ اور اثر کے آتش سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اس شعر میں آب و آتش کو خوب جمع کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے خرقہ زہد کو شراب بہا کر لے گیا اور خانہ عقل کو آتشِ جام نے جلا دیا۔ یعنی شراب نے میری پارسائی اور عقل کو ضائع کر دیا۔ ظاہری اور معنوی مطالب ظاہر۔ عقل اور شراب کے متعلق دیکھو شعر الف ۱/۴۔

(۹) ترجمہ۔ حافظ کہانیاں چھوڑ اور کچھہ دیر شراب پی۔ کیونکہ تمام رات ہم نہ سوئے اور شمع افسانہ میں جل گئی۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ حافظ ان افسانوں کو چھوڑ اور شغل سے نوشی کرو۔ انہی افسانوں میں شمع جل بجھی اور تم نے رات بھر آرام نہیں کیا۔ اب ان قصوں کو چھوڑ مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی عمر سے کچھہ حاصل نہ کیا اور انہی باتوں میں عمر گزار دی اب تو کچھہ فکر کرو۔

	شب ہستی فرو گردید در جیب سحر مے		تو ہم چشم تغافل باز کن اے بے خبر نیمے

غزل (۱۳)

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست	۱	در حق ما ہر چہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست
در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست	۲	در صراط المستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

تا چه بازی رخ نماید بیدقی خواهیم راند	۳	عرصهٔ شطرنج رندان را مجال شاه نیست
این چه استغناست یارب وین چه قادر حاکم است	۴	کاین همه زخم نهان هست و مجال آه نیست
چیست این سقف بلند سادهٔ بسیار نقش	۵	زین معما هیچ دانا در جهان آگاه نیست
صاحب دیوان ما گویا نمی‌داند حساب	۶	کاندرین طغرا نشان حسبةً لله نیست
هر که خواهد گو بیا و هر که خواهد گو برو	۷	گیر و دار و حاجب و دربان درین درگاه نیست
هر چه هست از قامت ناساز بی‌اندام ماست	۸	ورنه تشریف تو بر بالای کس کوتاه نیست
بر در میخانه رفتن کار یکرنگان بود	۹	خودفروشان را بکوی می‌فروشان راه نیست
بندهٔ پیر خراباتم که لطفش دائم است	۱۰	ورنه لطف شیخ و زاهد گاه هست و گاه نیست

(۱۱) حافظ ار بر صدر ننشیند ز عالی همتی است
عاشق دردی‌کش اندر بند مال و جاه نیست (۱۱)

(۱) ترجمہ۔ زاہد ظاہر پرست ہمارے حال سے واقف نہیں ہمارے حق میں جو کچھ کہے کچھ مضائقہ نہیں۔

خواجہ حافظ نے یہاں صاف الفاظ میں بتا دیا ہے۔ کہ انکا رندانہ مشرب زاہدان ظاہر پرست کی فہم سے بالا ہے اور وہ حافظ پر اگر طعنہ زنی وغیرہ کرتے ہیں۔ تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ان کی حالت سے اور اسکی حقیقت سے نا آشنا ہیں اس لیئے وہ بھی معذور ہیں۔ اگر کچھ برا بھلا کہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اسی طرح خواجہ صاحب کے کلام کو نہ سمجھ کر یا دیدہ دانستہ اگر کوئی آدمی اقلیم سخن کے اس زبردست اور باقبال شاہنشاہ کو خراج تحسین ادا نہ کرے تو اس کی کور بختی۔

(۲) ترجمہ۔ طریقت میں جو کچھ سالک کے پیش آئے اس کے لئے اچھا ہے راہ راست پر اے دل کوئی گم راہ نہیں ہوتا۔

طریقت۔ منازل اربعہ میں سے ایک منزل ہے۔ جو شریعت کے بعد اور حقیقت و معرفت کے پہلے ہے۔ اصطلاح سالکان میں طریقت تزکیہ باطن اور شریعت تزکیہ ظاہر کا نام ہے،

سالک ۔ اصطلاح صوفیا میں وہ شخص ہے جو طالب تقرب حقتعالےٰ ہو اور عقل معاش بھی رکھتا ہو ۔ یہاں مراد مطلق طالب حق ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ عشق الٰہی نجات کا سب سے زیادہ سیدھا راستہ ہے ۔ اس لئے طالب حق کو اگر منازل عشق کے طے کرنے میں مشکلات اور تکالیف کا سامنا ہو یا کوئی خلاف عقل یا خلاف قیاس بات پیش آئے تو اسکو رکنا نہیں چاہیئے اور چوں و چرا میں نہیں پڑنا چاہیئے ۔ کیونکہ راہ راست پر کوئی گمراہ نہیں ہوسکتا ۔ بقول سعدی ۔

کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

صوفیائے کرام کے نزدیک انسان کو دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے اور جو افعال و اعمال اس سے سرزد ہوتے ہیں ۔ ان سب میں حکمت الٰہی موجود ہے اور مصلحت پر مبنی ہیں ۔ گویا اُن کے نزدیک تمام دنیا صراط المستقیم پر جارہی ہے ۔ اور جو کچھ دنیا میں ہورہا ہے ۔ حکیم مطلق کی حکمت کے مطابق ہورہا ہے ۔ اس لئے ہم کو ہمیشہ یہ یقین ہونا چاہیئے کہ جو کچھ ہورہا ہے عین حکمت کے مطابق ہورہا ہے ۔ اور اس میں ہمارا آخر کار فائدہ ہے ۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ بمضمون آیہ کریمہ ما من دابۃ الا ھو آخذ بنا صیتہا ان ربی علےٰ صراط مستقیم ۔ (سورہ ہود رکوع ۵) اللہ تعالےٰ کی رحمت ہر ادنےٰ اور اعلےٰ چیزوں میں وسیع ہے ۔ ہر چلنے والے کی پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے اور میرا رب سیدھی راہ پر ہے ۔ پس ہر چلنے والا اپنے رب کی سیدھی راہ پر ہے ۔ پس وہ مغضوب علیہم میں اس وجہ سے داخل نہ ہوا اور نہ ضالین میں اور جب ضلالت اور غضب الٰہی دونوں عارضی امور ہیں اور ان کا آل کار رحمت ہے تو رحمت ہی ہر شئے پر وسیع ہے اور یہ رحمت غضب پر سابق ہے ۔

(۳) ترجمہ ۔ ہم پیادہ سے کھیلیں گے دیکھئے کیا نتیجہ ہوتا ہے ۔ رندوں کی شطرنج کی بساط پر شاہ کی جگہ نہیں ۔

بیذق ۔ پیادہ شطرنج ۔ یہ لفظ پیادہ کا معرب ہے ۔ عام طور پر اس پیادہ کو کہتے ہیں جو خانہائے شطرنج کی انتہا تک پہنچے ۔ مگر محققین شطرنج اُن دو پیادوں کو کہتے ہیں ۔ جو

شاہ اور فرزین کے مقابل رکھے جاتے ہیں **عرصہ شطرنج** یعنے بساط جس پر شطرنج کھیلی جاتی ہے۔ **شاہ** ۔ شطرنج کا شاہ۔ **مجال** ۔ جاے جولان کردن ۔میدان طاقت

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہم پیادوں سے کھیلیں گے اور دیکھیں گے۔ کہ کھیل کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے شطرنج کی بساط پر شاہ کے چلنے کی جگہ ہی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرب رنداں میں دنیاوی جاہ و جلال کا کچھ کام نہیں۔ شطرنج کے متعلق ۔ بازی۔ رخ بیدق۔ عرصہ۔ شطرنج ۔ مجال۔ شاہ۔ کتنے الفاظ اور کس خوبصورتی سے خواجہ صاحب نے اکٹھے ایک شعر میں جمع کر دیئے۔

(۴) ترجمہ۔ اے خدا یہ کیسی بے پرواہی ہے اور یہ کیسا منصف حاکم ہے کہ اسقدر پوشیدہ زخم ہیں۔ اور آہ کرنے کا اختیار نہیں۔

اردو میں مثل مشہور ہے۔ "کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے"۔

(۵) ترجمہ۔ یہ بلند سادہ اور پر نقش چھت کیا چیز ہے اس معما سے کوئی دانا اس جہاں میں واقف نہیں۔

آسمان کو خواجہ صاحب نے سادہ اور بسیار نقش کہا ہے۔ بظاہر اجتماع ضدین ہے۔ مگر حقیقت میں اظہار حقیقت ہے آسماں کی سادگی دیکھو تو وہ بھی لاجواب ہے۔ اور نقش اور نگار بھی اتنے ہیں۔ کہ کوئی شمار نہیں۔ کروڑوں سیارے لاتعداد ستارے چاند اور سورج سب اسکے نقش ہیں۔ مگر کسی وقت دیکھو تو تمام چہرہ پر ایک آدھ خال نظر آئیگا باقی مطلع صاف۔ اور باوجود نقش و نگار کے بھی اسکی سادگی میں کچھ فرق نہیں آتا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کسی دانا نے اب تک یہ معما حل نہیں کیا کہ یہ ہے کیا۔ خواجہ صاحب کو یہ غزل کہے ہوئے پانچ چھ سو سال ہوگئے۔ مگر اب تک بھی کسی نے یہ معما حل نہیں کیا۔ سائنس اور فلسفہ دونو عاجز ہیں۔ نیز دیکھو شعر الف ۹/۲۔

(۶) ترجمہ۔ ہمارا محاسب گویا حساب نہیں جانتا۔ کیونکہ اس فرمان میں نشان حسبۃً للہ نہیں ہے۔

دیوان ۔ جاے جمع شدن۔ مجازاً بمعنے دفتر محاسب۔ کچہری۔ دار العدالت

بعض کی رائے ہے کہ دراصل یہ لفظ دوان تھا بعض کہتے ہیں کہ اس لفظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نوشیروان نے اپنے محاسبوں کو حکم دیا کہ تین روز میں فلاں حساب مکمل تیار کردو۔ دوسرے روز اُنکے دفتر میں گیا۔ دیکھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوکر بڑی جلدی سے کام کر رہے ہیں۔ کہا کہ دیوان ہستند۔

طغرا۔ بالضم۔ ایک قسم کا پیچیدہ خط۔ بادشاہی فرمانوں پر القاب اسی خط سے لکھے جاتے تھے۔ مطلق فرمان شاہی۔

شاہی فرمانوں پر نشان حسبۃً للہ برائے عفو و معافی تحریر ہوتا تھا۔ غربا و مساکین رعایا چونکہ باج خراج سے معاف ہوتے ہیں اور بعض قصور بوجوہات چند در چند قابل معافی ہوتے ہیں۔ اس لئے پروانوں میں ان کے استثنا کے لئے یہ نشان ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ شاید ہمارے محاسب کو حساب سے واقفیت نہیں۔ کیونکہ اسکے تحریر شدہ پروانہ میں یہ نشان موجود ہی نہیں۔ خواجہ صاحب گویا محاسب یا محبوب کی سخت گیری سے شاکی ہیں اور الطاف و اکرام کے طالب۔

صاحب دیوان سے طنزاً وہ واعظ بھی مراد ہوسکتی ہے جو ہمیشہ عذاب الہی کی تشریح کرتا رہتا ہے۔

(۷) **ترجمہ۔** جو چاہے آئے۔ جو چاہے جائے۔ اس درگاہ میں کوئی گرفت کوئی پردہ دار اور کوئی پاسبان نہیں۔

مولانا شبلی مرحوم نے خواجہ صاحب کے فلسفہ اخلاق پر بحث کرتے ہوئے اس شعر کو نقل کیا ہے اور خواجہ صاحب کی زبانی لکھا ہے۔ "ہماری مجلس عام ہے کسی کی تخصیص نہیں جو چاہے آئے۔ ہم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں واعظوں اور زاہدوں کی طرح ہمارا اخلاق دوست دشمن عزیز و بیگانہ کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا۔

اس شعر میں درگاہ سے درگاہ الہی بھی مراد ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی نہ آوے تو اللہ غنی حمید۔ اگر کوئی آوے تو لَعِندِ یَنَمِ سُبُلَنَا۔

(۸) ترجمہ — جو کچھ ہے۔ ہمارے غیر موزون اور بے ڈھنگے قد کی وجہ سے ہے۔ ورنہ تیری خلعت کسی کے قد پر چھوٹی نہیں۔

تشریف — بزرگ کرنا۔ عزت دینا۔ استعمال فارسی میں بمعنے خلعت جو امراو سلاطین کسی آدمی کی عزت افزائی کے لئے اسے عطا کرتے ہیں۔ یہاں بمعنے خلعت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ خداوند کریم کی مہربانیاں عام ہیں۔ اگر ہم اسکے فیض سے محروم ہیں تو یہ سارا اپنا قصور ہے۔ شور زمین پر اگر زراعت نہ ہو تو بارش کا قصور نہیں

ع — سبزہ برسنگ نروید چہ گناہ باران را

اس شعر کی مزید تشریح کے لیے دیکھو شعر الف $\frac{5}{5}$ جہاں استعداد اور فیض کے متعلق پوری بحث ہو چکی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ ہماری اپنی کم ظرفی ہے ورنہ خدا کے الطاف کا بحر تو بیکراں ہے۔ مولانا حالی مرحوم نے کہا ہے

ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہیں۔ ورنہ　　لنڈھائی خم پہ خم غیروں پہ کیوں؟ ممسک ہو کر ساقی

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں۔

فیض ز قابل کند اندر گذشت۔　　بر دگرے خود نتواند گذشت۔

نظیری نیشاپوری کا یہ شعر بھی اسی مضمون پر ہے۔

ہرگز عطائے ساقی ما را کرانہ نیست　　از تنگ ظرفی است کہ پیمانہ پر شدہ است

(۹) ترجمہ — شراب خانہ کے دروازہ پر جانا یکرنگوں کا کام ہے۔ ریاکاروں کو مے فروشوں کے کوچہ میں گذر حاصل نہیں۔

یکرنگ سے مراد وہ آدمی ہے۔ جسکا ظاہر باطن ایک سا ہو۔ ریاکار نہ ہو۔ زہد فروشی نہ کرے۔ اور منافق نہ ہو۔ خود فروش وہ آدمی ہیں، جو اپنی ظاہر صورت کو نیک دکھا کر دوسروں کو اپنے زہد کا یقین دلا کر ان سے مفاد حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ میفروشوں کے کوچہ میں نہیں جا سکتے۔

(۱۰) ترجمہ۔ میں اس پیر خرابات کا غلام ہوں جسکا لطف دائمی ہے۔ ورنہ شیخ و

زاہد کا لطف تو کبھی ہے اور کبھی نہیں۔
خواجہ صاحب شیخ و زاہد کی متلون مزاجی کی شکایت کرتے ہیں یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھتے ہیں اور خدانخواستہ اگر آدمی ان کی خلاف رائے کچھ کر گزرے تو کبھی معاف بھی نہیں کرتے
پیر خرابات سے خدا بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اور شیخ و زاہد سے ماسواہ حکام وغیرہ

	تری مسجد میں واعظ خاص ہیں اوقات رحمت کے ہمارے میکدہ میں رات دن رحمت برستی ہے	

(۱۱) ترجمہ ۔ حافظ اگر صدر پر نہیں بیٹھتا تو یہ اسکی بلند ہمتی ہے۔ درد کش عاشق کو مال و جاہ کی محبت نہیں ہوتی۔
خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر ہم لوگ دنیاوی جاہ و جلال نہیں رکھتے۔ تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسے حاصل ہی نہیں کر سکتے۔ بلکہ وجہ یہ ہے۔ کہ ہم لوگ عالی ہمت ہیں اور اسکی پرواہ نہیں کرتے۔ مشرب عشق میں مال و جاہ کی محبت دل میں ہوتی ہی نہیں۔ کیونکہ ع ۔ ایں زمیں را آسمانے دیگر است۔

غزل (۱۴)

آں پیک نامور کہ رسید از دیار دوست	۱ ق	آورد حرز جان ز خط مشکبار دوست
خوش میدہد نشان جلال و جمال یار	۲ ق	خوش میکند حکایت عز و وقار دوست
جان دادمش بمژدہ و خجلت ہمی برم	۳	زیں نقد کم عیار کہ کردم نثار دوست
سیر سپہر و دور قمر را چہ اختیار	۴	درگردش اند بر حسب اختیار دوست
شکر خدا کہ از مدد بخت کار ساز	۵	برحسب حاجت است ہمہ کار و بار دوست

گر باد فتنه ہر دو جہاں را بہم زند	۶	ما و چراغ چشم و رہِ انتظار دوست
کحل الجواہری بمن آر اے نسیم صبح	۷	زان خاک نیکبخت کہ شد رہگذار دوست
ماییم و آستانۂ عشق و سرِ نیاز	۸	تا خواب خوش کرا برد اندر کنار دوست

(۹) دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چہ باک / منت خدائے را کہ نیم شرمسار دوست (۹)

(۱) ترجمہ۔ وہ نامور قاصد جو معشوق کے ملک سے آیا ہے معشوق کے مشکیں خط سے جاں کا تعویذ لایا۔

(۲) ترجمہ۔ دوست کے جلال و جمال کا اچھا نشان دیتا ہے دوست کی عزت اور وقر کی اچھی حکایت کرتا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ میں نے اس خوشخبری پر جان دی اور نادم ہوں اس ناخالص نقد سے جس نے دوست پر قربان کی۔

یہ تین شعر قطعہ بند ہیں۔

حرز۔ بالکسر پناہگاہ۔ مضبوط جگہ۔ مجازاً بمعنے تعویذ

پیک نامور سے مراد باد صبا ہے۔ کیونکہ خوشبو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ وہی لے جاسکتی ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ باد صبا میرے معشوق کے خط مشکین سے خوشبو لائی۔ جو میرے لئے بمنزلہ حرز جان کے ہے۔ اگر خط کو بمعنے دستخط لیا جاوے تو مطلب یہ ہوگا کہ قاصد معشوق کے مشکبار خط کا ایک نامہ میرے پاس لایا جسکو میں بمنزلہ تعویذ سمجھتا ہوں۔ حرز اور خط کی لطافت ظاہر۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے۔ کہ یہ پیک نامور حضرت جبرائیل علیہ السلام ہے اور حرز جان سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس تعبیر میں کسی کو کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دوسرا شعر بھی اس تعبیر سے مطابقت رکھتا ہے۔ جہاں نشان جلال و جمال سے صریحاً محبوب حقیقی کی شان جمالی اور شان جلالی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے خداوند تعالےٰ نے

کی تمام وہ صفات جو عفو و مغفرت ۔ حلم ۔ رافت و رحمت ۔ ربوبیت ۔ رزاقیت وغیرہ کے متعلق ہیں اسکی شان جمالی میں داخل ہیں اور تمام وہ صفتیں جو اسکی قدرت انتقام عقاب جباری اور قہاری وغیرہ کے متعلق ہیں اس کی شان جلالی کہلاتی ہیں ۔ خداوند تعالےٰ کی ان صفات کا کلام الٰہی میں مفصل ذکر ہے ۔ اس کی عزت ۔ وقار ۔ استغنا ۔ غنا اور کبریائی کا ذکر بھی قرآن مجید میں پایا جاتا ہے ۔

صرف عاشقانہ رنگ میں اگر ان اشعار کو لیا جائے ۔ تو بھی مطلب صاف ہے ۔ کوئی دقت پیش نہیں آتی ۔ خواجہ صاحب پھر کہتے ہیں کہ اس بشارت اور خوشخبری کے عوض میں نے اپنی جان اس کے قربان کی ۔ مگر نقد جان بھی کوئی اتنی بڑی قیمتی چیز نہیں اس لئے نادم ہوں کہ میں کچھ نہ کر سکا ۔ عیار بینے چاشنی زر و سیم ۔

مرزا غالب کہتے ہیں ۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۴) ترجمہ ۔ آسمان کی حرکت اور چاند کی گردش کا کیا اختیار ہے ۔ دوست کے اختیار کے مطابق گردش کر رہے ہیں ۔

مشہور ہے کہ دنیا میں جسقدر انقلاب ہوتے ہیں وہ سب آسمان کی گردش اور باقی اجرام فلکی کی حرکات سے وابستہ ہیں ۔ خواجہ صاحب اس شرکت کی اس طرح تردید کرتے ہیں کہ جب آسمان اور چاند خود تیرے تابع فرمان ہیں اور تیری مرضی کے مطابق حرکت کر رہے ہیں تو انکا کیا اختیار ہے اور واقعات پر ان کا کیا اثر ۔ ان القوۃ للہ جمیعاً (بقرہ ع) الشمس والقمر بحسبان (رحمٰن)

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں ۔ کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

(۵) ترجمہ ۔ خدا کا شکر ہے کہ اچھے نصیبوں کی مدد سے دوست کا تمام کاروبار ہمارے مدعا کے مطابق ہے ۔

یہاں شاعر خدا کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ معشوق کے تمام کام اسکے حسب مدعا ہو رہے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے ۔ کہ نظام عالم کا تمام سلسلہ انسان کی ضروریات

کے مطابق چل رہا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند	تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

ھو الذی خلقکم ما فی الارض جمیعاً ثم استویٰ الی السماء فسوّٰھن سبع سمٰوات (بقر) یعنے خدا نے جو کچھ دنیا میں ہے تمہارے لیئے پیدا کیا۔

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دآبۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون (سورہ بقر رکوع ۲۰) یعنی زمین اور آسمان۔ اختلاف لیل و نہار۔ دریا اور جہاز پانی بادل اور ہوا تمام تمہارے فائدے کے لئے ہیں۔

(۶) ترجمہ۔ اگر فتنہ کی ہوا دونوں جہانوں کو درہم برہم کرے تو بھی ہم اور ہماری آنکھوں کا چراغ دوست کے انتظار میں راہ پر ہوگا۔

اگر فتنہ کی آندھی دونو جہانوں کو درہم برہم کرڈے تو بھی ہم اپنی آنکھوں کا چراغ لے کر معشوق کی انتظار میں رستہ پر بیٹھے رہینگے۔ چراغ کا آندھی کے سامنے ٹھیرنا معلوم۔

(۷) ترجمہ۔ اے نسیم صبح موتیوں کا سرمہ میرے پاس لا اس خوش نصیب مٹی کا جہاں سے معشوق گزرا ہے۔

کحل الجواہر ۔ موتیوں کا سرمہ

عاشق ہمیشہ معشوق کے رہگذار کی مٹی کو سرمہ کہتے ہیں اور اسے اپنی آنکھوں میں لگانے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ عارف جامی کہتے ہیں۔

بادِ نسیم مشکسا آبش زلال جانفزا	خاکش بود کحل جلا در دیدہ اہل عیان

نیز دیکھو شعر الف ۵/۴ دت ۱۲/۲ +

(۸) ترجمہ۔ ہم ہیں اور آستان عشق اور سر نیاز دیکھئے خواب خوش کس کو معشوق کے کنار میں لے جائے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے آستانہ عشق پر اپنا سر نیاز رکھا ہوا ہے اور منتظر ہیں کہ خواب خوش کس کو کنار دوست میں پہنچاتی ہے۔

(۹) ترجمہ ۔ دشمن اگر حافظ کے نقصان کا ارادہ کرے تو کیا ڈر۔ الحمد للہ کہ میں دوست کا شرمسار نہیں ہوں۔

اگر دشمن میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ تو کیا ڈر ہے خدا کا شکر ہے۔ کہ میں دوست سے شرمندہ نہیں ہوں۔

غزل (۱۵)

زلفت ہزار دل بہ یکے تار مو بہ بست	۱	راہ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست
تا عاشقاں بہ بوے نسیمش دہند جاں	۲	بکشود نافہ و در ہر آرزو بہ بست
شیدا ازاں شدم کہ نگارم چو ماہ نو	۳	ابرو نمود و جلوہ گری کرد و رو بہ بست
ساقی بچند رنگ مے اندر پیالہ ریخت	۴	ایں نقشہا نگر کہ چہ خوش در کدو بہ بست
یارب چہ سحر کرد صراحی کہ خون خم	۵	با نغمہائے قلقلش اندر گلو بہ بست
دانا چو دید بازی ایں چرخ حقہ باز	۶	ہنگامہ باز چید و در گفتگو بہ بست
مطرب چہ نغمہ ساخت کہ در پردہ سماع	۷	بر اہل وجد و حال در ہای و ہو بہ بست

(۸)	حافظ ہر آنکہ عشق نورزید و وصل خواست احرام طوف کعبۂ دل بے وضو بہ بست	(۸)

(۱) ترجمہ ۔ تیری زلف نے ہزاروں دل ایک بال سے باندھ دیئے اور تمام چارہ گروں کا راستہ تمام طرف سے بند کر دیا۔

تیری زلف نے ہر ایک بال کے ساتھ ہزاروں دل باندھے ہوے ہیں اور تمام

دانا اس بات میں حیران ہیں کہ اس کا کیا علاج کیا جائے مرض عشق لاعلاج ہے چارہ اور چارہ کی خوبی ظاہر۔

(۲) ترجمہ۔ تاکہ عاشق اسکی خوشبو پر جان دیدیں نافہ کھولا اور آرزو کا دروازہ بند کردیا۔

معشوق نے نافہ کھولا ہے۔ اور آرزو کا دروازہ بند کردیا ہے۔ یعنی اپنی صفات کا اظہار کرکے عاشقوں کے دل پر قابو پالیا ہے اور اسطرح ان کو آرزومند کرکے پھر در مقصود ان پر بند کردیا گویا غرض یہ ہے۔ کہ عاشق اسکی خوشبو پر ہی جان دیدیں۔

(۳) ترجمہ۔ میں اس واسطے دیوانہ ہوا۔ کہ میرے معشوق نے ہلال کی طرح ابرو دکھایا جلوہ گری کی اور پھر منہ چھپالیا۔

شیدا - آشفتہ - دیوانہ - پریشان حال۔ **ماہ نو** یعنی ہلال - ہلال کا قاعدہ ہے۔ کہ صرف تھوڑی دیر کے لئے ظاہر ہوکر پھر چھپ جاتا ہے - ہلال کی شکل ابرو سے مشابہ ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے - کہ میرے معشوق نے صرف ابرو دکھایا جلوہ نمائی کی اور پھر منہ چھپالیا۔ اس سبب سے میں پریشان اور دیوانہ ہورہا ہوں۔

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی		بازار خویش و آتش ما تیز مے کنی

محبوب حقیقی نے بھی اپنی صفات کا کچھ اظہار کرکے اپنی ذات کو محض ایک معما بنا رکھا ہے۔ اور دنیا کو اپنے عشق میں دیوانہ کیا ہوا ہے۔

(۴) ترجمہ۔ ساقی نے کتنے رنگوں کے ساتھ پیالہ میں شراب ڈالی یہ نقش دیکھو کہ کدو میں کیسے اچھے نظر آتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق مطلق نے کائنات کی خلقت میں اسقدر رنگ آمیزی کی ہے کہ عالم کثرت و تعینات کے نقش و نگار کی کوئی حد ہی نہیں رہی۔ ظاہر ہے کہ صانع حقیقی نے دنیا میں کتنی مختلف اقسام کے حیوانات نباتات اور جمادات پیدا اسکئے۔ اور ہر ایک میں رنگ و بو شکل و شباہت اور خلق و خو کا کتنا عظیم

فرق ہے۔ کدو جام و صراحی کے کام آتا ہے۔ یہاں مراد آسمان لی جاسکتی ہے
(۵) ترجمہ۔ اے خدا صراحی نے کیا جادو کیا کہ خونِ خم (یعنے شراب) نغمہ ہائے
قلقل کے ساتھ اسکے گلے میں بند ہو گیا۔
قلقل اس آواز کو کہتے ہیں جو صراحی کے منہ سے شراب نکلتے وقت پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ صراحی کا حلق تنگ ہوتا ہے اسلئے شراب رک رک کر نکلتی ہے۔ گویا بند رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آواز قلقل کے باوجود شراب صراحی کے گلے میں رکتا ہے یعنی عارف سالک اگرچہ مے محبت سے پر ہوتا ہے۔ اور اسکا حلق نغمہ ہائے راز و اسرار سے قلقل کر رہا ہوتا ہے۔ پھر بھی رموز عشق اسکے اندر بند رہتے ہیں۔ اور پورے طور سے اور وضاحت سے ظاہر نہیں ہوتے۔
عجیب بات ہے۔
من اعرف ذیہ کل لسانہ۔
(۶) ترجمہ۔ دانا نے جب مکار آسمان کی بازی دیکھی اپنا بساط اٹھالیا اور گفتگو
کا دروازہ بند کرلیا۔
حقہ۔ ڈبیہ جس میں جواہرات وغیرہ رکھتے ہیں۔ حقہ باز۔ بازی گر۔ مداری یہاں مجازاً عیار مکار حیلہ گر۔ ہنگامہ باز چیدن۔ یعنی اپنی بساط اٹھا لینا۔ کھیل بند کر دینا۔
دانا آدمی جب آسمان کی حیلہ گری کو دیکھتا ہے تو اپنی بازی بند کر دیتا ہے اور چپ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عیار اور مکار آدمی کے ساتھ بازی لگانا سراسر نقصان کا موجب ہے۔
(۷) ترجمہ۔ مطرب نے کیا نغمہ سرائی کی کہ سماع کے پردہ میں اہل وجد
وحال پر ہائے وہو کا دروازہ بند کر دیا۔
وجد و حال۔ وجد بمعنے اندوہگین ہونا۔ شیفتہ ہونا۔ اصطلاح میں صوفیوں کے اس ذوق و شوق کی حالت کو کہتے ہیں۔ جو ان پر بوقت سماع طاری

ہو جاتی ہے۔

اہل وجد و حال کا ہای و ہو کرنا مشہور۔ مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حیران ہوں۔ مطرب نے یہ کیسی نغمہ سرائی کی ہے کہ سماع کے وقت اہل وجد کی ہای و ہو بھی بند ہو گئی۔ لفظ پردہ کا تعلق درسے اور پھر سماع سے خالی از لطف نہیں۔

(۸) ترجمہ:۔ اے حافظ جس آدمی نے عشق اختیار نہ کیا اور وصل چاہا اس نے گویا کعبہ دل کا احرام باندھا مگر بے وضو۔

خواجہ صاحب نے یہاں ایک زریں اصول کی تعلیم دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو آدمی بغیر کوشش اور جد و جہد کے اپنا مقصود حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بغیر ریاضت اور محنت کے حصول مدعا کی امید خیال محال ہے

فرما دیا ہے صاف قرآن مجید میں		قسمت میں آدمی کی بجز ماسعی نہیں	

خواجہ صاحب باوجود جبری ہونے کے ترک عمل کی تعلیم نہیں دیتے اور ایسا کرنا صاف نص قرآنی کے خلاف ہے۔ خواجہ صاحب ان بزرگوں میں سے ہیں جو باوجود اس یقین کے کہ انسان کی تمام حرکات و سکنات دست قدرت میں ہیں اس اصول پر نہایت سختی سے کاربند ہیں کہ انسان کو سعی لازم ہے۔ اور بغیر سعی کے امید مفاد محض جنون۔ یہاں خواجہ صاحب نے اس قیمتی اصول کو نہایت اچھے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے اور اپنے کلام میں اور بھی کئی جگہ اس اصول کی تائید کی ہے۔

غزل (۱۶)

مرحبا ای پیک مشتاقان بدہ پیغام دوست	۱	تا کنم جان از سر رغبت فدای نام دوست
والہ و شیداست دائم ہمچو بلبل در قفس	۲	طوطی طبعم ز شوق شکر و بادام دوست
زلف او دام است و خالش دانہ آن دام و من	۳	بر امید دانہ افتادیم اندر دام دوست

سر ز مستی بر نگیرد تا بہ صبح روز حشر	۴	ہر کہ چون من در ازل یک جرعہ خورد از جام دوست
من نوشتم نامۂ از شرح حال خود ولے	۵	درد سر باشد نمودن بیش ازین ابرام دوست
میل من سوئے وصال و قصد او سوئے فراق	۶	ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست
گر دہد دستم کشم در دیدہ ہمچون توتیا	۷	خاک راہی کان مشرف گردد از اقدام دوست

(۸) حافظ اندر درد و غم میسوز و بادرمان مساز
زانکہ درمانے ندارد درد بی درمان دوست (۸)

(۱) ترجمہ ۔ مرحبا اے قاصد عاشقاں معشوق کا پیغام دہ تاکہ میں محبت سے جان کو معشوق کے نام پر قربان کروں ۔

مرحبا ۔ عرب میں مہمان کی تعظیم کے لئے یہ لفظ بولتے ہیں ۔ مرحب بمعنی فراخ ہونا ۔ اصل میں اسطرح ہے ۔ رحیب لک الدار مرحبا ۔ یعنی تیرے لئے گھر فراخ ہوگیا فراخ ہونا ۔

پیغام دوست کی خوشی میں جان دیدینے کے لئے دیکھو شعرت ۱۴/۲

(۲) ترجمہ ۔ پنجرے کی بلبل کی طرح ہمیشہ شیفتہ اور مفتون ہے ۔ میری طبیعت کی طوطی معشوق کے شکر اور بادام کے لئے ۔

والہ ۔ بکسر لام ۔ عربی لفظ ہے ۔ شیفتہ ۔ عشق میں گم گشتہ ۔ مفتون ۔

شکر سے مراد لب اور بادام سے مراد چشم ۔ طوطی اور شکر و بادام کا شوق مشہور ہے ۔

(۳) ترجمہ ۔ اسکی زلف جال ہے ۔ خال دانہ اور ہم مرغ کیطرح انہی کی امید پر معشوق کے جال میں جا پھنسے ۔

مرغ دل کی گرفتاری کے لئے شاعر اکثر معشوق کی زلف کو دام اور اسکے خال کو دانہ سے تشبیہ دیتے ہیں ۔

خال تو دانہ دانہ و زلف تو دام دام	مرغے کہ دانہ چید گرفتار دام شد

(۴) ترجمہ۔ صبح قیامت تک سر بوبہ مستی نہیں اٹھائے گا وہ آدمی جس نے میری طرح عشق دوست کا جام ازل کو پی لیا۔
ازل سے مراد روز میثاق۔ حقیقت یہ ہے کہ جام الست کا نشہ اب تک باقی ہے اور روز حشر تک باقی رہے گا دیکھو شعرت ۲۴ دت ۱۱ +
(۵) ترجمہ۔ میں نے اپنے حال کے بیان میں خط لکھا۔ مگر اس سے زیادہ معشوق کو ملول کرنا باعث سر دردی ہوگا۔
ابرام۔ ملول کرنا۔ استوار کرنا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خط میں اپنے درد دل اور شوق کا حال لکھا ہے۔ مگر مفصل نہ بکا کیونکہ اس سے زیادہ لکھنا معشوق کے لئے موجب تصدیعہ ہوتا۔
(۶) ترجمہ۔ میری رغبت وصال کی طرف اور اسکا ارادہ فرقت کا ہے۔ میں نے اپنے مقصد کو چھوڑا تاکہ دوست کی مقصد برآئی ہو۔
اس شعر میں بھی خواجہ صاحب نے تسلیم و رضا کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہتے ہیں کہ میں نے سب کام معشوق کی رضا پر چھوڑے ہیں۔ گرچہ بظاہر اسکی رضا میرے مقصود کے برخلاف نظر آتی ہے۔ مگر فی الحقیقت میرے فائدہ کے لئے ہیں
(۷) ترجمہ۔ اگر مل جائے تو آنکھوں میں سرمہ کی طرح لگاؤں۔ اس رستے کی مٹی کو جسکو معشوق کے قدموں کا شرف ملا ہو۔
اسی مضمون پر دیکھو شعرت ۱۲
(۸) ترجمہ۔ اے حافظ درد و غم میں جل اور علاج کا خیال نہ کر۔ کیونکہ عشق کے بے علاج درد کی کوئی دوا نہیں۔
خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ درد عشق کا کوئی علاج نہیں۔ اس لئے تو علاج کا فکر نہ کر اور اس درد و غم کو برداشت کر۔ ع

دردلیست درد عشق کہ درماں پدید نیست

پہلے مصرع میں سوز و ساز کی ترکیب اور دوسرے مصرع حروف دال کی کثرت

خواجہ صاحب کی قادر الکلامی پر دال ہے۔

غزل (۱۷)

۱	آن ترک پری چہرہ کہ دوش از بر ما رفت	آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت
۲	تا رفت مرا از نظر آن چشم جہان بین	کس واقف ما نیست کہ از دیدہ چہا رفت
۳	بر شمع نرفت از گذر آتش جان سوز	آن دود کہ از سوز جگر بر سر ما رفت
۴	دور از رخ تو دمبدم از گوشۂ چشمم	سیلاب سرشک آمد و طوفان بلا رفت
۵	از پای فتادیم چو آمد شب ہجران	در درد بماندیم چو از دست دوا رفت
۶	دل گفت وصالش بدعا باز توان یافت	عمریست کہ عمرم ہمہ در کار دعا رفت
۷	احرام چہ بندیم کہ آن قبلہ نہ اینجاست	در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت
۸	دی گفت طبیب از سر حسرت چو مرا دید	ہیہات کہ درد تو ز قانون شفا رفت

(۹) ای دوست بہ پرسیدن حافظ قدمی نہ
زان پیش کہ گویند کہ از دار فنا رفت (۹)

(۱) ترجمہ۔ وہ پری چہرہ معشوق جو کل ہم سے جدا ہو گیا ہماری کیا خطا دیکھی کہ خطا کے راہ سے چلا گیا۔

خطا یا ختا نام شہر مابین ترکستان وچین و توران۔ ترکان خطا یعنے معشوقان خطا مشہور دیکھو شعر $\frac{۳}{۸}$ ب

خواجہ صاحب کا کلام صنائع سے پر ہے مگر تجنیس تام اور تجنیس خطی وغیرہ بالخصوص کثرت سے موجود۔ اگر چہ کو معنے کہ سمجھا جائے تو یہ معنے ہونگے کہ کیا ہماری کسی غلطی پر چپا گیا یا غلطی سے چلا گیا۔

(۲) ترجمہ۔ جب سے وہ چشم جہان بین میری آنکھوں سے دور ہوا۔کسی کو یہ علم نہیں کہ ہماری آنکھوں سے کیا کچھ گیا۔

چشم جہاں بین۔ جہاں کو دیکھنے والی آنکھ۔ آنکھ۔ آنکھوں کا نور۔

چہا۔ یعنی چہ الف زائد برائے مبالغہ

مطلب یہ ہے۔ کہ جب سے میرا معشوق میری آنکھوں سے دور ہوا۔میری آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہے۔

(۳) ترجمہ۔ شمع پر جانسوز آگ کا اتنا اثر نہ ہوا۔جتنا دھواں ہمارے سوز جگر کی وجہ سے ہمارے سر تک چڑھا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ شمع بھی اگرچہ جلتی ہے اور وہ آگ بھی جانسوز ہے مگر ہمارے سوز جگر کے مقابلہ میں وہ کچھ شے نہیں۔ اسکی آگ سے اتنا دھواں نہیں اٹھا جتنا ہمارے سوز جگر سے۔ شمع تو خیر شاعر اپنی آتش دل کو آتش جہنم سے بھی تیز تر بتایا کرتے ہیں۔

اگر پہلے مصرع کو مطابق نسخہ ثانی پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شمع پر آتش دل کا اتنا اثر نہ ہوا جتنا کل الخ۔

(۴) ترجمہ۔ تیرے رخ سے دور ہو کر میری گوشہ چشم سے ہر وقت۔ آنسوؤں کا سیلاب آتا اور بلا کا طوفان جاتا رہا۔

دور از رخ تو۔ دعائیہ فقرہ بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرے مصرع میں آمد و رفت بہت فصیح ہیں۔ دونوں کے معنے ایک ہیں یعنی آنکھوں سے نکلا۔

(۵) ترجمہ۔ جب شب ہجران آئی تو ہم بدحال ہو گئے۔ درد میں مبتلا رہے۔ جب ہاتھ سے دوا نکل گئی۔

یعنی شب فراق کے آنے پر ہم بیکار اور خستہ حال ہو گئے اور چونکہ دوا ہمارے ہاتھ سے نکل چکی تھی اسس لئے درد میں ہی مبتلا رہے۔ دوا سے مراد معشوق کا دیدار۔

ع ۔ دردمندے عشق را دارو بجز دیدار نیست

دست و پا آمد و رفت اور رفت ادیم و بماندیم کے استعمال سے معلوم ہو رہا ہے کہ خواجہ صاحب کو الفاظ کے انتخاب اور بندش میں کسقدر دسترس ہے۔

(۶) ترجمہ ۔ دل نے کہا کہ اس کا وصال دعا سے حاصل ہو جائے گا اس لئے مدت ہوئی کہ میرا تمام وقت دعا میں ہی صرف ہو رہا ہے ۔

عمرو عمر کی لطافت ظاہر ۔ تجنیس ہے ۔

(۷) ترجمہ ۔ ہم احرام کیا باندھیں کہ وہ قبلہ یہاں نہیں ہم کیا کوشش کریں کہ وہ مروہ اور صفا سے بھی آگے نکل گیا ۔

مرو وصفا ۔ یعنی مروہ و صفا ۔ عرب میں خانہ کعبہ کے دروازے کے متصل دو پہاڑیوں کا نام ۔ جن کے درمیان حج کے دن دوڑنا اہل اسلام کے نزدیک ارکان حج میں داخل ہے ۔ **سعی** ۔ (۱) کوشش (۲) حج کے ایک رکن کا نام ہے

احرام ۔ اپنے اوپر بعض مباح اور حلال چیزوں کو خانہ کعبہ کی زیارت کے چند روز پہلے حرام کر لینا ۔ مجازاً ان دو نادوختہ چادروں کا نام ہے جو ایام احرام میں بطور تہ بند اور چادر استعمال ہوتی ہیں ۔

خواجہ صاحب نے یہاں تصوف کا ایک مشہور نکتہ بیان کیا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ اگرچہ ہم کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرتے ہیں اور حج کعبہ بھی مسلمانوں پر فرض ہے ۔ مگر فی الحقیقت کعبہ ہمارا معبود نہیں ۔ اور نہ ہی ہمارا معبود کعبہ میں ہے ۔ اہل باطن کے لئے قبلہ یہ قبلہ نہیں

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں ۔

صوفیائے کرام کے نزدیک انسان کا دل اصلی کعبہ ہے ۔ جہاں محبوب حقیقی کا اصل قیام ہے

کعبہ بنگاہ خلیل آذر است
دل گذرگاہ جلیل اکبر است ۔

مولانا جلال الدین رومی نے اسی مضمون پر کہا ہے ۔

آنانکہ بسر در طلب کعبہ دویدند
چوں عاقبت الامر بمقصود رسیدند

از سنگ یکے خانۂ اعلائے مکرم
اندر وسط وادی بے زرع بدیدند

رفتند درو تاکہ بہ بینند خدارا	بسیار بجستند خدا را نہ بدیدند
چوں معتکف خانہ شدند از سرستی	ناگاہ خطابے ہم ازاں خانہ شنیدند
اے خانہ پرستاں چہ پرستید گل و سنگ	آں خانہ پرستید کہ خاصاں طلبیدند
آں خانہ دل خانہ حق واحد مطلق	خوش وقت کسانیکہ دراں خانہ خزیدند
خوش وقت کسانیکہ چو شمس الحق تبریز	درخانہ نشستند و بیاباں نہ بریدند

(۸) ترجمہ۔ کل لبیب نے جب سے مجھے دیکھا تو حسرت سے کہا۔ کہ افسوس کہ تیرا درد علاج کی حد سے نکل گیا۔

قانون شفا۔ یعنی شفا کا علم۔ علم طب۔ شفا اور قانون دو کتابوں کے نام بھی ہیں جو علم طب میں حکیم بوعلی سینا کی تصنیف سے ہیں۔ خواجہ صاحب کا انتخاب الفاظ ہر جگہ قابل تحسین ہے زور قلم دیکھئے کہ کوئی شعر خالی نہیں جہاں الفاظ کی یہ رعایت اور صنعت موجود نہ ہو۔

(۹) ترجمہ۔ اے دوست حافظ کی بیمار پرسی کے لیے قدم رنجہ فرما پیشتر اسکے کہ لوگ کہیں کہ وہ دنیا سے چل بسا۔

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم	پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

غزل (۱۸)

منم کہ گوشہ میخانہ خانقاہ من است	۱	دعاے پیر مغان ورد صبحگاہ من است
گرم ترانہ چنگ و صبوح نیست چہ باک	۲	نواے من بسحر آہ عذر خواہ من است
ز بادشاہ و گدا فارغم بحمد اللہ	۳	گداے خاک در دوست بادشاہ من است
غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شماست	۴	جز این خیال ندارم خدا گواہ من است
مرا گداے تو بودن ز سلطنت خوشتر	۵	کہ ذل جور و جفاے تو عز و جاہ من است

گر بہ تیغ اجل خیمہ بر کنم ورنہ　　۶　　رمیدن از درِ دولت نہ رسم و راہ من است
ازان زمان کہ برآں آستان نہادم رو　　۷　　فرازِ مسندِ خورشید تکیہ گاہ من است

(۸)　گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ
تو در طریق ادب کوش و گو گناہ من است　(۸)

(۱) **ترجمہ** ۔ میں ہوں کہ گوشۂ میخانہ میرے لئے خانقاہ ہے ۔ پیر مغاں کے حق میں دعا کرنا میرا صبح کا ذکر ہے ۔

خانقاہ ۔ مشائخ اور درویشوں کی رہنے کی جگہ ۔ معرب خانگاہ ۔

(۲) **ترجمہ** ۔ اگر میرے پاس ترانہ چنگ اور شراب صبح نہیں تو کیا ڈر کیونکہ صبح کے وقت میری عذر خواہ آہ ہی میرا ترانہ ہے ۔

چنگ ۔ ایک ساز جس کا سر جھکا ہوا ہوتا ہے ۔ سرنگی ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ میرے پاس شراب صبح نہیں اور نہ ہی چنگ کا آواز ہے ۔ مگر مجھے کیا ڈر ہے ۔ کیونکہ صبح کے وقت جو آہ بطور عذر ناداری و گنہگاری میرے منہ سے نکلتی ہے وہی میرا ترانہ اور سرود ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو تو اپنی عبادت پر بھروسہ ہوگا ۔ مگر مجھے عبادت پر کوئی بھروسہ نہیں صرف اپنے قصور کا اعتراف ہے ۔ جو بطور آہ ظاہر ہوتا ہے

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ۔　　عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش　　کس نتواند کہ بجا آورد　(سعدی)

اور مجھے خدا کی مہربانی پر امید ہے کہ وہ عذر ہی منظور ہو کر عبادت کا کام دے جائیگا

عذر تقصیر خدمت آوردم　　کہ ندارم بطاعت استظہار
عاصیان از گناہ توبہ کنند　　عارفاں از عبادت استغفار　(سعدی)

خدا کی درگاہ میں جتنی عجز و اعتراف گناہ کی قدر ہے اتنی اور کسی شے کی نہیں ۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے　　قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

خواجہ صاحب کو عبادت کے زور و شور کی نسبت اپنی آہوں پر زیادہ اعتبار ہے

غلغل تسبیح شیخ ارچہ مقبول استلیک	آہ دردآلود رنداں را قبول دیگر است

عمر خیام نے بھی اسی مضمون پر کہا ہے

ہر بالاکہ رندے بسحرگاہ زند	از طاعت زاہداں سالوس بہ است

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ت ۱۵/۱

(۳) ترجمہ ۔ میں بادشاہ و گدا سے فارغ ہوں خدا کا شکر ہے دوست کی خاک کا گدا میرا بادشاہ ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق کے آستاں کے غلاموں کا غلام ہوں دنیا کی امارت یا مفلسی میری آنکھوں میں کچھ چیز نہیں ۔

(۴) ترجمہ ۔ مسجد اور بتخانہ سے میری غرض صرف تیرا وصال ہے سوائے اسکے میرا اور کوئی خیال نہیں ۔ خدا گواہ ہے ۔

یہ بھی تصوف کا ایک مشہور اصول ہے کہ اگر عاشق رو و ریا چھوڑ کر سچے دل سے خدا کا طالب ہے ۔ تو اسکے لئے مسجد و دیر ایک چیز ہے دونوں سے اپنا مدعا حاصل کر سکتا ہے اور اگر دل میں صفائی نہیں تو نہ مسجد سے اور نہ بتخانہ سے اسکو فیض کی امید ہو سکتی ہے ۔ دیکھو شعر د ۲۵ ۔

ملا محمد سعید اشرف نے اسی مضمون پر کہا ہے اور خوب کہا ہے

بسیر کعبہ و دیرم گاہ اینجا و گاہ آنجا	کہ مطلب جستجوئے دوست خواہ اینجا و خواہ آنجا

حکایت ۔ علامہ ابوالفضل نے ایک معبد خانہ بلا امتیاز مذہب و ملت عبادت کے لیے ڈل (کشمیر) کے نزدیک بنوایا تھا اور یہ رباعی اپنی دروازہ پر کندہ کرائی

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ	خلقے بتو مشغول و تو غائب ز میانہ
گاہ معتکف مسجد و گاہ ساکن دیرم	یعنی کہ ترا مے طلبم خانہ بہ خانہ

(۵) ترجمہ ۔ میرے لئے تیرا گدا ہونا بادشاہی سے اچھا ہے کیونکہ تیرے جور و جفا کی ذلت میرے لیے عزت اور رتبہ ہے ۔

وہی خیال ہے جو غزل ہذا کے شعر نمبر (۲) میں ہے۔

(۶) **ترجمہ** ۔ ہاں اگر موت کی تلوار سے خیمہ اکھاڑ دوں تو خیر ورنہ اسطرح تو در معشوق سے جانا میرا طریقہ نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک جان تن میں باقی ہے۔ معشوق کے دروازہ سے نہیں ہٹونگا کیونکہ ترک عشق میرے مذہب میں روا نہیں۔ اسی مضمون کے لیے دیکھو شعر ت ۲/۴

(۷) **ترجمہ** ۔ جس وقت میں نے اس آستان پر منہ رکھا ہے سورج کے تکیہ گاہ کی بلندی میرا تکیہ گاہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب سے میں نے عشق اختیار کیا ہے اور اپنے آپ کو معشوق کے دروازہ کی خاک بنایا ہے اس وقت سے میری عزت زیادہ ہوگئی ہے۔ اور میرا رتبہ نہایت عالی ہوگیا ہے۔

(۸) **ترجمہ** ۔ اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے اختیار میں نہ تھا تاہم تو طریق ادب میں کوشش کر اور کہ گناہ میرا ہے

مسئلہ جبر و اختیار پر شعر الف ۳/۲ میں اجمالاً کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اس لیئے اسکا اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ خواجہ صاحب اس شعر میں بھی انسان کے مجبور ہونے پر زور دیتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ہمیں ہمیشہ طریق ادب میں رہنا چاہیئے اور یہی کہنا چاہیئے کہ گناہ ہمارا ہے۔ جبر و اختیار کی تمام بحثوں کا خواہ وہ مذہبی پہلو میں ہوں یا علمی طرز میں نتیجہ یہی ہے کہ انسان مجبور ہے مگر اسکو اسقدر بے باک نہیں ہونا چاہیئے کہ خود کو بالکل بری الذمہ قرار دیدے۔ کیونکہ اس میں مذہبی اور سوشل قواعد کے قیود کی پابندی بالکل نہیں رہتی اسلیئے بہتر یہی ہے کہ آدمی گناہوں کو اپنے ساتھ منسوب کرے۔ خواجہ صاحب نے یہاں اس زریں اصول کی تعلیم دی ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ ہمارے تمام فعل قادر مطلق کے ہاتھ میں ہیں۔ نیکی بدی اسی کے اختیار میں ہے اور اسکی رضا کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ تاہم گناہوں کے لئے اپنے آپ کو ذمہ دار کہنا چاہیئے ان سے بچنے کے لیئے خدا سے دعا مانگنی چاہیئے اور

ان کے سرزد ہونے پر افسوس کرنا چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے +

غزل (۱۹)

لعل سیراب بخون تشنہ لب یار من است	۱	از پی دیدن او دادن جان کار من است
شرم ازان چشم سیاہ بادش و مژگان دراز	۲	ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من است
ساربان رخت بدروازہ مبر کان سر کوہ	۳	شاہراہی ست کہ منزل گہ دلدار من است
بندہ طالع خویشم کہ درین قحط وفا	۴	عشق آن لولی سرمست خریدار من است
طبلہ عطر گل و درج عبیر افشانش	۵	فیض یک شمہ ز بوی خوش عطار من است
باغبان ہمچو نسیمم ز در خویش مران	۶	کاب گلزار تو از اشک چو گلنار من است
شربت قند و گلاب از لب یارم فرمود	۷	نرگس او کہ طبیب دل بیمار من است

(۸) آنکہ در طرز غزل نکتہ بہ حافظ آموخت
یار شیرین سخن نادرہ گفتار من است (۸)

(۱) ترجمہ۔ لعل جو خون سے سیراب ہے وہ بھی میرے معشوق کی لبوں کا تشنہ ہے۔ اسکے دیدار کے لئے جان دینا میرا کام ہے۔

سیراب ۔ ضد تشنہ ۔ جو چیز پانی سے سیر ہو۔

لعل سرخ رنگ کا آبدار پتھر ہوتا ہے۔ گویا لہو سے سیراب ہوتا ہے۔ معشوق کی لبوں کو بوجہ آب اور رنگ کے لعل سے تشبیہ دیتے ہیں۔

شاعر کہتا ہے کہ گرچہ لعل سیراب بخون ہے۔ مگر پھر بھی وہ میرے محبوب کے لبوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ان میں آب اور رنگ اس سے تیز ہے

بعض شارح اس شعر کے معنے اس طرح کرتے ہیں کہ میرے معشوق کا لب لعل

سیراب ہے۔ جو خون کا تشنہ ہے۔ گویا لعل سیراب اور بجزن تشنہ لب یار کی صفتیں ہیں
(۲) ترجمہ۔ اس آدمی کو معشوق کی سیاہ آنکھوں اور مژگان دراز سے شرم آنی چاہیئے۔ جو کہ معشوق کی دلربائی کو دیکھ کر بھی میرا منکر ہو۔
مطلب یہ ہے کہ معشوق کی سیاہ آنکھیں اور لمبی پلکیں ایسی دلربا ہیں کہ ان کو دیکھ کر ہر ایک آدمی کو یقین ہو جانا چاہیئے کہ میرے معشوق کی قوت دلربائی بہت زبردست ہے۔ اور میں نے جو دل ہارا ہے تو مجبور ہو کر۔ اب بھی اگر کوئی میرا منکر ہو تو اسکو معشوق کی سیاہ آنکھوں سے شرم آنی چاہیئے۔
(۳) ترجمہ۔ اے شتربان اسباب دروازہ کی طرف نہ لے جا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی شاہراہ ہے۔ جس پر میرے معشوق کی منزل ہے۔
مطلب صرف یہ ہے کہ اے ساربان جدہر تو جاتا ہے ادہر میرا معشوق نہیں بلکہ وہ اس دوسری طرف ہے۔ سامنے اس پہاڑ کی چوٹی کی طرف چل۔ وہ وہاں ہے
اس شعر میں یہ اشارہ بھی ہے کہ معشوق کی منزل گاہ ہموار میدانوں پر نہیں بلکہ دور بلند اور دشوار گزار منازل کے طے کرنے کے بعد آتی ہے۔
(۴) ترجمہ۔ میں اپنے نصیبوں کا غلام ہوں کہ اس قحط وفا میں۔ اس سرمست معشوق کا عشق میرا خریدار ہے۔
مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں جب کہ وفا کا نام بھی دنیا میں باقی نہیں رہا میں اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوں کہ میرے معشوق کا عشق خود میرا طالب ہے۔
لفظ لولی کی تحقیق کے لیے دیکھو شعر الف ۱/۲ یہاں بمعنے معشوق۔
(۵) ترجمہ۔ عطر گل کی ڈبیہ اور اسکی عبیر افشاں درج میرے عطار کی خوشبو کا تھوڑا سا فیض ہے۔
طبلہ ۔ چھوٹا صندوقچہ **درج** ۔ صندوقچہ وطبلہ جس میں زیور وغیرہ رکھا جاتا ہے۔ **عبیر** ۔ ایک خوشبو جو صندل گلاب اور مشک سے بنتی ہے
شمہ ۔ تھوڑی سی خوشبو۔ ایک دفعہ سونگھنا۔

وہی خیال ہے جو شعرت ۳ اور شعرت ۴ میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پھولوں میں رنگ و بو اسی کے فیض سے ہے۔ وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

(۶) ترجمہ۔ اے باغبان بادِ نسیم کی طرح مجھ کو اپنے دروازہ سے نہ ہٹا۔ کیونکہ تیرے باغ کی رونق میرے سرخ آنسوؤں کی وجہ سے ہے۔

نسیم ۔ بادِ نرم ۔ خوشبودار ہوا ۔ گلنار ۔ گل انار

آب گلزار اور اشک گلنار کی فصاحت ظاہر۔ باغ کے لئے یوں بھی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے لئے عاشق کی آنکھوں کا سیلاب ضروری اور گلزار کی رونق بھی سرخ پھولوں سے ہوتی ہے جس کے لئے عاشق کے آنسوؤں کے گل انار لابد۔ یہاں شاعر نے کثرت گریہ اور ساتھ ہی خون گریستن کا کیا اچھا سین دکھایا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ معشوق کی لبوں کا قند و گلاب کا شربت میرے لئے تجویز فرمایا۔ اسکی نرگس چشم نے جو کہ میرے دل بیمار کی طبیب ہے۔

فرمود کا فاعل نرگس ۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کی چشم بیمار نے جو میرے دل بیمار کی طبیب ہے۔ میرے درد دل کے لئے جو نسخہ تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ معشوق کے شیریں لبوں کا بوسہ لوں۔ ممکن ہے معشوق نے اشارہ چشم سے بوسہ کی اجازت دی ہو۔ خواجہ صاحب کا ڈاکٹر اس نسخہ میں ایک جز بھول گیا۔ جو شعر دنبے میں پھر پورا کیا۔

قند آمیختہ باگل نہ علاج دل ماست
بوسہ چندے بیامیز بہ دشنامے چند

(۸) ترجمہ۔ جس نے غزل گوئی میں حافظ کو یہ نکتہ سکھایا وہ میرا خوش گفتار شیریں سخن معشوق ہے۔

مشہور بات ہے کہ شاعر کے کلام میں جب تک سوز نہ ہو۔ موثر نہیں ہوتا اور جب تک شاعر کے دل میں سوز عشق نہ ہو کلام میں سوز نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ شاعر کا غزل گوئی میں استاد اس کا معشوق ہوتا ہے۔

غزل (۲۰)

۱	روزگاریست کہ سودائے بتان دین من است	غم این کار نشاط دل غمگین من است
۲	دیدن روئے ترا دیدۂ جان مے باید	وین کجا مرتبۂ چشم جہان بین من است
۳	تا مرا عشق تو تعلیم سخن کردن گفت	خلق را ورد زبان مدحت و تحسین من است
۴	دولت فقر خدایا بمن ارزانی دار	کین کرامت سبب حشمت و تمکین من است
۵	واعظ شحنہ شناس این عظمت گو مفروش	زانکہ منزلگہ سلطان دل مسکین من است
۶	یارب این کعبۂ مقصود زیارت گہ کیست	کہ مغیلان طریقش گل و نسرین من است
۷	یار ما باش کہ زیب فلک و زینت دہر	از مہ روے تو و اشک چو پروین من است

(۸) حافظ از حشمت پرویز دگر قصہ مخوان
کہ لبش جرعہ کش خسرو شیرین من است (۸)

(۱) ترجمہ ۔ مدت ہوئی کہ معشوقوں کا سودا میرا مذہب ہو گیا ہے ۔ اس کام کا غم میرے غمگین دل کی خوشی ہے ۔

مطلب صاف ہے مدت سے میں عشق کو اپنا مذہب بنالیا ہے اور عشق میں جتنی تکلفیں ہوتی ہیں وہ میرے لئے راحت کا باعث ہیں ۔

(۲) ترجمہ ۔ تیرے چہرے کو دیکھنے کے لیئے دل کی آنکھ چاہیئے میری جہان کو دیکھنے والی آنکھ کا یہ مرتبہ کہاں ہے ۔

ع ۔ ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

قرآن مجید میں آیا ہے ۔ لا تدرکہ الابصار ۔ یعنے آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں ۔

(۳) ترجمہ ۔ جب سے تیرے عشق نے مجھے سخن سنجی کی تعلیم دی ۔ خلقت نے

میری تعریف کو ورد زبان بنالیا ہے ۔

وہی خیال ہے جو شعرت ۱۹ میں ہے

(۴) ترجمہ ۔ اے خدا فقر کی دولت مجھ پر زیادہ کر کیونکہ یہ بزرگی میری حشمت و تمکین کا سبب ہے ۔

وہی خیال ہے جو شعرت ۱۹ میں ہے ۔

حدیث الفقر فخری کا مضمون بھی یہی ہے ۔

(۵) ترجمہ ۔ اے واعظ حاکم شناس اپنی عظمت نہ بیچ ۔ کیونکہ میرا مسکین دل سلطان کی منزل گاہ ہے ۔

شحنہ ۔ بکسر اول وہ آدمی جسکو بادشاہ ضبط و سیاست کے لیے شہر میں مقرر کرے کوتوال ۔ حاکم ۔ **عَظَمَت** ۔ بہ سہ اول مفتوح ۔ بزرگی ۔ قدر ۔ عُظمت پڑھنا غلط ہے

مطلب یہ ہے ۔ کہ اے واعظ تو اپنی عظمت ہم کو نہ دکھا اور اپنی بزرگی کا اظہار نہ کر ۔ کیونکہ ہم اگرچہ فقیر ہیں مگر ہمارا دل بادشاہ کی منزل ہے ۔ ع

دل گذرگاہ جلیل اکبر ہست

اس لئے ہم کو بنظر حقارت نہ دیکھ اور اپنی بزرگی نہ جتا ۔ واعظ کو شحنہ شناس طنزاً کہا ہے ۔ اشارہ ہے کہ واعظ بوجہ کوتوال شہر کی دوستی کے منکر و نواہی میں معروف ہے اور اسے کوئی نہیں پوچھتا ۔ صرف بظاہر پارسا شکل ہے ۔ اور اپنی بزرگی بیچ رہا ہے یعنی ریاکاری کر رہا ہے ۔ مقابلہ بھی منظور ہے ۔ یعنی واعظ تو صرف کوتوال کا دوست ہے ہم بادشاہ کے دوست ہیں ۔ جس نے کوتوال کو حکومت دی ۔

(۶) ترجمہ ۔ اے خدا میرا کعبہ مقصود کس کی جلوہ گاہ ہے کہ اسکے رستے کے کانٹے بھی میرے لئے گل و نسرین ہیں ۔

نسرین ۔ سفید خوشبودار پھول ۔ جسے نسترن بھی کہتے ہیں ۔

مطلب یہ ہے کہ جس منزل مقصود کی طرف ہم جا رہے ہیں ۔ وہ کس معشوق کی جلوہ گاہ ہے ۔ کہ اسکے وصال کے شوق میں ہم کو رستے کے کانٹے بھی پھول دکھائی دیتے تھے اور

ہم راہ کی تکالیف کو بڑی خوشی سے برداشت کرتے چلے جا رہے ہیں۔
(۷) **ترجمہ** ۔ ہمارا دوست رہ کیونکہ آسمان کا زیب اور زمانے کی زینت تیرے چاند جیسے چہرہ اور میرے پروین جیسے آنسوؤں سے ہے۔
پروین ۔ چھوٹے چھوٹے ستارے جو ایک جگہ ہوتے ہیں اور موسم سرما میں شروع رات میں ظاہر ہوتے ہیں۔
معشوق کے چہرہ کو ہمیشہ چاند سے تشبیہ دیتے ہیں ۔یہاں خواجہ صاحب نے اپنے آنسوؤں کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے ۔ اور کہا ہے کہ زمانہ کی رونق اور زینت کے لئے جیسا تیرے چہرہ کی ضرورت ہے اسی طرح میری آنسوؤں کی بھی ضرورت ہے۔ جسطرح آسمان کو چاند اور ستارے دونو ضروری ہیں۔ لقد زینا السماء بمصابیح ۔مطلب یہ ہے کہ عاشق ومعشوق دونو عالم عشق کی رونق کے لئے ضروری ہیں ۔ دنیا کی زیب وزینت کی ابتدا بھی یہی ہوئی کہ حسن مطلق نے اپنا اظہار چاہا اور عاشق کی خواہش کی اس لئے کائنات کو پیدا کیا ورنہ پہلے کیا تھا ۔ الدہی الدہ تھا۔
(۸) **ترجمہ** ۔ اے حافظ پرویز کی حشمت کا پھر ذکر نہ کرنا کیونکہ اس کے لب میرے خسرو شیریں کے جرعہ کش ہیں۔
پرویز ۔ ایک بادشاہ کا نام ہے ۔جس کو خسرو بھی کہتے تھے وہ شیریں کا عاشق تھا وہ ہرمز بن نوشیران کا لڑکا تھا ۔ دوسرے خسرو سے تمیز کے لئے اسکو خسرو شیریں کہتے ہیں
خسرو ۔ بالضم ۔ سیاؤش بن کیکاؤس کا نام ہے اور پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کا نام بھی ہے ۔مجازاً ہر بادشاہ کو کہتے ہیں ۔ **شیریں** ۔ خسرو پرویز کی معشوقہ اور ملکہ فرہاد بھی اس پر عاشق تھا۔
مطلب یہ ہے کہ میرے ممدوح کے مقابلے میں پرویز کی کچھ قدر نہیں ہے۔ وہ اسکے دریائے فیض سے گھونٹ پانی پینے والا ہے۔
پرویز ۔خسرو ۔شیریں کی رعایت ظاہر۔

غزل (۲۱)

ای شاہد قدسی کہ کشد بند نقابت	۱	وی مرغ بہشتی کہ دہد دانہ و آبت
خوابم بشد از دیدہ درین فکر جگر سوز	۲	کاغوش کہ شد منزل آسائش و خوابت
درویش نمی پرسی و ترسم کہ نباشد	۳	اندیشہ آمرزش و پروای ثوابت
راہ دل عشاق زد آن چشم خماری	۴	پیداست ازین شیوہ کہ مست است شرابت
تیری کہ زدی بر دلم از غمزہ خطا رفت	۵	تا باز چہ اندیشہ کند رای صوابت
ہر نالہ و فریاد کہ کردم نشنیدی	۶	پیداست نگارا کہ بلند است جنابت
ای قصر دل افروز کہ منزلگہ انسی	۷	یارب مکناد آفت ایام خرابت
دور است سر آب درین بادیہ ہشدار	۸	تا غول بیابان نفریبد بسرابت
تا در رہ پیری بچہ آئین روی ای دل	۹	باری بغلط صرف شد ایام شبابت

(۱۰) حافظ نہ غلامیست کہ از خواجہ گریزد
لطفی کن و باز آ کہ خرابم ز عتابت (۱۰)

(۱) ترجمہ ۔ اے معشوق قدسی کون تیرے نقاب کے بند کھولے اور اے بہشتی پرندے کون تجھے آب و دانہ دے ۔ (یا کھولتا ہے ۔ دیتا ہے)

قدسی ۔ پاک ۔ یہ لفظ عموماً فرشتوں اور اولیائے کرام کے لیے بولتے ہیں ۔ اس شعر میں صرف معشوق کے دیدار اور قرب کا شوق ظاہر کیا گیا ہے ۔

(۲) ترجمہ ۔ اس جگر کو جلانے والے فکر میں میری آنکھوں سے نیند اڑ گئی ۔ کہ کس شخص کی آغوش تیرے آرام اور نیند کی جگہ ہے ۔

بعض شارح کہتے ہیں کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے اپنی منکوحہ کے ناراض ہوکر

اپنے باپ کے گھر چلے جانے پر لکھی تھی اور اس رائے کی دلیل میں غزل ہذا کا مصرع آخیر پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ خیال محض فضول اور بے ہودہ ہے۔ کیا ایک منکوحہ کے حق میں ایسے خیالات ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جو خواجہ صاحب نے شعر ہذا میں ظاہر کئے ہیں بعض لوگوں کو یہ شوق ہوتا ہے کہ ہر ایک غزل کو کسی نہ کسی خاص واقعہ کی طرف منسوب کریں اور اس مشق واقعہ نگاری میں کئی دفعہ ایسی ہی ناپاک اور مضحکہ خیز روائتیں بیان کر دیتے ہیں یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خواجہ صاحب کا کلام عشقیہ ہے۔ جو تصوف کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ جیسے ہر شعر اور ہر غزل کو محبوب حقیقی یا مرشد کامل سے منسوب نہیں کر سکتے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ ہر جگہ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ عشقیہ کلام ہے۔ جس طرح جی چاہے دیکھئے اور اپنے مذاق کے مطابق اس سے حظ اٹھائیے۔

(۳) ترجمہ۔ تو درویشوں کی پرسشِ حال نہیں کرتا مجھے ڈر ہے کہ تجھے مغفرت کا خیال اور ثواب کی پرواہ نہیں ہے۔

ثواب۔ یعنے مزد۔ جزائے خیر۔ لفظ صواب سے اس لفظ کی تمیز ضروری ہے۔ صواب ضد خطا ہے۔ یعنے اچھا کام۔ راست کام۔ ثواب اچھے کاموں کی جزا

درویش سنے پرسی کی ترکیب مشکوک ہے۔ غالباً درویش کے بعد کاسرہ ضرورت شعری کے لئے حذف کیا گیا ہے۔

(۴) ترجمہ۔ اس چشم خماری نے عاشقوں کے دل کی رہزنی کی اس شیوہ سے ظاہر ہے۔ کہ تیری شراب مست ہے۔

یعنی تیری مست آنکھوں نے عاشقوں کے دلوں کو لوٹ لیا ہے۔ ان کو بیقرار کر دیا ہے۔ اور بے خود۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تیری شراب میں مستی ہے۔ جسکی وجہ سے تیری آنکھوں میں مستی آئی اور انہوں نے بحالت مستی رہزنی کی۔ اور اس مستی کا اثر دل عشاق پر یہ ہوا کہ وہ بھی مست ہو گئے۔ اور بے خود ہو گئے۔ گویا صرف شراب انگور ہی میں ہی مستی نہیں بلکہ شراب محبت میں بھی مستی ثابت ہے۔

(۵) ترجمہ ۔ وہ تیر غمزہ جو تو نے میرے دل پر مارا خطا ہو گیا۔ دیکھئے کہ تیری درست رائے کا اب کیا خیال ہے۔

خطا رفت ۔ یعنی نشانہ پر نہ بیٹھا۔ خطا اور صواب ایک دوسرے کی ضدیں ہیں کس خوبی سے خواجہ صاحب نے ان کا استعمال کیا ہے۔ دراصل ایک تیر کے خطا ہونے پر عاشق دوسرے تیر کی درخواست کرتا ہے۔ جو بالکل نشانہ پر جا لگے۔

(۶) ترجمہ ۔ جو نالہ و فریاد میں نے کی تو نے نہ سنی اے معشوق اس سے ظاہر ہے کہ تیری درگاہ بلند ہے۔

جناب ۔ بفتح درگاہ و آستانہ ۔ گرداگرد سرائے ۔ ماخوذ از جنب بمعنے پہلو و کنارہ بالضم غلط ہے۔

قاعدہ ہے کہ جتنی کوئی جگہ بلند ہو گی اتنی ہی آواز وہاں کم پہنچیگی ۔ خواجہ صاحب کی فریاد چونکہ نہیں سنی گئی اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ معشوق کی بارگاہ عالی ہے وہاں آواز نہیں پہنچتی ۔ صنعت تعلیل ہے

(۷) ترجمہ ۔ اے دل افروز محل تو محبت کی منزل گاہ ہے ۔ خدا کرے کہ زمانہ کی آفت تجھے خراب نہ کرے۔

الُنس ۔ بالضم ۔ الفت ۔ ارام ۔ **آفت ایام** بمعنے حوادث روزگار۔

دل افروز ۔ دل کو خوش کرنے والا ۔ طبیعت کو راحت بخشنے والا۔

معشوق کی منزل کی طرف اشارہ ہے ۔ یا دل کی طرف کیونکہ دل بھی معشوق کی منزل ہے ۔ مگر دل کو قصر دل افروز کہنا چنداں فصیح نہیں ۔ لفظ خراب جب مکان کی نسبت بولا جائے تو بمعنے ویران ۔

(۸) اس صحرا میں پانی کا چشمہ دور ہے ہوش رکھ ۔ تاکہ غول بیابان تجھے سراب کا دھوکہ نہ دے۔

غول ۔ واو معروف ۔ ایک قسم کے جن اور دیو جو صحرا اور پہاڑوں میں ہوتے ہیں ۔ جو شکل چاہیں اختیار کر لیتے ہیں ۔ مسافروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

سراب - بالفتح - موسم گرما میں پیاسے مسافروں کو صحرا میں تابش آفتاب کی وجہ سے جو ریگ صحرا دور سے پانی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی چاندنی رات میں بھی سراب نظر آتا ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ طریق عشق میں تیری منزل مقصود بہت دور ہے۔ ذرا ہوش سے چل۔ تاکہ شیطان تجھ کو دھوکہ دے کر کسی اور طرف نہ لے جائے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

اے بسا شیطان کہ آدم صورت است	پس بہر دستے نباید داد دست

غول بیاباں کی طرح شیطان ہر صورت اختیار کر کے انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سراب دکھا کر اور پانی بتا کر انکو غلط راہوں پر ڈالتا ہے۔ ایسے اعمال جو حقیقت میں تباہی کا موجب ہوتے ہیں ان کو اچھی صورت میں پیش کر کے انسان کو ان کی ترغیب دیتا ہے۔

والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً۔ حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئا (اور وہ لوگ جو کافر ہو گئے انکے اعمال سراب کی مانند ہیں ہموار میدانوں میں پیاسا اسکو پانی سمجھتا ہے۔ حتے کہ نزدیک جا کر دیکھتا ہے کہ کچھ چیز نہیں ہے) (سورہ نور)

فزین لھم الشیطان اعمالھم (سورہ نحل رکوع ۸) واذ زین لھم الشیطان اعمالھم (انفال رکوع ۶) وما یعدھم الشیطان الا غرورا (سورہ النساء رکوع ۱۸)

اسی مضمون پر ہیں۔ نیز دیکھو شعر ت ۲۶/۸

(۹) **ترجمہ** - اے دل دیکھئے تو بڑھاپے کی راہ میں کس طرح چلتا ہے۔ ایام جوانی کو تو تو نے غلط صرف کیا۔

ناصحانہ انداز ہے۔ مطلب صاف ہے۔

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی	شاید ایں پنج روز دریابی

(۱۰) **ترجمہ** - حافظ ایسا غلام نہیں جو مالک سے بھاگ جائے۔ مہربانی کر واپس آ

کہ میں تیرے عتاب سے خستہ حال ہوں

عتاب ۔ بکسر ۔ ملامت ۔ غصہ ۔ ناز

غزل (۲۲)

باغ مرا چہ حاجت سرو و صنوبر است	۱	شمشاد سایہ پرور من از کہ کمتر است
اے نازنین پسر تو چہ مذہب گرفتۂ	۲	کت خون ما حلال تر از شیر مادر است
چون نقش غم ز دور بہ بینی شراب خواہ	۳	تشخیص کردہ ایم و مداوا مقرر است
یک قصہ بیش نیست غم عشق واین عجب	۴	از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است
از آستان پیر مغان سر چرا کشیم	۵	دولت درین سرا و کشائش درین در است
دی وعدہ داد وصلم و در سر شراب داشت	۶	امروز تا چہ گوید و بازش چہ در سر است
ما آبروے فقر و قناعت نمے بریم	۷	با بادشاہ بگوی کہ روزی مقدر است
شیراز و آب رکنی و آن باد خوش نسیم	۸	عیبش مکن کہ خال رخ ہفت کشور است
فرق است ز آب خضر کہ ظلمات جائے اوست	۹	تا آب ما کہ منبع اش اللہ اکبر است
در کوے ما شکستہ دلی میخرند و بس	۱۰	بازار خود فروشی ازاں سوئے دیگر است

(۱۱) حافظ چہ طرفہ شاخ نباتیست کلک تو
کش میوہ دلپذیر تر از شہد و شکر است (۱۱)

(۱) ترجمہ ۔ میرے باغ کو سرو و صنوبر کی کیا حاجت میرا نازپروردہ شمشاد کس سے کم ہے ۔

سرو **وصنوبر** کی تحقیق شعر الف ۲ میں گزر چکی ہے ۔ **شمشاد** ۔ بالکسر

ایک درخت کا نام ہے جو بلند اور خوشنما ہوتا ہے۔ لکڑی مضبوط۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ سرو کی ایک قسم ہے۔ بعض ریحان بھی استعمال کرتے ہیں اسکے پتوں کو بوجہ باریکی اور ہجوم کے معشوق کے بالوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بعض دفعہ موئے خط کو بھی کہتے ہیں۔

سایہ پرور۔ سایہ پرورد اور سایہ رست۔ ناز و نعمت کا پلا ہوا۔

مطلب صاف ہے۔ میرا ناز پروردہ معشوق قد و قامت میں سرو و صنوبر سے کم نہیں۔ بلکہ زیادہ ہے۔

(۲) **ترجمہ**۔ اے نازنین لڑکے تو نے کون سا مذہب اختیار کیا ہے تیرے نزدیک ہمارا خون شیر مادر سے بھی زیادہ جائز ہے۔

نازنین پسر۔ معشوق۔ خون کسی مذہب میں حلال نہیں۔ خواجہ صاحب معشوق سے پوچھتے ہیں کہ تیرا مذہب کیا ہے۔ کہ تیرے نزدیک ہمارا خون ماں کے دودھ سے بھی زیادہ حلال ہے۔

(۳) **ترجمہ**۔ جب تو غم کا نقش دور سے دیکھے تو شراب طلب کر ہم نے تشخیص کی ہوئی ہے اور دوا مقرر ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب حوادثات کا ذرا سا اثر بھی تو اپنے دل پر ہوتا دیکھے۔ تو فوراً شراب پی۔ کیونکہ ہم نے اس مرض کی تشخیص کی ہوئی ہے اور اسکی دوا بھی مقرر ہے۔ اور مجرب۔ مزید شرح کیلئے دیکھو شرح شعر الف ۱/۱ اور شعر الف ۱۳/۱ ت ۱/۲

طوفانِ غم ار در آید از پیش و پست
در بادہ گریز کشتی نوح تو اوست

(۴) **ترجمہ**۔ غم عشق کا حرف ایک ہی قصہ ہے۔ مگر تعجب ہے۔ کہ جس سے سنتا ہوں مکرر معلوم نہیں ہوتا۔

خواجہ صاحب نے اس شعر میں انسانی دل کی ایک عجیب کیفیت کا ذکر کیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک کہانی کسی سے سن لی جائے تو دوبارہ سننے میں وہ مزا نہیں رہتا۔ مگر داستان عشق ایسی دلچسپ ہے۔ کہ کئی بار سنو۔ کئی زبانوں سے سنیں۔ مگر ہر دفعہ نئی معلوم ہوتی ہے اور بیش از بیش دلچسپ۔ وجہ یہ ہے کہ باقی داستانیں دل سے اتنا تعلق نہیں رکھتیں۔ جتنا

داستان عشق - کیونکہ داستان عشق گرچہ لیلی مجنون کا قصہ ہی ہو - اسکے واقعات کی مثالیں ہر دل میں پائی جاتی ہیں اور جو واردات عشق ہو سننے والے کے تجربہ میں موجود - اسی واسطے شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے کہا ہے - کہ "در عنفوانِ جوانی چنانکہ افتد و **بدانی**" یہ بدانی تکرار داستان عشق کو بے مزہ نہیں ہونے دیتی - یہ کیفیت داستان عشق سے ہی مخصوص ہے - نظیری نیشاپوری کا شعر ہے -

ہماں عشق است برخود بستہ چندیں داستاں ورنہ		کسے بر معنی یک حرف صد دفتر نے سازد

قریباً اسی مضمون پر ہے -

تا طفل کم سواد و سبق قصہ ہائے دوست		صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم		

مولانا جامی نے بھی دل کی یہی کیفیت بیان کی ہے -

صد رہ حکایت تو بپایاں اگر رسد		خواہم کہ بار دیگر از آغاز بشنوم		

(۵) ترجمہ - پیر مغاں کے آستانہ سے میں سر کیوں ہٹاؤں دولت اسی گھر میں ہے - اور کشایش اسی دروازہ میں -

آستان - در اور سرا - کی رعایت ظاہر - دولت کو گھر سے اور کشایش کو دروازہ سے نسبت کرنے کی لطافت ظاہر -

(۶) ترجمہ - کل مجھ سے وصل کا وعدہ کیا اور سر میں شراب تھا - دیکھئے آج کیا کہتا ہے اور اسکے سر میں کیا ہے -

مطلب یہ ہے - کہ کل معشوق نے مجھ سے وصال کا وعدہ کیا اور وہ نشہ میں مست - دیکھئے آج کیا کہتا ہے - اور اسکے دل میں کیا خیال ہے - شاعر کو وعدۂ دی پر اعتبار نہیں - کیونکہ وہ نشہ کی حالت میں ہوا تھا -

دی سے مراد اگر روز میثاق لی جائے تو شراب سے شراب عشق مراد ہو گی بقول حدیث قدسی "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" - دیکھو شعر الف ۱ - در سر داشت و در سر ہست کا تخالف معانی ظاہر - صنعت تجنیس -

(۷) ترجمہ ۔ ہم فقر اور صبر کی بے عزتی نہیں کرتے ۔ بادشاہ کو جا کر کہدو کہ روزی تو نصیبوں میں مقدر ہے ۔

خواجہ صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قناعت پسند تھے اور اپنے وقت کے بادشاہوں سے صلہ و انعام کی چنداں توقع نہ رکھتے تھے ۔ مولوی شبلی مرحوم نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ انکے تمام معاصرین بلکہ پیشتر و نہایت ذلیل اور کمینہ طریقوں سے کام لیتے تھے ۔ انوری ۔ ظہیر فاریابی سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے ۔لیکن سب کا یہ حال تھا ۔ کہ کسی کی مدح لکھی اور اس نے صلہ کم دیا ۔ یا دیر لگائی تو ہجو شروع کر دیتے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچاتے تھے ۔ کہ تہذیب و شائستگی آنکھ بند کر لیتی تھی ۔ خواجہ صاحب اس سفلہ پنی سے بری ہیں وہ مدح لکھتے ہیں ۔ صلہ ملا ۔ تو بہتر ورنہ یہ کہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر میں نہ تھا ۔ کبھی کبھی ہلکا سا تقاضا بھی کرتے ہیں ۔ لیکن نہایت لطیف پیرایہ میں" ۔ اس شعر میں بھی خواجہ صاحب نے اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ سے مانگ کر یا مدح کے صلہ میں تقاضا کر کے کچھ لینا فقر و قناعت کی بے عزتی کرنا ہے ۔ روزی جتنی نصیب میں ہوتی ہے مل جاتی ہے ۔ کیا ضرورت ہے کہ بادشاہوں اور امیروں کے آگے جا کر آدمی دست بر سینہ کھڑا ہو اور انعام و اکرام کی امید رکھے ۔

(۸) ترجمہ ۔ شیراز نہر رکنا باد اور وہ خوشگوار ہوا ۔ اس کی عیب جوئی نہ کر کیونکہ وہ دنیا کے چہرہ پر خال ہے ۔

آب رکنی ۔ آب رکنا باد ۔ ایک چشمہ ہے ۔ شیراز کی مشہور سیر گاہ ہے ۔ اب تو معمولی نہر رہ گئی ہے ۔ خواجہ صاحب کے زمانے میں وسیع چشمہ تھا ۔ جہاں دوست احباب کی صحبتیں ہوتی تھی ۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں ۔ کہ شیراز بوجہ اپنی آب و ہوا کے دنیا کا ایک بہترین مقام ہے ۔ یہ خواجہ حافظ کی حب الوطنی ہے ۔

(۹) ترجمہ ۔ آب خضر کی جگہ ظلمات ہے ۔ اور ہماری نہر جسکا منبع اللہ اکبر ہے

ان میں بڑا فرق ہے۔

آب خضر۔ چشمہ آب حیات۔ بوجہ خضر کے اس چشمہ سے پانی پینے کے نام ہوا۔ سکندر نامہ میں سکندر اور خضر کا آب حیات کی تلاش میں گھر سے نکلنے کا قصہ مفصل درج ہے۔ لکھا ہے کہ وہ ظلمات میں ہے۔ یعنی میلوں اسکے گرد اندھیرا ہی اور کچھہ نظر نہیں آتا۔

اللہ اکبر۔ نہر رکنا باد کے منبع کا نام ہے۔

مطلب یہ ہے۔ آب حیات جو ظلمات میں ہے اور جس سے کسی کو فائدہ ہی نہیں۔ ہماری نہر رکنا باد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جس کا منبع موجود ہے اور جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ عشق الٰہی جس کا سرچشمہ اللہ اکبر ہے۔ وہی حقیقی معنوں میں آب حیات ہے۔ جس سے انسان کو حیات جاوید نصیب ہوتی ہے۔ چشمہ خضر میں کیا دھرا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

(۱۰) **ترجمہ۔** ہمارے کوچہ میں صرف شکستہ دلی خریدتے ہیں اور بس۔ خود فروشی کا بازار اسی لئے دوسری طرف واقع ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ رندوں کے مشرب میں صرف شکستہ دلی کی قیمت ہی اور ہم لوگ اسی چیز کو زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ اس لیئے ریاکار آدمیوں کا ہمارے مشرب سے کچھہ تعلق نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ گو بظاہر خستہ حال نظر آتے ہیں مگر ان کے دلوں میں درد بالکل نہیں ہوتا۔ ان کا زہد صرف لباس تک ہے۔ شکستہ دلی سے مراد عشق میں شکستہ دل ہونا۔ یعنی دل میں عشق کا درد ہونا۔ شکستہ دل کا خدا ہی خریدار ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ وہ آئینہ نہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

کوی دسوی اور خرید و فروخت کا مقابلہ لطیف ہے۔ دیکھو شعرت ۲۹/۳

(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ تیرا قلم کیا عجیب قند کی شاخ ہے۔ کہ اسکا میوہ شہد و شکر سے زیادہ دلپسند ہے۔

شاخ نبات ۔ مصری کے کوزوں میں تاگے کے شاخ کی طرح جو چیز بنی ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب کی معشوقہ کا نام بھی کہتے ہیں کہ یہی تھا۔

یہ شعر بھی حسب معمول شعرا خواجہ صاحب نے فخریہ کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری قلم طبرزد کا گویا ایک درخت ہے جسکا میوہ شہد و شکر سے بھی زیادہ لذیذ ہے یعنی میرا کلام نہایت مقبول اور دلپذیر ہے ◆

غزل (۲۳)

شگفتہ شد گل حمرا و گشت بلبل مست	۱	صلای سرخوشی اے عاشقان بادہ پرست
اساس توبہ کہ در محکمی چو سنگ نمود	۲	ببین کہ جام زجاجی چگونہ اش بشکست
بیار بادہ کہ در بارگاہ استغنا	۳	چہ پاسبان و چہ سلطان و چہ ہوشیار و چہ مست
ازین رباط دو در چون ضرورت ست رحیل	۴	رواق طاق معیشت چہ سر بلند و چہ پست
مقام عیش میسر نمے شود بے رنج	۵	بلے بحکم بلا بستہ اند روز الست
بہ ہست و نیست مرنجان ضمیر و خوش می باش	۶	کہ نیستی ست سرانجام ہر کمال کہ ہست
شکوہ آصفی و اسپ باد و منطق طیر	۷	بباد رفت و ازان خواجہ ہیچ طرف نہ بست
ببال و پر مرو از راہ کہ تیر پرتابے	۸	ہوا گرفت زمانے و لے بخاک نشست

(۹)	زبان کلک تو حافظ چہ شکر آن گوید کہ تحفہ سخنش مے برند دست بدست	(۹)

(۱) ترجمہ - گل سرخ کھلا اور بلبل مست ہوگئی لے بادہ پرست عاشقو سرخوشی کی صلا ہے

حمرا - سرخ رنگ عورت - کوئی سرخ رنگ شے - گلِ حمرا - گلِ سرخ - گلِ احمر - گلِ گلاب - گلاب کے پھول کو کہتے ہیں - صلا - کوئی چیز دینے کے لئے کسی کو بلانا مطلق آواز - سرخوش - وہ آدمی جو نشہ شراب سے خوشحال ہو اور اسکی مستی حد اعتدال میں ہو - مستی کے کئی درجے ہیں - (۱) سرخوش (۲) تردماغ (۳) سیہ مست (۴) خراب

مطلب یہ ہے کہ موسم بہار آگیا - بلبلیں مست ہیں اور عاشقوں کو بھی بہار کی آمد گویا مے خواری کے زمانہ کی آمد ہے - شراب پینے کے لیے بہار کا موسم موزون گنا جاتا ہے - خواجہ صاحب ہی شعر سش ۳ میں بہار کے تین مہینوں کی طرف ہی اشارہ کر کے کہتے ہیں - ع

سہ ماہ مے خور و نہ ماہ پارسا مے باش

(۲) ترجمہ - توبہ کی بنیاد جو مضبوطی میں پتھر کی طرح معلوم ہوتی تھی - دیکھو کہ شیشے کے پیالہ نے اسکو کسطرح توڑ ڈالا -

زجاج بضم - آبگینہ - شیشہ - کانچ - جام زجاج - شیشہ کا پیالہ -
جام مے سے مراد ہے شیشے سے پتھر کا ٹوٹنا محال ہے - مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جام مے نے میری مضبوط توبہ کو توڑ دیا گویا شیشے نے پتھر کو توڑ دیا

نازک خیالیاں میری توڑیں عدو کا دل		میں وہ بلا ہوں شیشہ سے پتھر کو توڑ دوں	

(۳) ترجمہ - شراب لا کہ بے نیاز درگاہ میں کیا پاسباں اور کیا بادشاہ کیا ہوشیار اور کیا مست -

مطلب یہ ہے - کہ خدا کی درگاہ میں کسی شے کی ضرورت نہیں وہ غنی اور بے نیاز ہے کسی کی مستی یا ہوشیاری سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا - اس لئے پینا نہ پینا اسکے لیے برابر ہے - چلو پیو - اسی مضمون کے لیئے دیکھو شعر (ی ۱۲/۵) +

پھر بارگاہ استغنا میں سلطان وگدا کا بھی کچھ فرق نہیں۔چنانچہ نماز اور حج کے وقت حکماء سلطان وگدا کی تمیز ممنوع ہے۔کیونکہ اس وقت تمام خدائے غنی کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور اس وقت اس قسم کی تمیز ناجائز۔

	بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے		تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے	(اقبال)

(۴) ترجمہ۔ اس دو دروازہ کی سرائے سے جب کوچ ضروری ہے۔تو رہنے کے مکان کی چھت بلند ہوی تو کیا اور پست ہوئی تو کیا۔

رباط۔ بفتح مسافرخانہ **رواق**۔چھت کا حصہ جو مکان سے آگے بڑھا ہوا ہو۔چھجہ۔مطلق بمعنے چھت۔ **طاق**۔ محراب۔بنائے خمیدہ۔مطلق عمارت۔ معرب تاک۔ **معیشت**۔ زندگانی۔ جینا۔جس پر گزارہ ہو۔

دنیا کو رباط دو در اس واسطے کہا ہے۔کہ ایک دروازہ سے آئے اور دوسرے دروازہ سے چلے گئے۔ اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر الف ۳/۴

(۵) ترجمہ۔ مقام عیش بغیر تکلیف کے حاصل نہیں ہوتا۔ (وعدہ) بلیٰ کو بلا کے حکم سے روز الست میں محکم کیا تھا۔

بلیٰ سے مراد قالو بلیٰ روز الست یعنی روز میثاق دیکھو شعر الف ۱/۱ و شعر (ق ۶/۱۱)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مقام عیش یعنی وصال محبوب یا مقام عشق سوائے تکالیف اور مصائب کے حاصل نہیں ہوسکتا۔کیونکہ جس روز عشق کی ابتدا ہوئی وعدۂ عشق کو بلا سے مضبوط کیا گیا۔یعنی عشق کا معاہدہ جو ایجاب "الست بربکم" سے شروع ہوا قبول "قالو بلیٰ" سے مکمل ہوا۔گویا بلا عشق کے ساتھ روز اول سے ہی لگی ہوئی ہے

ع۔ گوہر ہر سود در جیب زیان انداختہ

بلیٰ اور بلا میں صنعت تجنیس مضارع اور شعر میں صنعت حسن تعلیل۔

(۶) ترجمہ۔ موت اور حیات کے خیال سے دل کو رنجیدہ نہ کر اور خوش رہ کیونکہ ہر کمال کا جو موجود ہے انجام نیستی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یقیناً حیات و ممات لازم و ملزوم ہیں۔تو

پھر بے فائدہ اس خیال میں دل کو کیوں مغموم رکھتے ہیں

دو روز حد ز گردنت از مرگ روا نیست	روزے کہ قضا ہست و روزیکہ قضا نیست
روزیکہ قضا ہست اندیشہ نکند سود	روزیکہ قضا نیست در و مرگ روا نیست

(۷) ترجمہ - آصف کا دبدبہ ہوا کا گھوڑا اور پرندوں کی بولی سب برباد ہو گئے اور ان سے خواجہ کو کچھ فائدہ نہ ہوا -

طرف بستن - فائدہ اٹھانا - تحقیق کے لیے دیکھو شعر (۱/۲ الف)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کا نام آصف تھا - جو بہت مدبر اور باشکوہ تھا - ان کا تخت ہوا پر اڑتا تھا اور وہ پرندوں کی بولی سمجھتے اور بولتے تھے - قال یا ایہا الناس علمنا منطق الطیر (نمل رکوع ۲)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تمام غیر معمولی طاقتیں کس کام آئیں - حضرت سلیمان پھر چل بسے -

نہ بر باد رفتے سحر گاہ و شام	سریر سلیمان علیہ السلام
بآخر ندیدی کہ بر باد رفت	خنک آنکہ با دانش و داد رفت

(۸) ترجمہ - بال و پر پر مغرور نہ ہو کیونکہ دور جانے والا تیر کچھ دیر ہوا میں رہتا ہے - پھر زمین پر آگرتا ہے -

بال - بازو - پرندونکا بازو **پرتاب** - بالفتح (۱) پھینکنا (۲) ایک قسم کا تیر جو بہت دور جاتا ہے (۳) مسافت جو تیر طے کرتا ہے -

مطلب یہ ہے کہ طاقت اور دولت پر غرور نہ کر - کیونکہ یہ ناپائدار ہیں - تیر کے ساتھ بھی پر ہوتا ہے - اور تیر خود بمنزلہ بال - لہذا وجہ تمثیل ظاہر - ہوا گرفتن یا ہوائی شدن اڑنا -

(۹) ترجمہ - اے حافظ تیری قلم کی زبان اس بات کا کب شکریہ ادا کر سکتی ہے کہ لوگ اسکے سخن کا تحفہ دست بدست لے جاتے ہیں -

خواجہ حافظ نے اپنے کلام کی قبولیت ظاہر کی ہے اور فرماتے ہیں کہ میں کس زبان سے

اس قدر دانی اور لطف ایزدی کا شکر یہ ادا کروں۔

غزل (۲۴)

زلف آشفتہ وخوی کردہ وخنداں لب مست	ق ۱	پیرہن چاک وغزل خوان وصراحی در دست
نرگسش عربدہ جوئے ولبش افسوس کنان	ق ۲	نیم شب مست ببالین من آمد بنشست
سر فرا گوش من آورد بآواز حزین	۳	گفت کای عاشق شوریدہ من خوابت ہست
عاشقے را کہ چنین بادہ شبگیر دہند	۴	کافر عشق بود گر نبود بادہ پرست
برو اے زاہد وبر درد کشان خوردہ مگیر	۵	کہ ندادند جز این تحفہ بما روز الست
آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدیم	۶	اگر از خمر بہشت ست وگر از بادۂ مست

(۷)	خندۂ جام مے وزلف گرہ گیر نگار اے بسا توبہ کہ چون توبہ حافظ بشکست	(۷)

(۱) ترجمہ۔ زلفیں پریشان۔ پسینہ میں ڈوبا ہوا۔ خنداں لب اور مست۔ پیراہن چاک غزل کہتا ہوا۔ صراحی ہاتھ میں لیے ہوئے

(۲) ترجمہ۔ آنکھیں جنگجو۔ اور لب افسوس کرتے ہوئے آدھی رات کو مست میرے سرہانے آیا اور بیٹھ گیا۔

(۳) ترجمہ۔ سر میرے کان کے نزدیک لاکر نرم آواز سے کہا کہ میرے شوریدہ سر عاشق تو سویا ہوا ہے۔

پیرہن ۔ لباس کرتہ۔ قمیص۔ **عربدہ** ۔ جنگجوئی۔ بدخوئی **افسوس** بالضم۔ بمعنے طنز۔ بازی ظرافت تمسخر۔ بالفتح دریغ حسرت ظلم۔ برہان قاطع میں تمام معنوں میں بالفتح لکھا ہے۔ یہاں اگر افسوس پڑھا جائے تو بمعنی ظرافت وطنز ہوگا

ور نہ افسون پڑھ لیا جائے ۔ **فرا** ۔ پیش ۔ قبل ۔ نزدیک ۔ دور ۔ بالا ۔ یہاں معنی نزدیک ۔ **حزین** ۔ اندوہناک ۔ غمگین ۔ ملائم ۔ **شوریدہ** ۔ پریشاں حال دیوانہ ۔ شوریدہ سر ۔

خواجہ صاحب نے پہلے تین مصرعوں میں جو نقشہ معشوق کی ایک خاص حالت کا کھینچا ہے ۔ لاجواب ہے ۔ مختصر الفاظ میں ہے ۔ مگر جامع ہے ۔ اور ایسا واضع فوٹو ہے کہ فی الواقعہ وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ۔

(۴) ترجمہ ۔ جس عاشق کو ایسے شبگیر شراب دی جائے ۔ اگر وہ بادہ پرستی نہ کرے تو مذہب عشق کے رو سے وہ کافر ہے ۔

شبگیر ۔ یعنے شب ۔ سحرگاہ ۔ آخر شب ۔ رات کو سفر کرنا ۔

مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں معشوق آیا اور شراب پیش کی ۔ میں نے پی لی کیونکہ انکار کرنا میرے نزدیک کفر تھا ۔

(۵) ترجمہ ۔ اے زاہد جا اور دردکشوں کی عیب جوئی نہ کر ۔ کیونکہ روز الست کو ہمیں صرف یہی تحفہ دیا گیا ۔

درد ۔ شراب ۔ تیرہ ۔ ہر سیال اور رقیق مادہ کے نیچے جو چیز تہ پر بیٹھ جائے ۔

مطلب یہ ہے کہ روز میثاق ہم کو عشق کی مستی دی گئی ۔ ہم مجبور ہیں اس سے انکار نہیں کرتے ۔ ظاہر پرستوں کو اس پر نکتہ چینی نہیں کرنی چاہئے ۔

(۶) ترجمہ ۔ جو کچھ معشوق نے ہمارے پیالہ میں ڈال دیا ہم نے پی لیا ۔ خواہ وہ شراب بہشت ہے ۔ خواہ شراب مست ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میثاق کے دن یا مذکورہ بالا رات کو چونکہ معشوق نے ہم کو دیا ۔ ہم نے قبول کر لیا ۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ شراب کون سی ہے ۔ (ظاہر ہے کہ وہ شراب عشق ہے ۔)

(۷) ترجمہ ۔ جام مے کے خندہ اور معشوق کی زلف پیچ در پیچ نے حافظ کی توبہ کی طرح اور کئی لوگوں کی توبہ کو توڑا ۔

مطلب یہ ہے کہ ہر چند عاشق مے سے توبہ کرے مگر جام مے کی شکل دیکھکر اور معشوق کی زلف کی گرہوں کو دیکھ کر پھر رہا نہیں جاتا۔ یعنی راہ عشق کی تکالیف کا جب سامنا ہوتا ہے تو خواہ مخواہ عاشق مے خواری پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کی مفصل شرح کے لئے دیکھو شعر الف ۱/۱ ۔

غزل (۲۵)

خدا چو صورت ابروئے دلربائے تو بست	۱	کشاد کار من اندر کرشمہاے تو بست
ہزار سرو چمن را بخاک راہ نشاند	۲	زمانہ تا قصب زرکش قباے تو بست
مرا و مرغ چمن را ز دل ببرد آرام	۳	سحر گہان کہ دل ہر دو در نواے تو بست
ز کار ما و دل غنچہ بس گرہ بکشود	۴	نسیم صبح چو دل در رہ ہواے تو بست
مرا بہ بند تو دوران چرخ راضی کرد	۵	ولے چہ سود کہ سررشتہ در رضاے تو بست
چو نافہ بر دل مسکین من گرہ مفگن	۶	کہ عہد با سر زلف گرہ کشاے تو بست
تو خود حیات دگر بودی اے زمان وصال	۷	خطا نگر کہ دل امید در وفاے تو بست
ہم از نسیم تو روزے کشائشے یابد	۸	چو غنچہ ہر کہ دل خویش در ہواے تو بست

(۹) ز دست جور تو گفتم ز شہر خواہم رفت (۹)
بخندہ گفت برو حافظا کہ پاے تو بست

(۱) ترجمہ۔ خدا نے جب تیرے دلربا ابرو کی صورت بنائی اسی وقت میری کشائش کار تیرے کرشموں سے وابستہ کر دی۔

کرشمہ ۔ بکسرتین ۔ یا بفتحتین ۔ اشارہ چشم و ابرو کے ساتھ۔

مطلب یہ ہے کہ جس وقت خدا نے تیرے ایسے خوبصورت اور دلکش ابرو بنائے

اس دلکشی کی وجہ سے اسی وقت یہ معلوم ہوگیا کہ ہمارا دل تیرے قابو آجائے گا۔ اور ہمارا نیک و بد تیرے ابرو کے اشاروں پر موقوف ہوگا۔ قریباً وہی مضمون ہے جو شعر الف ۵ میں ہے۔ بست و کشاد کا مقابلہ اور کشاد کے لئے فعل بست کا انتخاب لاجواب ہے۔

(۲) ترجمہ۔ ہزار سروِ چمن کو خاک راہ میں بٹھا دیا۔ جب سے کہ زمانہ نے تیرے جامۂ زرتار کو تیار کیا۔

قَصَب۔ (۱) نے اور ہر چیز جو نے کی قسم سے ہو۔ مثلاً قلم۔ (۲) جامہ کتان و ابریشم معرب کب۔ **قبا ے** جامۂ دوتہی۔

مطلب یہ ہے کہ جب سے عاملان قضا و قدر نے تیرے قدہی کے لئے جامۂ زرتار تیار کیا اس روز سے سروِ چمن کی قد و قامت کی آبرو جاتی رہی۔ بخاک راہ نشاندن یعنی بے قدر کرنا۔ ذلیل کرنا۔ یوں بھی سرو پابگل ہوتا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ میرے اور بلبل کے دل کا آرام چلا گیا۔ صبح کے وقت جب ہم ہر دو نے تیری نوا میں دل لگایا۔

مرغِ چمن۔ نفائس اللغات میں لکھا ہے کہ مرغ چمن اور مرغ سحر بلبل کا نام ہے۔

یعنی جب ہم دونو نے سحر کے وقت تیرے عشق میں نغمہ سنجی شروع کی تو ہمارے دل میں قرار نہ رہا۔

(۴) ترجمہ۔ میرے کام اور غنچہ کے دل سے بہت سی گرہیں کھولیں نسیم صبح نے جب کہ اس نے دل تیری آرزو کے راہ میں لگایا۔

نسیم صبح سے کلیاں کھلتی ہیں۔ اس لئے غنچہ کی گرہ کھولنا تو نسیم صبح کا قدرتی کام ہے۔ مگر عاشق کے دل کی گرہ بھی اسی نے کھولی ہے اور اسے مقصود پر پہنچا دیا کیونکہ وہ معشوق کی راہ گذر سے ہو کر آئی تھی اور اسکی زلف عنبرین کی خوشبو عاشق تک پہنچائی ہوا بمعنے آرزو و اشتیاق اور باد ساکن۔ یہاں دونو معنوں کی طرف اشارہ ہے۔

دیکھو شعر (۸) غزل ہذا۔

(۵) **ترجمہ** ۔ مجھے دورِ چرخ نے تیرے بند میں رہنے پر راضی کرلیا۔ مگر کیا فائدہ کہ سرِ رشتہ تیری رضا سے باندھا ہوا ہے۔

یعنی ہم برضا و رغبت تیری بند میں گرفتار ہیں۔ لیکن زنجیر تیری رضا کے ہاتھ میں ہے اس لئے ہمارے راضی ہونے یا نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ سب کچھ تیری رضا پر منحصر ہے۔ گویا ہماری رضا بھی تیری رضا کے ہاتھ ہے۔

(۶) **ترجمہ** ۔ نافہ کی طرح میرے مسکین دل پر گرہ نہ ڈال کیونکہ میرے دل نے تیری زلف گرہ کشا کے سر سے عہد باندھا ہے۔

نافہ گرہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ دویم یہ کہ زلف مشکین کے رشک نے بھی اسکے دل پر گرہ دی ہے۔ لہذا نافہ کی تمثیل۔ زلف کو گرہ گیر کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ گرہ در گرہ ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب اسے گرہ کشا بتاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ عاشق زلف معشوق سے اپنے دل کی گرہ کشائی کی امید رکھتا ہے۔

(۷) **ترجمہ** ۔ اے زمانہ وصال تو خود ایک دوسری زندگی تھا۔ غلطی دیکھ کر میرے دل نے تیری وفا کی امید رکھی۔

زمانہ وصال عاشق کے لئے بیشک ایک زندگی ہوتی ہے اور جسطرح زندگی پر اعتبار نہیں اور اسکی پائیداری کی امید فضول۔ اسی طرح زمانہ وصال بھی ناپائدار ہوتا ہے اور اس کی پائداری کی امید خام ہے۔

(۸) **ترجمہ** ۔ اس آدمی کو بھی ایک دن تیری نسیم سے کشائش ہوگی۔ جس نے غنچہ کی طرح تیری آرزو میں دل لگایا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح غنچہ نسیم کی امید میں دل بستہ ہوتا ہے اور وہ آکر اسکی گرہ کو کھولتی ہے۔ اور وہ شگفتہ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی محبوب کی آرزو اور اشتیاق میں دلگیر رہتا ہے۔ کسی نہ کسی روز اسکے دل کی گرہ بھی نسیم معشوق کھولدیگی یعنی وہ بھی اپنی آرزو میں کامیاب ہوگا۔ دیکھو شعر (۴) غزل ہذا •

(۹) ترجمہ۔ میں نے کہا کہ تیرے ظلم کے ہاتھ سے میں شہر چھوڑ جاؤنگا ہنس کر کہا کہ اے حافظ جا کس نے تیرے پاؤں باندھے ہیں۔

مطلب ظاہر ہے۔ عاشق نے کہا کہ میں شہر چھوڑ جاؤنگا۔ معشوق نے صاف جواب دیا کہ جاؤ کس نے روکا ہے۔ البتہ ایک لطافت قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ گرچہ معشوق کہتا ہے کہ تیرے پاؤں کسی نے نہیں باندھے۔ مگر فی الحقیقت عاشق پابستہ ہے۔ اور معشوق کے ہنس کر یہ جواب دینے میں یہ اشارہ بھی موجود ہے۔

غزل (۲۶)

اے ہدہد صبا بہ سبا میفرستمت	۱	بنگر کہ از کجا بہ کجا میفرستمت
حیف ست طائری چو تو در خاکدان دہر	۲	زینجا بآشیان وفا میفرستمت
در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست	۳	مے بینمت عیان و دعا میفرستمت
ہر صبح و شام قافلۂ از دعائے خیر	۴	در صحبت شمال و صبا میفرستمت
در روئے خود تفرج صنع خدای کن	۵	کآئینہ خدای نما میفرستمت
تا لشکر غمت نکند ملک دل خراب	۶	جان عزیز خود بفدا میفرستمت
بر دم غمی فرست مراد بگو بناز	۷	کاین تحفہ از برائے خدا میفرستمت
ای غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل	۸	میگویمت دعا و ثنا میفرستمت
تا مطربان ز شوق منت آگہی دہند	۹	قول و غزل بساز و نوا میفرستمت
ساقی بیا کہ ہاتف غیبم بمژدہ گفت	۱۰	با درد صبر کن کہ دوا میفرستمت

(۱۱)

حافظ سرود مجلس ما ذکر خیر تست
تعجیل کن کہ اسپ و قبا میفرستمت

(۱۱)

(۱) ترجمہ :- اے ہد ہد صبا میں تجھے شہر سبا کو بھیجتا ہوں۔ دیکھ کہ کہاں سے تجھے کہاں بھیجتا ہوں۔

ہد ہد۔ ایک مشہور پرندہ۔ سبا ملکہ بلقیس کا شہر

یہاں ایک مشہور قرآنی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت سلیمان کو پرندوں پر بھی حکومت تھی۔ ایک روز ہد ہد کو اپنے آشیاں سے غایب دیکھ کر ناراض ہوئے اتنے میں ہد ہد آگیا اور کہا کہ جئتک من سبا بنبا یقین (سورہ نمل) یعنی میں آپ کے لئے شہر سبا سے ایک خبر لایا ہوں مجھے اس شہر کا ایک ہد ہد ملا اور اپنے ملک کا حال سنایا میں گیا تو دیکھا کہ وہاں کی ملکہ بلقیس نام بہت امیر ہے۔ اور لشکر فراواں اسکے زیر فرمان ہے۔ وہ لوگ خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ بلکہ سورج کی پرستش کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کو حکم دیا کہ اذھب بکتبی فالقہ الیھم کہ میرا نامہ لے جاؤ۔ اور وہاں دے آؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس نامہ میں ملکہ بلقیس اور اسکی رعایا کو دعوت اسلام تھی۔ ملکہ بلقیس کی طرف سے منذر جواب لے کر آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پھر کہا کہ اسے خود یہاں آنا چاہیئے۔ چنانچہ ملکہ بلقیس نے اپنے تخت کو محفوظ اور مقفول کردیا اور خود لشکر ساتھ لیکر آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارشاد پر انکا وزیر آصف برخیا ایک چشم زدن میں بلقیس کا تخت بھی اڑا لایا - انا اتیک قبل ان یرتد الیک طرفک آخر کار بلقیس ایمان لائی اور کہا ظلمت نفسی و اسلمت مع سلیمٰن - چنانچہ اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے تزویج کا انتظام بھی ہوگیا۔

شاعر صبا کو قاصد کہتے ہیں۔ اس لئے خواجہ صاحب نے ہد ہد صبا کہا یعنی صبا کو ہد ہد بنایا سبا۔ اور صبا میں صنعت تجنیس ہے۔

صاحب تاویلات نے لکھا ہے کہ ہد ہد سے مراد قوت متفکرہ۔ سبا مدینہ جسد سلیمان دل اور بلقیس نفس ہے۔ مگر یہاں شاعرانہ طرز میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ عاشق قاصد صبا کو معشوق کے شہر کی طرف روانہ کرتا ہے۔

(۲) ترجمہ ۔ افسوس ہے کہ تجھ سا پرندہ دنیا کے خاکدان میں ہو۔ میں اس جگہ سے تجھ کو آشیان وفا کی طرف بھیجتا ہوں۔

آشیان وفا یعنی محبوب کی منزل ۔ یہ شعر یعنی ہدہد صبا کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے اور پچھلے شعر سے قطعہ بند ہے۔

(۳) ترجمہ ۔ راہ عشق میں دور اور نزدیک کی مسافت نہیں ۔ میں تجھے آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور دعا بھیجتا ہوں۔

مرحلہ ۔ منزل گاہ ۔ کوچ گاہ ۔ منزل ۔ اسباب رکھنے کی جگہ ماخوذ از رحل بمعنے پالان شتر ۔ کوچ کرنا ۔ اسباب لادنا ۔ فاصلہ چہار فرسنگ ۔ **عیان** ۔ بکسر ۔ عَیان پڑھنا غلط ۔ آنکھوں سے دیکھنا مجازاً ظاہر۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق اور عاشق کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں اور عاشق اپنے محبوب کو ہر جگہ اور ہر وقت دیکھ سکتا ہے ۔ قرآن کریم (سورہ ق) میں رب العزت کا ارشاد ہے ۔ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید (اور ہم انسان کی رگ جان سے بھی نزدیک تر ہیں)

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا		چوں وصل درنگنجد ہجراں چہ کار دارد

(۴) ترجمہ ۔ ہر صبح اور شام دعائے خیر کا قافلہ باد شمال اور باد صبا کے ساتھ تیرے پاس بھیجتا ہوں۔

شمال ۔ بالفتح ۔ وہ ہوا جو قطب یعنے شمال کی طرف سے چلے

(۵) ترجمہ اپنے چہرہ میں خدا کی صنعت کا ملاحظہ کر ۔ کہ میں خدا نما آئینہ تیرے پاس بھیجتا ہوں ۔

تفرج ۔ (۱) کشائش ۔ تنگی اور دشواری سے باہر نکلنا ۔ خوشحالی (۲) استعمال فارسی میں بمعنے سیر و تماشا دیکھنا

مطلب یہ ہے ۔ کہ تو اپنے چہرہ کو دیکھ کر خدا کی قدرت کا قائل ہو گا

دل چاہتا ہے قدرت صانع پہ ہوں نثار		تجھ کو بٹھا کے سامنے یاد خدا کروں	

تمام کائنات اور خاص کر خوبصورت چیزیں آئینہ خدا نما ہیں کیونکہ خدا صرف اپنی مرآت کے ذریعے نظر آتا ہے ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے ۔ کہ انسان اپنی حقیقت سے اگر آشنا ہو جائے تو خدا کی حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

(۶) ترجمہ ۔ تاکہ تیرے غم کا لشکر ملک دل کو آکر ویران نہ کر دے ۔ میں نے اپنی عزیز جان بطور خراج تیرے پاس بھیجی ہے ۔

غم عشق کا اور کوئی علاج بھی اسکے سوا نہیں کہ عاشق جان پر کھیل جائے اور فنا فی المعشوق ہو جائے ۔

(۷) ترجمہ ۔ ہر وقت میری طرف ایک تازہ غم بھیج اور ناز سے کہہ ۔ کہ یہ تحفہ بر اے خدا تیرے پاس بھیجتا ہوں ۔

معشوق کرتے بھی یہی ہیں ۔ خواجہ صاحب صرف یاد دلاتے ہیں ۔

(۸) ترجمہ ۔ اے کہ تو نظروں سے غائب اور دل کا ہمنشیں ہے ۔ میں دعا کرتا ہوں اور تیری تعریف کرتا ہوں ۔

معشوق اگرچہ نظر سے غائب ہوتا ہے ۔ مگر عاشق کے دل سے اس کا خیال کبھی دور نہیں ہوتا ۔ اور معشوق مطلق تو فی الواقعہ ہر وقت دل میں موجود ہوتا ہے ۔ قرآن کریم (سورہ انفال) میں ہے ۔ واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ (جانو کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے ۔

دیکھو غزل ہذا کا شعر (۳)

(۹) ترجمہ ۔ تاکہ مطرب میرے شوق سے تجھے آگاہ کر سکیں ۔ میں قول و غزل ساز و نوا کے ساتھ تیرے پاس بھیجتا ہوں ۔

شاعر اپنا کلام ساز و نوا کے ساتھ اس واسطے بھیجتا ہے کہ معشوق کو پڑھ کر سنایا جائے ۔ تاکہ اسکو عاشق کے شوق کا اندازہ اسکی کلام سے ہو سکے ۔

(۱۰) ترجمہ ۔ اے ساقی آ کہ ہاتف غیب نے مجھے بشارت دی ہے کہ درد میں

صبر کر۔ تیرے لئے دوا بھیجتا ہوں۔

ہاتف ۔ آواز دینے والا۔ اسم فاعل ہتف بمعنے آواز۔ وہ فرشتہ جو عالم غیب سے آواز دیتا ہے۔

درد عشق کی دوا شراب ہے۔ اور خواجہ صاحب کے نزدیک اس درد کا مقرر نسخہ یہی ہے۔ دیکھو شعر (ق ۲۲/۴) اسلئے ہاتف کی بشارت کا مطلب انہوں نے یہی سمجھا کہ ٹھیر شراب بھیجتا ہوں۔ اب ساقی کو دیکھکر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے پہلے مژدہ پہنچ چکا ہے۔ آئیے اور شراب عنایت کیجئے۔

(۱۱) ترجمہ ۔ اے حافظ ہماری مجلس کا سرود تیرا ذکر خیر ہے۔ جلدی کر کہ گھوڑا اور خلعت تجھے بھیجتا ہوں۔

یعنی ہماری مجلس میں تیرا ذکر آیا اور تیرے لئے دربار میں شریک ہونے لئے سامان بھیجا جاتا ہے۔ جلدی آ۔ ممکن ہے کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے کسی کی مدح میں لکھی ہو۔ اور یہ شعر ممدوح سے منسوب کر کے اسپ و قبا کا ہلکا سا تقاضا کیا ہو۔ خواجہ صاحب کا تقاضائے صلہ ہمیشہ ایسے ہی لطیف پیرایہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اور کئی موقعوں پر بھی ایسے لطیف تقاضے موجود ہیں۔

غزل (۲۷)

اے غائب از نظر بخدا می سپارمت	۱	جانم بسوختی و بدل دوست دارمت
تا دامن کفن نہ کشم زیر پائے خاک	۲	باور مکن کہ دست ز دامن بدارمت
گر بایدم شدن سوئے ہاروت بابلی	۳	صد گونہ ساحری بکنم تا بیارمت
محراب ابروان بنما تا سحر گہی	۴	دست دعا بر آرم و در گردن آرمت

خواہم کہ پیش میرمت اے بیوفا طبیب	۵	بیمار باز پرس کہ در انتظارمت
صد جوے آب بستہ ام از دیدہ در کنار	۶	بر بوے تخم مہر کہ در دل بکارمت
خونم بریز و از غم ہجراں خلاص کن	۷	منت پذیر غمزہ خنجر گذارمت
مے گریم و مرادم ازین چشم اشکبار	۸	تخم محبت است کہ در دل بکارمت
گر دیدہ و دلم کند آہنگ دیگرے	۹	آتش زنم دراں دل و دیدہ برآرمت
بارم دہ از کرم سوے خود تا بسوز دل	۱۰	در پاے دمبدم گہر از دیدہ بارمت

(۱۱) حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضع تست
فی الجملہ مے کنی و فرو میگذارمت (۱۱)

(۱) ترجمہ۔ اے کہ تو نظر سے غایب ہے میں تجھے خدا کے حوالہ کرتا ہوں تونے میری جان جلادی تاہم میں تجھے دل سے دوست رکھتا ہوں۔

اسی مضمون پر حضرت امیر خسرو دہلوی نے کہا ہے۔

جان زتن بردی و در جانی ہنوز	دردہا دادی و درمانی ہنوز

(۲) ترجمہ۔ جب تک میں دامن کفن کو پاے خاک کے نیچے نہ لے جاؤنگا۔ یقین نہ کر کہ میں تیرے دامن سے ہاتھ ہٹا لونگا۔

مطلب یہ ہے کہ جیتے جی میں تیرا دامن نہیں چھوڑونگا۔ دست و پا کی رعایت ظاہر۔ وہی مضمون ہے۔ جو شعر ت ۱/۵ میں ہے۔

(۳) ترجمہ۔ اگر ہاروت بابل کے پاس میرا جانا ہو۔ تو سو طرح کی جادوگری کروں تاکہ تجھے اپنے پاس لاؤں۔

بابل۔ عراق کے ایک شہر کا نام ہے۔ چاہ بابل میں ہاروت و ماروت کی قید کے متعلق دیکھو شعر الف ۱۵/۲۔ کہتے ہیں کہ اب تک ہاروت و ماروت لوگوں کو جو ان کے پاس جائیں۔ فن سحر کی تعلیم دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر میرا جانا وہاں تک ہو تو ضرور جادو سیکھ آؤں اور تجھے ہزار حیلوں سے اپنے پاس لاؤں۔

کی کوشش کروں۔

(۴) **ترجمہ** ۔ اپنے ابروں کا محراب مجھے دکھا تاکہ صبح کے وقت دست دعا اٹھاؤں اور تیری گردن میں ڈال دوں۔

محراب ۔ اندرون مسجد۔ طاق جو قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ چونکہ حراب آلہ حراب شیطان ہے۔ اس لئے یہ نام ہوا۔ ابرو کو بوجہ خم محراب سے تشبیہ دیتے ہیں۔

دعا سحر گہی عموماً قبول ہوتی ہے اس لئے اُس وقت دعا کرنے سے محبوب کی گردن میں ہاتھ ڈالنے کی امید ہو سکتی ہے۔ اور اگر معشوق کی محراب ابرو سامنے ہوگی یعنی معشوق نزدیک ہوگا۔ تو دعا کے بہانے ہاتھ اٹھاکر اسکی گردن میں ڈال دینا بھی ممکن ہے۔

(۵) **ترجمہ** ۔ میں چاہتا ہوں کہ اے بیوفا طبیب تیرے سامنے مروں۔ بیمار پرسی کو آکہ میں تیرے انتظار میں ہوں۔

مطلب صاف ہے۔ بیمار عشق کی تمنا ہے کہ وہ دم واپسیں اپنے معشوق کو ایک دفعہ دیکھ لے۔

(۶) **ترجمہ** ۔ میں نے پانی کی کئی نہریں آنکھوں سے جاری کرکے اپنے کنارے میں باندھی ہیں تیری محبت کے تخم کی امید پہ جو میں اپنے دل میں بوتا ہوں۔

بوے ۔ سوا سے معنی مشہور بمعنے امید۔ طمع۔ سراغ۔ محبت۔

جسطرح کاشتکار تخم ریزی کرکے اپنے مزرعہ کی سیرابی کے لئے نہریں باندھتا ہے۔ عاشق نے بھی اپنے مزرع دل کی سیرابی کے لئے جس میں اس نے محبت کا بیج بویا ہے۔ سیلاب اشک سے نہریں بنائی ہیں۔ کشت محبت کے لئے آب اشک ضروری ہے اور اسکے سوا اس کی بارآوری ناممکن۔ لسان العصر سید اکبر حسین بھی لسان الغیب خواجہ حافظ کے ہم خیال ہیں مگران کو یہ خطرہ ہے کہ کہیں اس نہر پر بھی واٹر ریٹ تشخیص نہ ہو جائے وہ کہتے ہیں۔

کشت دل کو نفع پہنچے اشک ایسی چیز ہے	دیدہ گریاں یہ دار نگس کی تجویز ہے

(۷) **ترجمہ** - مجھے قتل کر اور غم ہجر سے مجھے رہا کر - میں تیرے خنجر گذار غمزہ کا ممنون احسان ہوں -

خواجہ صاحب کسی نہ کسی بہانے معشوق کو بلانا چاہتے ہیں اسکے آنے پر غم ہجر تو جاتا رہے گا پھر خونریزی کی بھی ضرورت نہ رہے گی تیر غمزہ اور خنجر غمزہ مشہور غمزہ بمعنی اشارہ چشم - خنجر گذار صفت غمزہ موصوف

(۸) **ترجمہ** - میں روتا ہوں اور اس چشم اشکبار سے میری غرض - تیری محبت کا بیج ہے جو میں اپنے دل میں بوتا ہوں

یعنی تیری محبت کے بیج کی سرسبزی مطلوب ہے - وہی مضمون ہے جو شعر نمبر (۶) میں ہے

(۹) **ترجمہ** - اگر میری آنکھ یا دل کسی اور کا خیال کرے تو ایسے دل میں آگ لگا دوں اور آنکھ نکال کر تیرے پاس بھیجدوں -

آہنگ - طرز - روش - کشش - قصد - ارادہ -

(۱۰) **ترجمہ** - مجھے اپنے پاس مہربانی سے آنے دے تاکہ سوز دل سے - تیرے پاؤں پر دمبدم آنکھوں سے موتی برساؤں -

بار - یہ لفظ کثیر المعانی ہے - (۱) خدا کا ایک نام (۲) انبار (۳) بزرگی (۴) گرانی - (۵) بزرگ نیکوکار - (۶) نصیب (۷) رخصت و دخل - یہاں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے - (۸) بیخ و بن درخت - (۹) مرادف کار (۱۰) مرتبہ (۱۱) بارگاہ (۱۲) کسی چیز کی زیادتی (۱۳) پھل (۱۴) حمل زنان (۱۵) غش (۱۶) ایک ساز کا نام ہے - ان کے علاوہ اور کئی معنے ہیں -

آنکھوں سے موتی برسانا یعنی رونا - دربار میں جا کر نذر کے موتی نثار کرنا رسم ہے -

(۱۱) **ترجمہ** - اے حافظ شراب - شاہد اور رندی تیری وضع کے شایان نہیں

مگر خیر تو کرتا ہے میں معاف کر دیتا ہوں۔

فی الجملہ ۔ (۱) تھوڑا ۔ (۲) حاصل کلام ۔ **شاہد** ۔ معشوق ۔ صاحب حسن خوشنما ۔

مطلب یہ ہے کہ میں مانتا ہوں کہ یہ کام میرے مناسب حال نہیں مگر قصہ کوتاہ یہ کہ میں کرتا ہوں اور خداوند کریم کی مہربانی پر امید ہے ۔ کہ وہ مجھے معاف کر دیگا

فروگذاشت ۔ بمعنے قصور ۔ بھول جانا ۔ قصور معاف کرنا ۔ چھوڑ دینا +

غزل (۲۸)

بجان خواجہ و حق قدیم و عہد درست	۱	کہ مونس دم صبحم دعائے دولت تست
سرشک من کہ ز طوفان نوح دست ببرد	۲	ز لوح سینہ نیارست نقش مہر تو شست
بکن معاملہ و این دل شکستہ بخر	۳	کہ با شکستگی ارزد بصد ہزار درست
شدم ز عشق تو شیدائے کوہ و دشت ہنوز	۴	نمیکنی بترحم نطاق سلسلہ سست
ملامتم بخرابی مکن کہ مرشد عشق	۵	حوالتم بخرابات کرد روز نخست
دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست	۶	چو لاف عشق زدی سر بباز چابک و چست
زبان مور بر آصف دراز گشت ازاں	۷	کہ خواجہ خاتم جم یاوہ کرد و باز نجست
بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست	۸	کہ از دروغ سیہ روئے گشت صبح نخست

(۹) مرنج حافظ و از دلبراں وفا کم جو
گناہ باغ چہ باشد چو ایں گیاہ نرست (۹)

(۱) ترجمہ ۔ خواجہ کی جان ۔ حق قدیم اور عہد درست کی قسم ہے کہ میری صبحدم

کی مونس تیری دعاے دولت ہے۔

خواجہ ۔ خداوند ۔ القاب سادات توران ۔ مالک ۔ وزیر ۔ **مونس** ۔ ہمدم آرام دینے والا

آپ کی جان ۔ دیرینہ رابطہ اور عہد و پیمان کی قسم ہے کہ ہر صبح آپ کے ازدیاد دولت کی دعا کرتا ہوں ۔

یہ شعر ممدوح معشوق یا محبوب مطلق ہر سہ کے لئے ہوسکتا ہے ۔ صورت آخر میں عہد درست سے عہد میثاق مراد ہوگی ۔

(۲) ترجمہ ۔ میرے آنسو جو طوفان نوح سے بھی بازی لیگئے ۔ لوح سینہ سے تیری محبت کے نقش کو نہ دھوسکے ۔

نوح اور لوح میں صنعت تجنیس خطی ۔

اسی مضمون کے لیے دیکھو شعر ت ۲/۹ +

(۳) ترجمہ ۔ یہ سودا کر اور میرے شکستہ دل کو خرید لے کہ باوجود شکستگی سے ہزاروں صحیح سالم دلوں کی قیمت رکھتا ہے ۔

ظاہر ہے کہ جو دل درد عشق رکھتا ہو ۔ وہ ہزار بیدرد دلوں سے اچھا ہے اور محبوب کے نزدیک اس دل کی قیمت لاکھ دوسرے دلوں سے زیادہ ہے ۔ ڈاکٹر اقبال نے اسی مضمون پر کہا ہے ۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ	جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

نیز دیکھو شعر ت ۸/۱۲ +

(۴) ترجمہ ۔ میں تیرے عشق میں کوہ و بیابان کا شیدا ہو گیا اور اب تک تو رحم سے زنجیر کے بند کو ڈھیلا نہیں کرتا ۔

عاشق کو جنون عشق میں بیابان نوردی کا شوق ہوتا ہے ۔ مگر اسکو پابزنجیر رکھا جاتا ہے ۔

سلسلہ بمعنی زنجیر آہنی ۔ **نطاق** بمعنے بند ۔

(۵) ترجمہ ۔ میرے خراباتی ہونے پر ملامت نہ کر کہ مرشد عشق نے مجھے پہلے دن ہی خرابات کے حوالہ کر دیا۔

دنیا خود ایک خرابات ہے یہاں آنا ہی خراباتی ہونا ہے اور یہ تمام خدا کے اختیار میں تھا۔ اسی مضمون کے لیئے دیکھو شعر الف ۲/۳ اور شعر الف ۶/۱ الف ۶/۲ الف ۳/۴ روز الست اور شراب عشق کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔

(۶) ترجمہ ۔ اے دل دوست کی بے اعتنائی سے امید قطع نہ کر۔ جب تو نے عشق کا دم مارا تو چستی اور چالاکی سے سر پر کھیل جا۔

مطلب یہ ہے کہ جب تو نے عشق کی لاف زنی کی ہے تو مناسب یہ ہے کہ اب پس و پیش نہ کر اور وصال محبوب کی امید میں جان پر کھیل جا۔

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پر خطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

اگرچہ عشق کی نسبت ہم ابتدا میں کچھ تشریح کر چکے ہیں۔ مگر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر بھی اجمالاً کچھ بیان کریں۔ کیونکہ خواجہ صاحب نے اس شعر میں ہر قسم کی کامیابی اور ہر مشکل کو حل کرنے کے۔لیے ایک بڑا اور اصل گر بتایا ہے۔ کسی نصب العین یا شئے کی محبت جب تک خام ہوتی ہے برائے نام ہوتی ہے۔ اور اس کا اثر محض زبان پر ہوتا ہے۔ مگر یہ اثر کچھ فائدہ نہیں کرتا۔ بلکہ ضرر رساں ہوتا ہے۔ اور اخلاقی گناہ ہے۔ جب یہ محبت عشق کے درجہ پر پہنچ جاوے تو عاشق کے دل میں سوائے معشوق یا مطلوب کے باقی جملہ اشیاء کی محبت نہیں رہتی اس لئے وہ حصول مطلب کے لئے حسب ضرورت۔ مال و اولاد اور جان کے قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتا اور جب اتنا ایثار کیا جاوے تو بلاشبہ مطلوب مل جاتا ہے اس لئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ یا تو عشق کا نام نہ لے یا جب عشق کی لاف مارتا ہے۔ تو سر دینا آسان سمجھ۔ کیونکہ خدا کے الطاف بیکراں ہیں۔ جو کچھ تو نے دیا ہے اس سے بدرجہا زیادہ وہ اور تجھے عنایت کریگا۔

(۷) ترجمہ ۔ چیونٹی نے آصف پر اس لئے زبان درازی کی کہ خواجہ نے خاتم جم گم کردی ۔ اور پھر نہ ڈھونڈہی ۔

اس شعر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے ۔ آصف انکے وزیر کا نام ہے ۔ خواجہ سے مراد حضرت سلیمان ہے ۔ ایک دفعہ خدا پر توکل نہ کرنے کی سزا میں حضرت سلیمان کی انگوٹھی جسکی برکت سے وہ بادشاہی کرتے تھے گم ہوگئی اور ایک دیو صخرہ نام کے ہاتھ آگئی ۔ چنانچہ وہ چالیس روز تک حضرت سلیمان کے تخت پر بیٹھا ۔ بعدہٗ وہ انگشتری انکے قبضہ میں آگئی ۔

حضرت سلیمان کے وزیر پر چیونٹیاں بھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے زبان درازی کرتی ہیں ۔ کیونکہ حضرت سلیمان کے پاس وہ چیز جسکی برکت سے وہ سلطنت کرتے تھے نہ رہی ۔

اسی طرح جب کسی قوم یا افراد قوم سے نور ایمان جاتا رہتا ہے تو وہ ذلیل ہوکر ہر کہ ومہ کی مورد لعن وطعن ہو جاتے ہیں اور غلامی کی زندگی گذارنے پر مجبور

(۸) ترجمہ ۔ سچا بننے کی کوشش کر ۔ تاکہ تیرے نفس سے آفتاب پیدا ہو ۔ کیونکہ جھوٹ کی وجہ سے صبح کاذب سیہ رو ہوئی ۔

صبح نخست ۔ یعنی صبح کاذب یا صبح لمع نقاب ۔ کاذب اس لئے کہتے ہیں کہ فی الحقیقت یہ صبح نہیں ہوتی ۔ تھوڑی دیر روشنی رہتی ہے اور پھر تاریکی طاری ہوجاتی ہے ۔ اس تاریکی کے بعد پھر صبح صادق کا ظہور ہوتا ہے ۔ جسے صبح دوم ۔ صبح ثانی صبح آخرین ۔ صبح راست یا صبح راست خانہ بھی کہتے ہیں ۔ یہ طلوع آفتاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ تو راست بازی اختیار کر کہ اس کا انجام اچھا ہوگا جسطرح صبح صادق کا انجام طلوع آفتاب ہوتا ہے ۔ اگر تو دروغ گوئی کریگا تو اگرچہ عارضی طور پر تیرے جھوٹ کو فروغ ہوگا ۔ مگر آخر کار روسیاہی ہوگی ۔ جس طرح صبح کاذب تھوڑی دیر کے لئے روشنی پیدا کرتی ہے اور پھر اندھیرا چھا جاتا ہے ۔

نفس ۔ بمعنے سانس یہ لفظ صبح کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔
رعایت ظاہر ۔ یہ شعر خلاق میں ہے
(۹) ترجمہ ۔ اے حافظ رنجیدہ نہ ہو اور معشوقوں سے وفا نہ ڈھونڈھ۔ اگر یہ گیاہ پیدا نہیں ہوا۔ تو باغ کا کیا قصور۔
کم ۔ اگرچہ محاورہ فارسی میں بمعنے اندک وتقلیل آتا ہے۔ مگر اکثر بمعنے نفی مطلق استعمال ہوتا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ خدا نے معشوقوں کی سرشت میں وفا نہیں رکھی۔ پس اگر وہ وفا نہ کریں۔ تو ان کا کیا گناہ ہے۔ باغ حسن میں گیاہ وفا پیدا ہی نہیں ہوتا۔

وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی		ریاض دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول

دیوان حافظ کے مروجہ نسخوں میں بجائے گناہ باغ کے گیاہ باغ لکھا ہے اور صاحب گلبن معرفت نے اسی نسخہ کے مطابق مصرع ثانی کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ " باغ کی گھاس کیا چیز ہے۔ جب یہ گھاس اکھیڑی جاتے " یہ ترجمہ میری فہم سے بالا ہے۔ اگر مروجہ نسخوں کو صحیح مانا جائے۔ تو یہ مطلب ہوگا۔ کہ معشوق سے وفا کی امید نہ رکھ اور انکی بیوفائی پر رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ کیونکہ باغ حسن میں جہاں ہر طرح کے خوش رنگ اور خوشبودار پھول موجود ہیں۔ وہاں گھاس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور بے وفائی کی گھاس اگر باغ حسن میں موجود نہ ہو تو اس باغ کی گھاس کیا ہوگی۔ مگر پہلے مصرع میں لفظ وفا ہے بے وفائی نہیں اور گیاہ کو بھی باغ حسن کا خار سمجھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ وہ بھی باغ کے لئے ایک زینت ہے۔ اس لئے یہ نسخہ اور یہ معنی اختیار نہیں کئے گئے۔
اگر اس شعر میں باغ سے مراد دنیا لی جاوے اور دلبراں سے دنیا کے جملہ سامان ۔ جن میں قدرتاً دل کشی ہے۔ تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ دنیا وما فیہا ناپائدار اور فانی ہیں۔ اور ان سے وفا کی امید رکھنا صریح غلطی ہے ؛

غزل (۲۹/۱)

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت است	۱	چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است
جانا بحاجتے کہ ترا ہست با خدا	۲	آخر دمے بپرس کہ ما را چہ حاجت است
اے بادشاہ حسن خدا را بسوختیم	۳	بارے سوال کن کہ گدا را چہ حاجت است
ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست	۴	در حضرتِ کریم تمنا چہ حاجت است
جام جہان نماست ضمیر منیر دوست	۵	اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت است
آن شد کہ بار منت ملاح بردمے	۶	گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت است
اے مدعی برو کہ مرا با تو کار نیست	۷	احباب حاضراند باعدا چہ حاجت است
محتاج جنگ نیست گرت قصد خون ماست	۸	چون رخت از آن تست بیغما چہ حاجت است
اے عاشق گدا چو لب روح بخش یار	۹	میداندت وظیفہ تقاضا چہ حاجت است

(۱۰) حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیان شود
با مدعی نزاع و محاکا چہ حاجت است (۱۰)

(۱) گوشہ نشین کو تماشہ کی کیا ضرورت۔ جب دوست کا کوچہ موجود ہے تو صحرا کی کیا حاجت ہے۔

خلوت ۔ عزلت۔ اکیلا رہنا گوشہ نشینی اختیار کرنا۔ **تماشا** ۔ عربی لفظ ہے۔ مصدر از باب تفاعل۔ دراصل تماشے تھا۔ ماخوذ از مشے۔ استعمال فارسی میں حسب معمولِ مصادرِ ہمچو قسم تماشا لکھتے ہیں۔ اصل میں اسکے معنے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر پیادہ چلنے کے ہیں۔ جسطرح دوست آشنا تفریح کے لئے پیادہ سیر کرتے ہیں۔ مجازاً

بمعنے تفرج ۔ دیکھنا ۔ نظارہ ۔ شوق سے دیکھنا۔
مطلب یہ ہے کہ عزلت گزین آدمی کو آنکھ بند کر کے معشوق کے خیال میں مستغرق ہو جانا چاہیئے ۔ کوئے دوست کی موجودگی میں بیابان نوردی کا کچھ فائدہ نہیں۔
کوئے دوست سے عاشق کا دل بھی مراد لے سکتے ہیں ۔ کیونکہ وہ معشوق کی منزل گاہ ہے۔ کنج عزلت میں عاشق کو اپنے دل کے مطالعہ سے مشاہدہ محبوب حاصل ہو سکتا ہے مرزا بیدل کہتے ہیں ۔

	ستم است گرہوست کشد کہ بسیر سرو وسمن درآ تو زغنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بچمن درآ	

(۲) ترجمہ ۔ سلے معشوق اس حاجت کے لیے جو تو خدا سے رکھتا ہے۔ آخر کبھی پوچھ کہ ہماری کیا حاجت ہے ۔
یعنی تو ہماری حاجت بر آرنی کر خدا تیری مراد بر لائیگا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

	خواہی کہ خدائے بر تو بخشد		با خلق خدائے کن نکوی۔	

اسی مضمون پر ہے۔

	کار درویش مستمند برآر		کہ ترا نیز کارہا باشد	سعدی

اسی مضمون پر رسول خدا صلعم فرماتے ہیں ؎
(۱) لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس ۔ خدا اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے ۔ (۲) من کان فے حاجتہ اخیہ کان اللہ فے حاجتہ ۔ یعنی جو آدمی بھائی کی حاجت روائی کرے خدا اسکی حاجت روائی کرتا ہے ۔ (۳) الخلق عیال اللہ فاحبُّ الخلق الی اللہ من احسن الے عیالہ ۔ خلقت خدا کی عیال ہے ۔ پس خدا کے نزدیک محبوب تر خلقت میں سے وہ ہے ۔ جو اسکے عیال پر مہربانی کرے
(۳) ترجمہ ۔ اے حسن کے بادشاہ ۔ خدارا ہم جل گئے ۔ کبھی تو پوچھ کہ

سائل کی کیا حاجت ہے

خدا را - یعنی برائے خدا - خدا کے واسطے دوسرے مصرع کے متعلق ہے

(۴) **ترجمہ** - ہم صاحب حاجت ہیں اور سوال کی زبان نہیں فیاض درگاہ میں خواہش کی کیا حاجت -

تمنا - آرزو - دراصل تمنی ہے - فارسی استعمال میں تمنا لکھتے ہیں -

ہم محتاج ہیں مگر سوال نہیں کرتے - کیونکہ سخی کے دربار میں مانگنے کی ضرورت ہی نہیں -

(۵) **ترجمہ** - دوست کا ضمیر روشن جام جہان نما ہے - حاجت ظاہر کرنے کی وہاں کیا ضرورت -

جام جہان نما - تحقیق کے لیے دیکھو شعر الف ۲ - **ضمیر** جو دل میں گزرے - دل کا حال - بھید - مجازاً دل ۔ اسی مضمون پر مولف نے کہا ہے -

	برائے چیست دعا و چہ سود حرف سوال		چو کارساز حاجات آگہی دارد

(۶) **ترجمہ** - وہ وقت گیا کہ میں ملاح کا زیر احسان ہوتا تھا - جب موتی ہاتھ آ گیا تو دریا کی کیا حاجت ہے

ملاح - کشتی بان - ماخوذ از ملح بمعنی پروبال مرغ

گوہر کے دستیاب ہونے پر دریا میں غواصی کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ ملاح کے ممنون احسان ہونے کی حاجت رہتی ہے - اسی طرح گوہر مقصود کے ہاتھ آنے میں یعنے اطمینان قلب حاصل ہونے پر انسان اسباب سے آزاد ہو جاتا ہے - اور منزل مقصود پر پہنچ کر سالک کو راہبر کی ضرورت بھی نہیں رہتی اور جسکو خدا پہ توکل ہو وہ تو دریا میں بھی ناخدا کا احسان نہیں اٹھاتا -

کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں		احسان ناخدا کے اٹھائے مری بلا	

(۷) **ترجمہ** - اے مدعی جا - میرا تجھ سے کچھ سروکار نہیں - دوست موجود ہیں دشمنوں کی کیا حاجت ہے -

مدعی ۔ دعوے کرنے والا ۔ بجاز اً بمعنے دشمن ۔
مطلب یہ ہے کہ معشوق ہم پر مہربان ہے ۔ رقیبوں سے کیا کھٹکا ہے ۔ خدا ہمارے ساتھ ہے ۔ ہم کو کس کا ڈر ہے ۔

(۸) ترجمہ ۔ اگر تو ہمارے خون کا ارادہ کرتا ہے تو جنگ کی حاجت نہیں ۔ سامان ہی تیرا ہے ۔ تو لوٹنے کی کیا ضرورت ہے ۔
محتاج ۔ بمعنے حاجت مند ۔ یہاں بمعنے حاجت ۔ یا اس طرح کہو کہ تیرے ارادہ کی تکمیل محتاج جنگ نہیں ہے
مطلب یہ ہے کہ جاں تیری دی ہوئی چیز ہے ۔ یعنی تیری چیز ہے ۔ اس لیے اسکو بغیر جنگ اور لوٹ کے تو لے سکتا ہے ۔ یا یہ کہ میرا دل تیری چیز ہے ۔ تو آپ بغیر لڑائی کے لے سکتا ہے ۔ مگر معشوق خواہ مخواہ لڑا کر لیتے ہیں ۔ عرفی کہتا ہے ۔

	بہ ملک ہستی من رو نہادہ سلطانے		کہ ما بصلح دہیم او بجنگ میگیرد	

(۹) ترجمہ ۔ اے گدا اگر عاشق جب معشوق کا روح بخش لب تیرے وظیفہ سے آگاہ ہے ۔ تو مانگنے کی کیا ضرورت ہے ۔
گدا ۔ مانگنے والا از مصدر گدیہ بمعنے مانگنا ۔ مگر عام استعمال میں گدا کو مصدری معنے دے کر گداگر فاعلی معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ جو غلط العام ہے ۔
وظیفہ ۔ جو چیز کسی آدمی کے لئے بطور امداد روزانہ مقرر کی جائے ۔
راتبہ ۔ روزینہ ۔
مطلب یہ ہے کہ معشوق جانتا ہے کہ عاشق کا وظیفہ لب جان پرور کا بوسہ ہے ۔ اور جب وہ جانتا ہے تو خود دیگا ۔ مانگنے کی کیا ضرورت ہے ۔

(۱۰) ترجمہ ۔ اے حافظ بس کر ہنر تو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے مدعی کے ساتھ صلح و جنگ کی کیا ضرورت ہے ۔
محابا ۔ بضم میم دراصل محابات ہے ۔ فارسی استعمال میں ت حذف کر دیتے ہیں ۔ بمعنے مروت ۔ اعانت ۔ صلح ۔ ضد جنگ ۔ نزاع و محابا یعنی جنگ و صلح ۔

مراد صرف لڑائی جھگڑا ہے۔

یہ شعر بھی خواجہ صاحب نے اپنے حاسدوں کے متعلق لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ دنیا خود فیصلہ کرے گی تو حاسدوں سے کیوں لڑتا ہے۔ ہنر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

غزل (۳۰)

خوشتر ز عیش و صحبت باغ و بہار چیست	۱	ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست
معنے آب زندگی و روضۂ ارم	۲	جز طرف جویبار و مے خوشگوار چیست
ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار	۳	کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست
پیوند عمر بستہ بموئیست ہوشدار	۴	غمخوار خویش باش غم روزگار چیست
راز درون پردہ ز رندان مست پرس	۵	اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست
مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند	۶	ما دل بعشوۂ کہ دہیم اختیار چیست
سہو و خطای بندہ چو گیرند اعتبار	۷	معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

(۸)
زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست
تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست
(۸)

(۱) ترجمہ۔ عیش۔ صحبت۔ باغ اور بہار سے اور کونسی چیز اچھی ہے۔ ساقی کہاں ہے۔ بتاؤ وجہ انتظار کیا ہے۔

بادہ نوشی کے لئے سب سے اچھا موسم موسم بہار اور سب سے اچھی جگہ باغ ہے۔ اور ساتھ ہی مجمع احباب بھی ہو اور دل میں ولولے بھی۔ تو پھر ساقی کو ضرور

بزم آرا ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس سے بہتر وقت پھر ہاتھ نہیں آسکتا۔

(۲) ترجمہ۔ آب حیات اور باغ بہشت سے مراد اگر کنار آب اور شراب خوشگوار نہیں تو اور کیا ہے۔

ارم۔ عاد کے شہر اور عاد کے باپ کا نام ہے۔ بہشت شداد کا نام بھی ارم ہے۔ آٹھویں بہشت کا نام غلطی سے مشہور ہے مجازاً بمعنے بہشت استعمال ہوتا ہے کہتے ہیں کہ ارم شداد حضرموت اور صنعان کے درمیان واقع اور بارہ فرسنگ مربع تھا۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ آب حیات اور کچھ چیز نہیں۔ شراب کو ہی آب حیات سمجھنا چاہیئے اور باغ ارم بھی سوائے لب جو کے اور کچھ شے نہیں۔ شراب عشق اور حیات جاوید کے لئے دیکھو شعر الف پلم

(۳) ترجمہ۔ خوشی کا جو وقت ہاتھ آئے غنیمت جان۔ کسی کو علم نہیں کہ انجام کار کیا ہے۔

مغتنم۔ بفتح نون۔ جس چیز کو غنیمت سمجھا جائے۔

اسی مضمون پر ہے۔

اے دوست بیا تا غم فردا نخوریم		ویں یکدم عیش را غنیمت شمریم	

آزاد خیال انسان کو عیش نقد سے بڑھکر کوئی چیز نہیں۔

گذشتہ خواب و آئندہ خیال است		غنیمت داں ہمیں دم را کہ حال است	

(۴) ترجمہ۔ عمر کا پیوند بال سے بندھا ہوا ہے۔ ہوشیار رہ اپنی غمخواری کر زمانہ کا کیا غم ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ رشتہ عمر بالکل کمزور ہے۔ اور ایک دم کا بھروسہ نہیں اپنا غم غلط کرنے کا فکر کر۔ دنیا کے افکار کو نزدیک نہ آنے دے۔

(۵) ترجمہ۔ پردہ کے اندر کا راز مت رندوں سے پوچھ۔ اے مدعی پردہ دار سے تیرا کیا جھگڑا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ زاہدان ظاہر پرست سلطان عشق کی حریم حرم کے صرف پردہ دار ہیں اندروں پردہ کا حال ان کو کچھ معلوم نہیں - وہ راز صرف مستان عشق کے سینے میں ہے - مدعی سے یہاں وہ شخص مراد ہے - جو رازدار ہونے کا صرف دعوے کرتا ہے فی الحقیقت رموز عشق سے واقف نہیں -

قریباً اسی مضمون پر ہے - شعر الف ۴۹ - اور مصرع اول دونو شعروں میں ایک ہی ہے - بعض نسخوں میں پہلا مصرع اسطرح ہے -" راز دروں پردہ چہ داند فلک خموش - اور مروجہ نسخوں سے بہتر ہے - معنے صاف ہیں - فلک کو پردہ دار کہا ہے -

(۶) **ترجمہ** - مستور و مست دونو جب ایک ہی قبیلہ میں ہیں - تو ہم کس کے ناز پر دل دیں ہمارا کیا اختیار

مستور و مست - ضد یکدیگر ہیں - ہوشیار و مست یا زاہد و رند

عشوہ - بالکسر - بمعنے ناز و فریب - معشوق کی کوئی حرکت - جس سے عاشق کا دل فریفتہ ہو جائے - انداز - ادا -

مطلب یہ ہے - کہ زاہد جو پابند شرع ہے - اور مست جو ان قیود سے بالا ہے دونو ایک ہی مطلوب کے طلبگار ہیں - اب ہمیں معلوم نہیں کہ ہم کس روش کو اختیار کریں اور نہ ہی ہمارا انتخاب ہمارے اختیار میں ہے -

جبر و اختیار کے لئے دیکھو شعر الف ۳۲ - مستور و مست کی لفظی مشابہت ظاہر

(۷) **ترجمہ** - اگر انسان کی سہو و خطا پر ہی اعتبار ہے - تو پروردگار کی عفو و رحمت کے کیا معنی ہیں -

سہو - بفتح - فراموشی - بھول جانا - غافل ہونا

اگر انسان کے اعمال پر ہی صرف اعتبار ہے اور اسکے ثواب و عذاب کے لئے صرف یہی معیار ہے - تو خدا کی مغفرت اور رحمت کس لئے ہے اور اس کے غفور الرحیم ہونے سے کیا مراد ہے -

گر من نکنم گناہ رحمت چہ بود		آرائش رحمت از گناہ کردن ماست	(عمر خیام)

اسی مضمون پر ہے نظامی گنجوی کا یہ شعر۔

گناہ من ار نامدے در شمار	ترا نام کے بودے آمرزگار

عمر خیام نے اسی خیال کو نہایت تیز اور شوخ تر الفاظ میں اس طرح ادا کیا ہے۔

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو	آنکس کہ گناہ نہ کرد چوں زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی	پس فرق میان من و تو چیست بگو

حدیث ہے۔ ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان ۔ یعنی اللہ تعالے میری امت کے سہو خطا سے درگذر کریگا۔

(۸) **ترجمہ**۔ زاہد نے شراب کوثر اور حافظ نے جام مے کی خواہش کی۔ دیکھئے کہ خدا کی رضا کیا ہے۔

کوثر۔ بہشت کی ایک نہر کا نام ہے ۔جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اسکا پانی ایک حوض میں بھرتا ہے۔ نبی آخر الزمان علیہ الصلوۃ والسلام کو وہ حوض قیامت کے روز عطا ہوگا۔ اور آپ اپنے دست مبارک سے آبخورے بھر بھر کر امت کو پانی پلائینگے ۔ پھر کسی کو پیاس نہ لگے گی ۔ شراب کوثر سے مراد آب کوثر۔ یا شراب طہور۔ **خواستہ**۔ رضا۔ مرضی۔ مصدر خواستن سے ۔جس چیز کی خواہش کی جائے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ زاہد شراب کوثر کا طالب ہے اور حافظ جام شراب کا۔ یعنی زاہد کے لئے غائت الآمال شراب کوثر ہے اور ہمیں اس پیالہ کی خواہش ہے۔ جس میں ہم عکس رخ یار دیکھ لیں (دیکھو شعر الف ۱/۲) ۔ہم اور کسی نعمت کے طالب نہیں ہیں۔ دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے۔ اور کون فائدے میں رہتا ہے۔

غزل (۳۱)

مصرع اول		مصرع دوم
ماہم این ہفتہ شد از شہر و بچشمم سالیست	۱	حال ہجران تو چہ دانی کہ چہ مشکل حالیست
مردم دیدہ ز لطف رخ او در رخ او	۲	عکس خود دید گمان کرد کہ مشکیں خالیست
ایکہ انگشت نمائی بکرم در ہمہ شہر	۳	وہ کہ در کار غریباں عجبت اہمالیست
میچکد شیر ہنوز از لب ہمچون شکرش	۴	گرچہ در عشوہ گری ہر مژہ اش قتالیست
بعد از نیم نبود شائبہ در جوہر فرد	۵	کہ دہان تو دریں نکتہ خوش استدلالیست
مژدہ دادند کہ برما گذرے خواہی کرد	۶	نیت خیر مگرداں کہ مبارک فالیست

(۷) کوہ اندوہ فراقت بچہ حیلت بکشد
حافظ خستہ کہ از نالہ تنش چون نالیست (۷)

(۱) ترجمہ ۔ میرا معشوق اس ہفتے شہر سے گیا ۔ اور مجھے یہ ہفتہ ایک سال نظر آتا ہے تو فراق کی حالت کو نہیں جانتا کہ کیسی مشکل ہے ۔

ماہ ۔ بمعنے چاند و مہینہ مجازاً معشوق ۔ لفظ شہر بھی عربی میں بمعنے ماہ ہے ۔ ماہ ہفتہ ۔ سال میں صنعت ایہام مرشح ہے ۔

قاعدہ ہے ۔ کہ جب کوئی آدمی کسی تکلیف یا مصیبت میں ہوتا ہے تو اسکی ایک ایک گھڑی ایک ایک سال کے برابر ہوتی ہے اور عاشق کے لئے ہجر کی راتیں تو قیامت کے دن سے بھی بڑی ہوتی ہیں ۔ ع

میر گز ر دلبسوز یک روز سالے کن حساب چوں خاہد گذشت سالم

(۲) ترجمہ ۔ آنکھ کی پتلی نے معشوق کے چہرہ کی لطافت سے اسکے چہرہ پر اپنا عکس

دیکھا۔ اور گمان کیا کہ سیاہ تل ہے۔
لطف ۔ نرمی ۔ تازگی ۔ پاکیزگی ۔ صفائی ۔ شفاف ہونا۔
معشوق کے چہرہ کو اسقدر صاف اور شفاف کہا ہے کہ اس کو دیکھنے والے کی آنکھ کی پتلی کا عکس اس کے چہرہ پر پڑ گیا اور دیکھنے والے نے سمجھا کہ تل ہے۔ (مبالغہ ہے) ۔ خال اور مردم دیدہ رنگ اور شکل میں مشابہ ہیں ۔ اگر عالم کثرت کو ایک آئینہ فرض کر لیا جائے ۔ تو یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ انساں کو جو کچھ نظر آرہا ہے۔ اس کے اپنے خیالات کا ہی عکس ہے۔ اور **بارکلے** کی فلاسوفی میں تو مادہ کے وجود سے قطعی انکار کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ انسان کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ جس شئے کو وہ کسی حس سے محسوس کرتا ہے۔ وہ تمام اسکے اپنے دماغ کے تصورات کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح انسانی دماغ اور روح بھی روح مطلق یعنی وجود باری تعالےٰ کا ایک عکس ہے۔ گویا تمام کائنات روح مطلق کے تصورات کا مجموعہ ہے۔ قریباً وہی اصول ہے۔ جو ہمہ اوست کا ہے۔

(۳) ترجمہ ۔ اے کہ تو سارے شہر میں مہربانی کے لیئے مشہور ہے ۔ حیران ہوں کہ مسکینوں کے کام میں تجھے **عجب** تاخیر ہے۔

انگشت نما ۔ اگرچہ یہ لفظ عام طور سے برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ بدنام کا ہم معنے سمجھا جاتا ہے ۔ مگر حقیقت میں یہ لفظ ہر جگہ استعمال ہو سکتا ہے۔ کسی صفت کے لیئے خواہ وہ اچھی ہو یا بری جب ایک آدمی مشہور ہو جائے۔ یعنی لوگ انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کریں کہ وہ ہے۔ تو اسکے لئے لفظ انگشت نما استعمال ہو سکتا ہے۔ **وہ** ۔ کلمہ تعجب ۔ تحسین و افسوس ۔ **اہمال** ۔ یہ لفظ امہال کا قلب ہے، ۔ مہلت دینا ۔ تاخیر کرنا ۔ اگر مادہ ہمل سے سمجھا جائے۔ تو بمعنے درنگ دیر۔

مطلب یہ ہے کہ جب تیرا اکرم اتنا عام ہے ۔ تو ہم مسکینوں کے حصول مقصد میں کیوں دیر ہے۔

(۴) ترجمہ۔ اس کی شکر جیسی (شیریں) لبوں سے اب تک دودھ ٹپکتا ہے
گرچہ اسکی ہر ایک پلک ناز و انداز میں قاتل ہے۔

قتال۔ بہت قتل کرنے والا۔ اسم تفضیل قاتل۔

مطلب یہ ہے۔ میرا معشوق باوجود کم سن ہونے کے اتنا قاتل ہے۔ شیر و شکر کی رعایت ظاہر۔

یا یہ سمجھو۔ کہ اگرچہ اس کے ناز و انداز قاتل ہیں۔ مگر اسکی لب شیریں عاشقوں کے نزدیک شیر و شکر سے زیادہ مرغوب ہے۔

(۵) ترجمہ۔ اس کے بعد مجھے جوہر فرد کے متعلق کوئی شک باقی نہیں رہا۔ کیونکہ تیرا دہن اس نکتہ کی زبردست دلیل ہے۔

شائبہ۔ آمیزش۔ آلودگی۔ مجازاً بمعنی شک۔ **جوہر فرد**۔ جزو لا یتجزیٰ جو متکلمین کے نزدیک کسی طرح بھی قابل تقسیم نہیں ہے۔ نہایت ہی چھوٹا ذرہ جسکے حصے نہ ہو سکتے ہوں۔ مگر حکما کے نزدیک کوئی ایسی چیز ہی نہیں ہو سکتی۔ جس کے حصے نہ ہو سکیں۔ کیونکہ اگر اسکا کوئی وجود ہے۔ تو ضرور اسکے حصے بھی ہو سکیں گے۔ یہ علیحدہ امر ہے۔ کہ ہم اس کے حصے نہ کر سکیں۔ لہذا ایک ایسی چیز جسکے حصے نہ ہو سکیں۔ وہ صرف موہوم ہوگی موجود نہ ہوگی۔

علم ہندسہ میں نقطہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا عرض و طول نہیں ہوتا۔ اور نہ اسکی تقسیم ممکن ہے۔ نقطہ موہوم بھی کہتے ہیں۔ یعنی جس کے وجود کو صرف وہم تصور میں لا سکے۔ بظاہر محسوس نہ ہو۔ جوہر فرد کو عموماً جزو لا یتجزیٰ اور نقطہ موہوم بھی کہتے ہیں۔ شعرا معشوق کے دہن کو بوجہ تنگی نقطہ موہوم اور جوہر فرد سے تشبیہ دیتے ہیں۔

نکتہ۔ پاکیزہ اور پوشیدہ بات۔ جس کو ہر ایک آدمی نہ سمجھ سکے۔ نقطہ کی بجائے بھی لکھتے ہیں۔ لہذا نکتہ اور جوہر فرد کی رعایت ظاہر۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ پہلے تو شاید مجھے جوہر فرد کے وجود کی نسبت کوئی شک ہو۔ چنانچہ حکما کو بھی اس کے وجود سے انکار ہے۔ مگر اب مجھے یقین ہوگیا

کہ جوہر فرد کا وجود ہے۔ کیونکہ معشوق کا دہن اس نکتہ کی بہت زبردست دلیل ہے یعنی معشوق کا دہن خود ایک جوہر فرد ہے۔ اس کی موجودگی میں جوہر فرد کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا۔ نیز دیکھو شعر ت ۵/۱

(۶) ترجمہ۔ لوگوں نے یہ مژدہ دیا ہے۔ کہ تو ادھر تشریف فرما ہوگا۔ اس نیک نیت کو نہ بدل کہ یہ اچھا فال ہے۔

یعنی تو ضرور آ کہ یہ خوشخبری بے بنیاد ثابت نہ ہو۔

(۷) ترجمہ۔ حافظ خستہ جاں جسکا جسم درد کر نال کی مانند ہو گیا ہے۔ تیرے ہجر کے غم کے پہاڑ کو کسطرح اٹھائے۔

نال ۔ قلم تراشتے وقت جو ریشہ قلم کے اندر سے نکلتا ہے۔ نیشکر۔ نے جو اندر سے خالی ہو۔

اس شعر کا ترجمہ کرتے وقت دوسرے مصرع کا ترجمہ پہلے کیا گیا ہے۔ اور پہلے مصرع کا ترجمہ پیچھے۔ نالہ اور نال کی صنعت ظاہر۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں تیرے فراق میں اب اسقدر کمزور ہو گیا ہوں کہ اب غم فراق کی برداشت نہیں رہی۔ کیونکہ کوہ و کاہ کا کیا مقابلہ ہے۔

غزل (۴۲)

صحن بستان ذوق بخش و صحبت یاران خوش است	۱	وقت گل خوش باد کز وی وقت میخواران خوش است
از صبا ہر دم مشام جان ما خوش مے شود	۲	آرے آرے طیب انفاس ہواداران خوش است
ناگشودہ گل نقاب آہنگ رحلت ساز کرد	۳	نالہ کن بلبل کہ گلبانگ دل افگاران خوش است
مرغ شبخوان را بشارت باد کاندر راہ عشق	۴	دوست را با نالہ شبہای بیداران خوش است

اگرچه در بازار دہر از خوشدلی جز نام نیست	۵	شیوۂ رندی و خوش باشی عیاران خوش است
از زبان سوسن این آوازہ ام آمد بگوش	۶	کاندرین دیر کہن کار سبکباران خوش است

(۷)
حافظا ترک جہاں گفتن طریق خوشدلیست
تا نہ پنداری کہ احوال جہانداراں خوش است
(۷)

(۱) ترجمہ ۔ باغ کا صحن نشاط بخش ہے ۔ اور مجلس احباب دلخوش کن ہے۔ موسم بہار خوش رہے کہ اسنے میخواروں کے وقت کو خوش کر دیا ۔

خواجہ صاحب باغ ۔ مجلس ۔ احباب اور موسم بہار کے مین کے بہت دلدادہ ہیں اکثر اس کا ذکر کرتے ہیں ۔ چنانچہ دیکھو شعر (ت ۳۰/۱) شعر (ت ۱۲/۱) غزل اول ردیف ب ۔ اور شعر (ی ۴۲/۱) وغیرہ

(۲) ترجمہ ۔ باد صبا سے ہمارے مشام جان کو خوشی ہوتی ہے ۔ ہاں ہاں ہواداروں کے انفاس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے ۔

طیب ۔ یعنے خوشبو ۔ **ہواداراں** ۔ معشوق کی آرزو اور اشتیاق رکھنے والے ۔ **مشام** ۔ دماغ کا وہ حصہ جو بو کو محسوس کرتا ہے ۔ **انفاس** ۔ جمع نفس یعنے سانس ۔ دم ۔

باد صبا ہمارے معشوق کی ہوادار یعنے اسکی مشتاق ہے ۔ اس لئے وہ نہایت خوشبودار ہے ۔ اور جب باد صبا معشوق کی زلف عنبریں کی خوشبو ہمارے پاس لاتی ہے ۔ تو ہمارے دماغ بھی مہک جاتے ہیں ۔ صبا اور ہوادار کی لطافت ظاہر ۔

مطلب یہ ہے کہ عاشقان حق کی ملاقات سے آدمی کی روح اور جان کو خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ اور دیار معشوق سے جو چیز عاشق کے پاس آئے ۔ اسکے دیکھنے سے عاشق کو راحت ہوتی ہے ۔

(۳) ترجمہ ۔ پھول نے نقاب کھولنے سے پہلے ہی کوچ کا ارادہ کر لیا اے بلبل رو کہ خستہ دلوں کی آواز اچھی ہوتی ہے ۔

پھول کی بہار چند روزہ ہوتی ہے۔ کھلا اور گیا۔ گویا شگفتہ ہونے سے پہلے ہی پژمردہ ہونے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ت ۱/۴

(۴) ترجمہ۔ مرغ شبخوان کو مژدہ ہو کہ راہ عشق میں۔ معشوق کو وہ بعہ بیداروں کے راتوں کے نالہ کے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

مرغ شبخواں ۔ کوئی پرندہ جو رات کو بولے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ شب بیدار لوگوں کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور ان کی فریاد با اثر۔ ہر شب بیدار عاشق کو مژدہ ہو کہ اس کے نالۂ شبگیر با اثر ہیں اور معشوق ان کو پسند کرتا ہے۔

(۵) ترجمہ ۔ اگرچہ بازار دنیا میں خوشدلی کا صرف نام ہی نام ہے۔ تاہم عیاروں کی خوش باشی اور طریق رندی اچھا ہے۔

عیار ۔ بہت آمد و رفت کرنے والا آدمی۔ بہت حرکت کرنے والا۔ ماخوذ از عیر یعنی گھوڑے کا دوڑتے وقت ادہر ادُہر جانا اور ہر طرف بھاگنا۔ مجازاً بمعنے چالاک رند مشرب

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ دنیا میں خوشی بالکل نہیں ہے۔ اور انسان کا خوش رہنا ناممکن ہے۔ الدنیا ساعۃ ولیس فیہا راحۃ ۔ تاہم کسی نہ کسی طریقہ سے وقت کو خوش گذارنے کی کوشش کرنی چاہئے ۔ خوش طبیعت آدمی ہر جگہ خوش رہ سکتا ہے اور حوادثات دہر سے مغلوب نہیں ہوتا۔

خوش باش ز ہر چہ پیش آید ز جہاں		ہر گز نہ شود چنانکہ دل خواہ کسےست		(خیام)

(۶) ترجمہ ۔ سوسن کی زبان سے میرے کان میں یہ آواز آئی۔ کہ اس دہر کہن سال میں سبکساروں کا کام اچھا چلتا ہے۔

سوسن ۔ آسمانی رنگ کا ایک مختصر پھول۔ **سبکسار** یعنی فارغ البال

مطلب یہ ہے کہ گل سوسن کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ دنیا سے آدمی جسقدر اپنے تعلقات۔ ضروریات اور لوازمات کو مختصر رکھے اتنا ہی خوش رہتا ہے۔ منزل ہر میں

مسافر کے پاس اسباب جتنا کم ہو اتنا ہی آسودہ رہیگا۔

	حق این ست و صاحبدلاں بشنوند		سبکبار مردم سبکتر روند	سعدیؒ

ع۔ ہر چہ ضرور نیست بدان شغل گیر

	نہ بر اشترے سوارم نہ چو اشتر زیر بارم غم موجود و پریشانی معدوم ندارم		نہ خداوند رعیت نہ غلام شہریارم نفسے میزنم آسودہ و عمرے بسر آرم	(سعدیؒ)

(۷) ترجمہ۔ اے حافظ جہاں کو ترک کرنا۔ خوشحالی کا طریقہ ہے۔ خبردار یہ نہ سمجھنا کہ جاہدار خوش رہتے ہیں۔

ترک جہاں سے مراد مختصر گیری ہے۔ اور قریباً وہی مضمون ہے۔ جو پچھلے شعر میں ہے۔

غزل (۳۳)

در دیر مغاں آمد یارم قدحے در دست	۱	مست از مے و میخواراں از نرگس مستش مست
از نعل سمند او شکل مہ نو پیدا	۲	وز قد بلند او بالائے صنوبر پست
آخر ز چہ گویم ہست از خود خبرم چوں نیست	۳	از بہر چہ گویم نیست با او نظرم چوں ہست
چوں شمع وجود من شب تا بسحر خود را	۴	میسوخت چو پروانہ تا رفت ز پا بنشست
شمع دل دمسازاں بنشست چو او برخاست	۵	افغان ز نظر بازاں برخاست چو او بنشست
گر غالیہ خوشبو شد در گیسوئے او آویخت	۶	ور وسمہ کماں کش شد با ابروی او پیوست

(۷)	باز آی کہ باز آید عشرۂ حافظ ہر چند کہ نامد باز تیرے کہ بشد از شست	(۷)

(۱) ترجمہ ۔ میرا معشوق دیر مغاں میں ہاتھ میں پیالہ لے کر آیا شراب سے مست تھا۔ اور شرابخوار اسکی مست آنکھوں سے مست تھے ۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق مطلق نے مے عشق سے سرشار ہوکر کائنات میں جلوہ نمائی کی ۔ اور اپنے عشق کی مستی سے تمام دنیا کو مست کر دیا ۔ مضمون "کنت کنزاً مخفی" کی طرف اشارہ ہے دیکھو شعر (الف ۱)

(۲) ترجمہ ۔ اسکے گھوڑے کے نعل سے ہلال کی شکل پیدا ہوئی اور اسکے بلند قد سے صنوبر کا قد پست ہوا ۔

یہ شعر پچھلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہے ۔ ہلال اور نعل سمند کی ظاہری مشابہت ظاہر ۔ معشوق کے قد اور صنوبر یا سرو کی تشبیہ مشہور ۔

مطلب یہ ہے کہ اسکے گھوڑے کا نعل ہلال کے برابر ہے اور اس کے قد کے مقابلے میں صنوبر کا قد بھی پست نظر آتا ہے ۔ جیسا کہ پہلے کئی بار لکھا جا چکا ہے ۔

صوفیائے کرام کے نزدیک تمام دنیا اور مافیہا نور مطلق کا عکس ہے بذاتہ موجود نہیں ۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ ماہ و خورشید و انجم وغیرہ سب اس کی تجلیات کا عکس ہے ۔

مقابلہ بالا معشوق اور قد سرو و صنوبر کے لئے دیکھو شعر (الف ۲۲) اسی مقابلہ میں مرزا بیدل نے کہا ہے ۔

	اگر بگلشن ز ناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما	
	ز پیکر سرو موج خجلت شود نمایاں چو مے زمینا	

اور اسی مضمون پر ہے یہ شعر بھی ۔

کیا پائی پائی تیرے قد نے ایسا		کہ سرو لب آب جواب جو ہے

(۳) ترجمہ ۔ آخر کس طرح کہوں کہ "ہے" جب مجھے اپنی ہی خبر نہیں اور کس لئے کہوں کہ "نہیں" جب میری نظر اس پر ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ جب مجھے اپنی ہی خبر نہیں کہ کیا ہوں اور ہوں یا نہیں ہوں تو میں کسطرح کہہ سکتا ہوں کہ دنیا موجود ہے ۔

(غالب) جتنا کہ وہم غیر سے ہوں میں اضطراب میں		اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے	

مگر یہ بھی نہیں کہ سکتا کہ معدوم ہے۔ کیونکہ میری نظر معشوق مطلق پہ ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خالق و مخلوق دونوں ہیں۔ کیونکہ ان کے درمیان رابطہ معشوق و عاشق موجود ہے۔ واجب الوجود صرف ذات الٰہی ہے۔ کائنات صرف ممکن الوجود ہے مگر موجود ہے۔ معدوم یا محال نہیں۔ ہست و نیست کا مقابلہ لطیف ہے۔

(۴) ترجمہ۔ شمع کی طرح میرے وجود نے شام سے صبح تک اپنے آپ کو پروانہ کی مانند جلایا اور صبح تک گل نہ ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ میرا وجود پروانے کی طرح آتش عشق سے تمام عمر جلتا رہا اور شمع کی طرح صبح یعنی صبح قیامت تک گل نہ ہوا۔ شمع تمام رات جلتی رہتی ہے عاشق بھی تمام رات یا تمام عمر آتش عشق میں جلتا ہے۔

زبانہ نشست کی تشبیہ شمع سے اور میسوخت کی تشبیہ پروانہ سے متعلق ہے یعنی چوں شمع زبانہ نشست و چوں پروانہ میسوخت۔

(۵) ترجمہ۔ عاشقوں کے دل کی شمع گل ہوگئی جب وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور نظر بازوں نے فریاد کی جب وہ بیٹھ گیا۔

مطلب یہ ہے۔ کہ معشوق کے جدا ہونے پر عاشقوں کے دل بقرار ہو جاتے ہیں اور اسکے وصال میں بھی ان کو یک گونہ بے چینی ہوتی ہے۔

بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ		غرض دوگونہ عذاب است جان مجنوں را	

اسی مضمون پر ہے

سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی		من شمع جانگدازم تو صبح دلگشائی نزدیکت ایں چنینم دور آں چناں کہ گفتم	

نیز دیکھو شعر (ت $\frac{۵۸}{۱۵۱}$) نشست و برخاست کا مقابلہ خالی از لطف نہیں۔

(۶) ترجمہ۔ اگر غالیہ خوشبودار ہوا ہے۔ تو اسکے گیسو میں لگا۔ اور اگر وسمہ کمان کش ہوا ہے تو اسکے ابرو سے پیوستہ ہوا۔

غالیہ - مشہور خوشبو ہے ۔ مشک عنبر۔ کافور وغیرہ سے مرکب ہوتی ہے۔ یہ لفظ فارسی میں مطلق بمعنے خوشبو بھی استعمال ہوتا ہے ۔ **وسمہ** - نیل کے درخت کے پتے جو بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے لگائے جاتے ہیں - یہ پتے کمان کی طرح لمبوترے اور خمدار ہوتے ہیں ۔

مطلب یہ ہے کہ غالیہ اگر خوشبودار ہوا ہے - تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ معشوق کے گیسوؤں میں لگا ہے گویا معشوق کے گیسو غالیہ سے خوشبودار نہیں ہوتے بلکہ غالیہ گیسوئے معنبر سے لگ کر خوشبودار ہو گیا - اور وسمہ کمان کش اس لئے ہے۔ کہ معشوق کے کمانِ ابرو پر لگا ہے ۔ وسمہ ابرو کو سیاہ کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے ۔

تاب بر زلف وسمہ بر ابرو		سرمہ در چشم وغازہ بر رخسار (عطار)

(۷) ترجمہ - واپس آ کہ حافظ کی گئی ہوئی عمر واپس آئے - ہر چند کہ جو تیر کمان سے نکل جائے واپس نہیں آتا ۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہر چند یہ قاعدہ ہے کہ جب تیر کمان سے ایک دفعہ نکل جائے تو پھر واپس نہیں آتا - اور وقت بھی جب ہاتھ سے چلا جائے تو پھر نہیں ملتا مثل ہے تیر از کمان جستہ و وقت از دست رفتہ باز نے آید۔ مگر مجھے یقین ہے کہ تیرے آنے پر میری گذری ہوئی عمر یا زمانہ شباب واپس آ آجائے گا ۔

غزل (۳۴)

گل در بر و مے در کف و معشوق بکام است	۱	سلطان جہانم بچنیں روز غلام است
گو شمع میارید دریں بزم کہ امشب	۲	در مجلس ما ماہ رخ دوست تمام است

درمذہب ما بادہ حلال است ولیکن	۳	بے روئے تو اے سروِ گل اندام حرام است
گوشم ہمہ بر قول نے و نغمہ چنگ ست	۴	چشمم ہمہ بر لعل لب و گردش جام است
در مجلس ما عطر میامیز کہ جاں را	۵	ہر لحظہ ز گیسوئے تو خوشبوئے مشام است
از چاشنی قند مگو ہیچ وز شکر	۶	زاں رو کہ مرا از لب شیرین تو کام است
تا گنج غمت در دل ویرانہ مقیم ست	۷	پیوستہ مرا کنج خرابات مقام است
از ننگ چہ گوئی کہ مرا نام ز ننگ ست	۸	وز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام است
میخوارہ و سرگشتہ و رندیم و نظرباز	۹	وآنکس کہ چو ما نیست دریں شہر کدام است
با محتسبم عیب مگوئید کہ او نیز	۱۰	پیوستہ چو ما در طلب عیش مدام است

(۱۱) حافظ منشیں بے می و معشوق زمانے
کایام گل و یاسمن و عید صیام است (۱۱)

(۱) ترجمہ۔ پھول بغل میں (جام) شراب ہتھیلی پر اور معشوق موافق ہے آج جہاں کا بادشاہ میرا غلام ہے۔

مطلب یہ ہے کہ موسم بہار ہے۔ جام مے ہاتھ میں ہے اور معشوق مہربان ہے۔ آج سارے جہاں کا بادشاہ بھی اتنا خوش قسمت نہیں جتنا میں دیکھو شعر (۵ ت ۲۰ / ۱)

(۲) ترجمہ۔ کہو کہ اس محفل میں شمع نہ لائیں۔ کیونکہ آج رات۔ ہماری مجلس میں معشوق کے چہرہ کا کامل چاند موجود ہے۔ (یا چہرہ کا چاند کافی ہے)۔

ماہ تمام۔ چودہویں رات کا چاند۔ معشوق کے چہرہ کو ماہ کامل سے تشبیہ دی ہے۔ چاند کی موجودگی میں شمع کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) ترجمہ۔ ہمارے مذہب میں شراب حلال ہے۔ لیکن اے سروِ گل اندام تیرے رخسار کے بغیر حرام ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ شراب صرف اسی صورت میں ہمارے مذہب میں حلال ہے کہ تیری موجودگی میں پی جائے۔ یعنی تیرا مشاہدہ ضروری ہے عاشقان حق کے لئے

شراب کوثر بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتی اگر انکو مشاہدہ ذات باری تعالے بھی اسکے ساتھ نصیب نہ ہو۔

آسائش ہمسائگی حق زتو خواہد		او ہیمہ دوزخ نکند باغ ارم را	(عرفی)

عاشقان صادق کو مئے محبت سے غرض دیدار دوست ہے۔ اور اگر یہ غرض پوری نہ ہو تو پھر فی الحقیقت جام مے لاحاصل ہے۔ دیکھو شعر الف ۴

من آں نیم کہ حلال از حرام نشناسم		شراب با تو حلال است و آب بے تو حرام	(سعدی)

(۴) ترجمہ۔ میرے کان نے کی آواز اور چنگ کے نغمہ سننے میں مصروف ہیں۔ میری آنکھیں لب لعل اور گردش جام پر لگی ہیں۔

ہمہ۔ یعنی ہمہ تن مصروف۔

(۵) ترجمہ۔ ہماری مجلس میں عطر نہ لا کہ (ہماری) جان کے لئے ہر لحظہ تیرے گیسوؤں سے دماغ کو خوشبو پہنچتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عاشقوں کو سوائے وصال معشوق کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں دیکھو شعر (۲) غزل ہذا

(۶) ترجمہ۔ قند کی شیرینی اور شکر کا بالکل ذکر نہ کر۔ کیونکہ میرا مقصود تیرے لب شیریں ہیں۔

معشوق کے لبوں کو شہد۔ شکر۔ نبات۔ قند۔ طعم طبرزد سے عموماً تشبیہ دی جاتی ہے۔ اور مقابلۃً لبوں کو شیریں تر کہا جاتا ہے۔ ع۔

گر طعم طبرزد لذیذ و سے لب یار شیرینی دگر دارد

(۷) ترجمہ۔ جب سے تیرے غم کا خزانہ میرے ویران دل میں مقیم ہے۔ میرا مقام ہمیشہ کنج خرابات میں رہتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب سے تیرا عشق میرے دل میں پیدا ہوا ہے۔ میں نے کنج خرابات کو اختیار کیا ہے۔ گنج اور ویرانہ یا خراب کی نسبت ظاہر۔ خزانہ عموماً ویران جگہوں میں مدفون ہوتا ہے۔ گنج غم و کنج خرابات اور مقیم و مقام کی صنعت

واضح - عاشق ہو کر خراباتی ہونا ضروری -

خرابات از جہاں بے مثال است		مقام عاشقاں لاابالی است
خرابات آشیان مرغ جان است		خرابات آستان لامکان است
شراب بیخودی در سر گرفتہ		بترک جملہ خیر و شر گرفتہ

(۸) ترجمہ - بدنامی کا کیا پوچھتا ہے - کہ میرا نام بدنامی سے ہے اور نیکنامی کا کیا پوچھتا ہے کہ مجھ کو نیکنامی سے عار ہے -

ننگ - بمعنے شرم - عیب - عار - ضد نیکنامی - مگر ننگ و نام بمعنے نیکنامی استعمال ہوتا ہے -

مطلب یہ ہے - کہ ہمارے نزدیک نیکنامی اور بدنامی کچھ چیز نہیں - اور نیکنامی سے ہم بدنامی کو زیادہ پسند کرتے ہیں -

نیک باشی و بدت گوید خلق		بہ کہ بد باشی و نیکت گویند (سعدی)

دیکھو شعر (الف ۱۳/۴)

شراب خوردہ ہر یک بے لب و کام		فراغت یافتہ از ننگ و از نام

نام ز ننگ اور ننگ ز نام میں صنعت عکس ہے -

(۹) ترجمہ - ہم شراب خوار سرگشتہ - رند اور نظر باز ہیں - لیکن اس شہر میں کون ہے - جو ہم جیسا نہیں -

دوسرے مصرع میں استفہام انکاری ہے - یعنی تمام لوگ ہماری طرح شراب خوار اور رند ہیں - البتہ اتنا فرق ہے - کہ ہم ظاہر و باطن ایک جیسے ہیں اور دوسرے لوگ ریاکار -

اسی مضمون کو خواجہ حافظ نے شعر (د ۹۶/۴) میں نہایت اعلےٰ پیرایہ اور شوخ تر طریقے میں ادا کیا ہے -

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ	
ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند	

(۱۰) ترجمہ ۔ محتسب سے میرے عیبوں کا ذکر نہ کرو کہ وہ بھی ۔ ہمیشہ ہماری طرح عیش مدام کی طلب میں ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ محتسب خود ہماری طرح عیش مدام کا طالب ہے ۔ اسکے سامنے ہمارے عیب بیان کرنے سے کیا فائدہ ہے ۔ ہم مے محبت سے مست ہیں اور وہ دنیاوی جاہ و مال کی وجہ سے بے بادہ مست ہے ۔ یا بظاہر مے سے پرہیز کرتا ہے اور خلوت میں بادہ خواری کرتا ہے ۔

خواجہ صاحب کے اسی خیال سے ڈاکٹر اقبال ناراض ہو کر خواجہ صاحب کے حق میں فرماتے ہیں ۔

مفتی اقلیم آو مینا بدوش		محتسب ممنون پیر مے فروش	

گر حقیقت یہ ہے ۔ کہ آج خواجہ صاحب سے پانچ چھ سو سال بعد مفتی اقلیم مینا بدوش اور محتسب ممنون پیر مے فروش ہے ۔

ایک شارح صاحب نے اس شعر کا اس طرح ترجمہ کیا ہے ۔ "میرے محتسب کو عیب نہ لگاؤ ۔ کہ وہ خود بھی ہماری طرح ہمیشہ عیش کی طلب میں ہے" اور محتسب سے مراد مرشد لی ہے ۔

(۱۱) ترجمہ ۔ اے حافظ ایک گھڑی بھی مے اور معشوق کے بغیر نہ بیٹھ ۔ کیونکہ گل و یاسمن کے دن ہیں اور عید صیام ہے

یعنی وہ موسم بہار ہے ۔ اور ابھی ماہ رمضان گذرا ہے رمضان میں تو بادہ خواری نہ کر سکا اب تو وقت ہے ۔ دیکھو شعر (ت ۳/۲ و ت ۴/۲)

غزل (۳۵)

اگر بلطف بخوانی مزید الطاف ست	۱	وگر بقہر براننی درون ما صاف ست

بیان وصف تو گفتن نہ حد امکان ست	۲	چراکہ وصف تو بیرون زحد اوصاف ست
چو سرو سرکشی اے یار سنگدل از ما	۳	چہ چشم ہاست کہ بر روے ما از اطراف ست
ز چشم عشق توان دید روے شاہد ما	۴	کہ نور چہرۂ خوبان ز قاف تا قاف ست
ز مصحف رخ دلدار آیتے برخوان	۵	کہ آن بیان مقامات کشف و کشاف ست

(۶) عدو کہ منطق حافظ طمع کند در شعر (۶)
ہمان حدیث ہمای و طریق خطاف ست

(۱) ترجمہ ۔ اگر تو لطف سے بلائے تو بڑی عنایت ہے اور اگر قہر سے ہٹائے تو ہمارا دل صاف ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم ہر حالت میں راضی بہ رضا ہیں اور سر تسلیم خم ہے کوئی شکایت نہیں

اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا	سر تسلیم خم ہے ۔ جو مزاج یار میں آئے

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے قریباً اسی مضمون پر کہا ہے۔

ہر چہ رود بر سرم چو تو پسندی رواست	بندہ چہ دعوی کند حکم خداوند راست
گر بہ لطفم بنزد خود خواند	ور بقہرم براند او داند
بندہ ام گر بلطف مے خوانی	چاکرم گر بقہر مے رانی

(۲) ترجمہ ۔ تیری تعریف بیان کرنا حد امکان سے باہر ہے کیونکہ تیری تعریف حد اوصاف سے باہر ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم	وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر	ما ہمچنان در اول وصف تو ماندہ ایم

جہان متفق بر الٰہیتش	فرو ماندہ در کنہ ماہیتش
بشر ماورائے جلالش نیافت	بصر منتہائے جمالش نیافت
نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم	نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم

	دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار		کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار	
	ز خاصاں دریں رہ فرس راندہ اند		بلا احصے از تنگ فرد ماندہ اند	

حدیث نبوی ہے کہ "لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك"
دیکھو شعر (الف ۱/۲)

(۳) ترجمہ ۔ اے سنگدل معشوق تو سرو کی طرح ہم سے سرکش ہے ۔ ہمارے منہ پر دونو طرف کیسے چشمے جاری ہیں ۔

چشمہ ہائے سے مراد چشمہ ہائے اشک ۔ سرو بھی قامت ہوتا ہے اس لئے سرکش کہا ۔ معشوق کا سرکش ہونا یعنے عاشق سے سرکشی کرنا ۔ سرو عموماً لب جو پر ہوتا ہے ۔ اس لئے سرو اور چشمہ اور چشم اور چشمہ کی رعایت ظاہر ۔

(۴) ترجمہ ۔ ہمارے معشوق کا چہرہ چشم عشق سے دیکھا جاسکتا ہے ۔ کیونکہ معشوقوں کے چہرہ کا نور قاف سے لیکر قاف تک ہے ۔

قاف ۔ پہاڑ کا نام جو (قدیم جغرافیہ کی رو سے) دنیا کے گرداگرد ہے ۔ کوہ قاف کے پریزادحسین مشہور ۔

مطلب یہ ہے کہ آنکھ چاہیئے ورنہ معشوق کے چہرہ کا نور تو تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے ۔ دل میں عشق پیدا کرنا چاہیئے ۔ محبوب کا مشاہدہ حاصل ہوجائے گا ۔

(جلال)	حشر پہ دید کے وعدہ کو نہ ٹالا ہوتا		اس کے جلوہ کا اگر دیکھنے والا ہوتا	
	دونو عالم سے تمہیں ڈھونڈھ نکالا ہوتا		ہم سا ایک ادا اگر چاہنے والا ہوتا	

(۵) ترجمہ ۔ معشوق کے رخسار کی کتاب سے آیات پڑھ ۔ کہ وہ مقامات کشف و کشاف کا بیان ہے ۔

مصحف ۔ بالضم و بالکسر ۔ وہ چیز جس میں صحیفے اور رسالے جمع کئے جائیں ۔ اسی مناسبت سے بمعنے قرآن مجید بھی استعمال ہوتا ہے ۔ **آیت** ۔ نشان ۔ علامت آیات قرآنی ۔ **کشاف** ۔ صیغہ مبالغہ بہت ظاہر کرنے والا ۔ بہت کھولنے والا ۔ واضح کرنے والا ۔ قرآن شریف کی ایک تفسیر مصنفہ جار اللہ زمخشری کا نام بھی ہے

کشف ۔ کھولنا۔ ظاہر کرنا۔ برہنہ کرنا۔ پردہ اٹھانا۔ اصطلاح صوفیہ میں وہ درجہ ہے۔ جس پر پہنچ کر غیب سے اسرار کھل جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ عاشق کو سوائے مشاہدہ محبوب کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ذات محبوب کے مشاہدہ سے تمام اسرار غیب اور رموز معنی عاشق پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ صوفی کے لئے بھی مقام کشف فی الحقیقت مشاہدہ محبوب ہے۔ اس سے پہلے کشف تمام ناممکن ہے۔ اور اسی طرح قرآن کریم کی آیات کو ازبر کرنے یا چند مسائل شرعی اور دلائل عقلی پر قادر ہونے یا کتب تفاسیر کے مطالعہ کرنے سے ہی انسان کامل نہیں ہو سکتا بلکہ عشق الہی میں جہاد کی ضرورت ہے۔ تاکہ معشوق مطلق کے نور کا مشاہدہ ممکن ہو۔ قرآن کریم میں ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ اور اس مشاہدہ کے ذریعہ عاشق کو مقام کشف وکشاف حاصل ہو جاتا ہے۔ یھدی اللہ لنورہ

(احسن)	چینش مظہر نور تجلی		جمالش مخزن اسرار معنی	
گلشن راز	کہ ہر حرفے از و بحر معانی ست		کہ رخسار او سبع المثانی ست	

مصحف ۔ آیت اور کشاف۔ کی رعائتیں ظاہر۔ مضمون جس خوبصورتی سے ادا ہوا ہے وہ خواجہ حافظ کا ہی حصہ ہے

(۶) **ترجمہ** ۔ دشمن جو شعر گوئی میں حافظ کے سخن کی طمع کرتا ہے۔ وہی ہملے اور اور خلاف والی بات ہے۔

منطق ۔ بالفتح۔ طائے حطی مکسور۔ سخن۔ گفتار۔ گفت گو۔ گفتگو کرنا۔ زبان۔ نام علم معروف۔ **خطاف** ۔ بضم۔ ایک چھوٹا سا پرندہ ہے۔ جو بہار میں ظاہر ہوتا ہے گھروں میں گھونسلہ بناتا ہے۔ اور انسان کے سامنے نہیں ہوتا۔ چمگادڑ اسکی دشمن ہے بجلی کا آواز سنکر ڈرتا ہے۔ کانپتا ہے۔ اور قریب المرگ ہو جاتا ہے۔ خطف یعنی بجلی کی بینائی کا جاتے رہنا اس پرندے کی اصلیت کے متعلق اختلاف رائے ہے۔

ہما ۔ مشہور پرندہ ہے۔ مشہور ہے کہ جس پر اس کا سایہ پڑے۔ بادشاہ ہو جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حاسد شعر گوئی میں حافظ کی برابری کرنا چاہتا ہے۔ گویا خطاف ہو کر ہما کی ہمسری کا مدعی ہے۔

غزل (۳۶)

۱	ما را ز خیال تو چه پروای شراب است	خم گو سر خود گیر که خمخانه خراب است
۲	گر خمر بهشت است بریزید که بی دوست	هر شربت عذبم که دهی عین عذاب است
۳	افسوس که شد دلبر و در دیدهٔ گریان	تحریر خیال خط او نقش بر آب است
۴	بیدار شو ای دیده که ایمن نتوان بود	زین سیل دمادم که درین منزل خواب است
۵	معشوق عیان میگذرد بر تو ولیکن	اغیار همی بیند ازان بسته نقاب است
۶	گل بر رخ رنگین تو تا لطف عرق دید	در آتش رشک از غم دل غرق گلاب است
۷	در بزم دل از روی تو صد شمع برافروخت	وین طرفه که بر روی تو صد گونه حجاب است
۸	سبز است در دوست بیا تا بگذاریم	دست از سر آبی که جهان جمله سراب است
۹	در کنج دماغم مطلب جای نصیحت	کاین حجره پر از زمزمهٔ چنگ و رباب است
۱۰	راه تو چه راهست که از غایت تعظیم	دریای محیط فلکش همچو حباب است
۱۱	بی روی دل آرای تو ای شمع دل افروز	دل رقص کنان بر سر آتش چو کباب است
۱۲	حافظ چه شد ار عاشق و رندست و نظرباز	بس طور عجب لازم ایام شباب است

(۱) ترجمہ — ہم کو تیرے خیال میں شراب کی کیا پروا ہے۔ خم کو کہو کہ اپنا کام دیکھے اب خمخانہ ویران ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عاشق کے لئے خیال معشوق میں کافی نشہ ہے اور وہ اسی نشہ میں مخمور ہے۔ اسکو شراب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے میخانہ اب ویران ہے اور ہمیں خم مے کے ساتھ کچھ سروکار نہیں۔ خم کے ساتھ لفظ سر نہایت موزوں ہے۔ سر خود گیر سے یہاں یہ معنے بھی لئے جا سکتے ہیں کہ اپنا منہ بند کرکے۔ مرزا بیدل چشم یار کے خیال میں مست ہو کر کہتے ہیں۔

بخیال چشم کہ مے زند قدح جنون دل تنگ ما		کہ ہزار میکدہ میدود بر کاب گردش رنگ ما

(۲) ترجمہ ۔ شراب بہشت بھی ہو تو گرا دو۔ کہ دوست کے بغیر۔ ہر شربت شیریں جو مجھے دوگے مین عذاب ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ شراب طہور اور جملہ نعیم فردوس عاشق صادق کی نظر میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ بغیر مشاہدہ محبوب اور وصال معشوق کے عاشق کے لئے بہشت بھی دوزخ ہے۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست		لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو	

اسی مضمون پر ہے

نہ جنت جویم و نی حور و نی انہار میخواہم شہاں مملکت فردوس را بایے بدست ارند		بتو ارزانی ای زاہد ہمہ من یار میخواہم کہ من درویش عالی ہمتم دیدار میخواہم	

اسی موضوع پر دیگر شعرا کی کلام کے لیے دیکھو شعر الف ۱/۴ (کوالف بہشت)

(۳) ترجمہ ۔ افسوس ہے کہ معشوق چلا گیا اور دیدہ اشکبار میں۔ اس کے خط کے خیال کی تحریر نقش برآب ہے۔

نقش برآب ۔ یعنی پانی پر تحریر۔ ظاہر ہے کہ پائیدار نہیں ہو سکتی۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اب معشوق تو سامنے نہیں۔ صرف اسکے خط و خال کا نقش بر آنکھوں میں باقی ہے۔ جو یک گونہ باعث تسکین ہے۔ مگر چونکہ آنکھیں ہر وقت اشکباری کرتی ہیں۔ اس لئے اس نقش برآب پر بھی کوئی اعتبار نہیں۔ خواجہ صاحب کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نقش اس پانی سے نہیں دھویا جا سکتا دیکھو شعر (ق ۱/۹)

(۴) ترجمہ ۔ اے آنکھ بیدار ہو کہ بے خطر نہیں رہ سکتے ۔ اس سیلاب مدام سے جو منزل خواب میں ہے ۔

منزل خواب ۔ یعنی نیند کی جگہ ۔ آنکھ

آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہے ۔ اس لیئے آنکھوں کو خیال ہونا چاہئے کہ اس سیلاب سے برباد نہ ہو جایئں ۔ آنکھوں سے ہمیشہ پانی آنا بینائی کے لئے مضر ۔ منزل یعنی مکان کا سیلاب سے ویران ہونا ظاہر ۔

منزل خواب سے دنیا بھی مراد لی جاسکتی ہے ۔ کیونکہ دنیا فی الحقیقت مقام غفلت ہے ۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا ۔ کہ دنیا میں سیلاب حوادث ہر وقت جاری ہے ۔ اور نفس امارہ ہر وقت فساد پر تیار ۔ اس لئے انسان کو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیئے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے ۔

(۵) **ترجمہ** ۔ معشوق تیرے پاس سے بے حجاب ہو کر گذرتا ہے لیکن ۔ تاکہ اغیار نہ دیکھ لیں ۔ اس لئے نقاب ڈالے ہوئے ہے ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ معشوق مطلق عیاں ہے ۔ بے حجاب ہے ۔ اور ہر وقت تیرے پاس ہے ۔ یہ پردہ صرف اس لیئے ہے ۔ کہ نااہل آشنا ہو کر موجب ضرر نہ ہوں ۔ صوفیائے کرام کے نزدیک مشاہدہ ہر وقت نصیب ہو سکتا ہے ۔ اور جو اہل دل ہیں انکو نصیب بھی ہوتا ہے ۔ پردہ صرف نااہلوں کے لئے ہے ۔

طالبان حق کی آنکھیں اس پردہ کے اندر دیکھ سکتی ہیں ۔ پردہ گویا شفاف ہے ۔ جن لوگوں میں استعداد نہیں ان کی آنکھیں اس پردہ کے اندر نہیں دیکھ سکتیں ۔ کیونکہ ان کی بینائی کامل نہیں ۔ چشم عشق روشن ہو تو یہ پردہ حائل نہیں ہوتا دیکھو شعر دف ۳۵/۴
مرزا غالب نااہل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
ورنہ یہاں جو پردہ ہے پردہ ہے ساز کا

مولانا روم فرماتے ہیں ۔

تن ز جان و جان ز تن مستور نیست
لیک کس را دید جان منظور نیست

(۶) ترجمہ۔ پھول نے تیرے رنگین رخسار پر جب سے پسینہ کا لطف دیکھا ہے
حسد کی آگ میں غمِ دل سے عرق گلاب ہے۔

گل۔ گلِ سرخ جسے گلاب کا پھول کہتے ہیں۔ عرق بفتحتین پسینہ۔
دوسرے معنے مشہور۔

رخسارِ یار کو گل سے تشبیہ دیتے ہیں اور عارض عرق کردہ کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس پر شبنم پڑی ہو۔ پھول نے گل عارض پر پسینہ کا قطرہ دیکھکر رشک کیا۔ کہ مجھ پر شبنم کا قطرہ ایسا بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ اس رشک میں اسکے دل کو رنج ہوا۔ اور اس سے وہ عرق گلاب ہوا۔ گلاب یعنی آب گل یا عرق گلاب۔ ظاہر ہے کہ گل میں گلاب موجود ہے اور وہ عرق گل آب ہے۔ مگر خواجہ صاحب نے اسکے عرق گلاب ہونے کی خوب وجہ بیان کی۔ گلاب گرمی کو تسکین اور دل کو فرحت بخشتا ہے۔ اس لیئے آتش رشک اور غم دل کے لئے یہ نسخہ تجویز ہوا۔

(۷) ترجمہ۔ محفل دل میں تیرے رخسار سے صدہا چراغ روشن ہوئے اور لطف یہ ہے کہ تیرے چہرہ پر صدہا پردے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ محبوب مطلق کی ذات گرچہ ہزاروں پردوں کے اندر ہے مگر اس نور میں اسقدر روشنی ہے۔ کہ ان تمام پردوں سے نکل کر وہ تمام دنیا کو منور کر رہا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اس نور کو بے حجاب دیکھنے کی طاقت کس کو ہے۔

	کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا		ہوئی ہے خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا	

(۸) ترجمہ۔ دوست کا دروازہ سرسبز ہے آکہ نہ چھوڑیں۔ ہاتھ چشمہ سے۔
کیونکہ تمام جہاں سراب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ در دوست ایک سرسبز اور پر فضا مقام ہے۔ اور دریائے فیض کا منبع بھی اسی جگہ ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ وہاں سے اور کسی طرف نہ جائیں۔ کیونکہ باقی تمام دنیا سراب کی مانند ہے۔ جو اپنے طالبوں کو تھکا تھکا کر مارتی ہے۔ زیادہ شرح

کے لیے دیکھو شعرات (۱۲/۸)

مروجہ نسخوں میں درِ دوست کی جگہ درِ دشت لکھا ہے۔

(۹) **ترجمہ** ۔ میرے گوشہ دماغ میں نصیحت کے لیئے جگہ نہ ڈھونڈھ ۔ کیونکہ یہ حجرہ چنگ و رباب کے نغموں سے پُر ہے۔

حجرہ ۔ کوٹھڑی

مطلب یہ ہے کہ میرا دماغ آواز چنگ و رباب سے پر ہے اور تمہارے عشق کے لئے مخصوص ہے۔ اس میں اور کسی چیز کی قبولیت کی گنجائش نہیں ۔ پند و نصیحت بے سود۔

(۱۰) **ترجمہ** ۔ تیرا راستہ کتنا عالیشان ہے۔ کہ غایت ادب سے ۔ آسمان کا دریائے محیط اس میں حباب کی مانند ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آسمان جو بظاہر تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ بھی تیرے بحر بیکراں میں بمنزلہ ایک حباب کے ہے ۔ آسمان کو بوجہ نیلگوں ہونے کے سمندر سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ اور چونکہ سرنگوں ہے ۔ اس لیئے خواجہ صاحب نے اسے بلبلہ کہا ۔ ادب کے لیے سرنگوں ہونا ظاہر ۔ علاوہ اس کے کہ راہ محبوب میں آسمان بھی سرنگوں ہے ۔ اس شعر سے کائنات کی وسعت اور عظمت بھی معلوم ہوتی ہے۔ گویا آسماں بحر عالم میں صرف ایک بلبلہ ہے۔ وصال نے اپنے لڑکے کو نصیحت میں کہا ہے ۔ کہ

یکی دریانہ او را بن پدید و نہ کراں پیدا　　درو اندیشہ حیراں وہم سرگرداں خرد شیدا

صدفہا اندرو مکنوں گہرہا ہمہ مشحوں　　یکی زانہا بود گردوں جواہر اختر رخشا

نہاں نیست گردوں را و ایں گردوں کہ می بینی　　بقدر بینش بیناست لا اہل دانش دانا

اگر ہر چہ چشم اندر شود نامش سپہر استے　　نخاکب را بود سقف سرا چوں گنبد خضرا

ترا گردوں ہمانستے کہ اندر جہاں بینیت　　مخواں یک کلبہ را گیتی مداں یک قطرہ را دریا

یکی بر فرق فرقد پو بپائے وہم تا بینی　　ازانجا فرقد دیگر بچشم آسمان پیما

چنیں با صد ہزاراں فرقدار پوئی چناں یابی　　کہ ہر یکشاں بود نسبت بہم ہم پست و ہم بالا

(۱۱) ترجمہ ۔ اے شمع دل افروز تیرے دلارا چہرہ کے سوا۔ ہمارا دل کباب کی طرح آگ پر رقص کرتا ہے

مطلب یہ ہے ۔ کہ تیرے فراق میں دل بیقرار ہے۔ اور آتش ہجر میں جل رہا ہے شمع دل افروز۔ دل کو روشن کرنے والا چراغ ۔ یعنی معشوق ۔ شمع ۔ افروز ۔ آتش ۔ کباب کی لفظی رعایت ظاہر ۔

(۱۲) ترجمہ ۔ کیا ہوا اگر حافظ عاشق رند اور نظر باز ہے ۔ کئی عجب باتیں ایام جوانی کا لازمہ ہیں ۔

مطلب یہ ہے کہ صرف حافظ ہی نہیں بلکہ تمام لوگ جوانی میں عاشق اور نظر باز ہوتے ہیں بقول سعدی ۔ در عنفوان جوانی چنانکہ افتد و بدانی ۔

غزل (۳۷)

کنوں کہ در کف گل جام بادہ صاف ست	۱	بصد ہزار زبان بلبلش در اوصاف ست
بخواہ دفتر اشعار و رہ بصحرا کن	۲	چہ وقت مدرسہ و بحث کشف و کشاف ست
فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد	۳	کہ می حرام ولے بہ ز مال اوقاف ست
بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش	۴	کہ ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست
ببر ز خلق و ز عنقا قیاس کار بگیر	۵	کہ صیت گوشہ نشیناں ز قاف تا قاف ست
حدیث مدعیاں و خیال ہمکاراں	۶	ہماں حکایت زردوز و بوریا باف ست

(۷)	خموش حافظ و این نکتہ ہای چوں زر سرخ نگاہدار کہ قلاب شہر صراف ست	(۸)

(۱) ترجمہ ۔ اب کہ پھول کی ہتھیلی پر شراب صافی کا پیالہ ہے بلبل سو ہزار زبانوں سے اسکے اوصاف بیان کر رہی ہے ۔
پھول شگفتہ ہو کر جام کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ اور سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے جام مے سے مشابہ ہوتا ہے ۔ بلبل کو ہزار ۔ ہزار آواز ۔ ہزار ادا ۔ ہزار داستان بھی کہتے ہیں ۔ اس لیئے لفظ ہزار اور بلبل کی رعایت لطیف ۔ صاف اور اوصاف کی تجنیس ظاہر ۔
مطلب یہ ہے کہ موسم بہار ہے ۔ اور بلبلیں نغمہ سرائی کر رہی ہیں ۔
(۲) ترجمہ ۔ دفتر اشعار لے کر صحرا کو جا مدرسہ اور کشف و کشاف کی بحث کا وقت نہیں ۔
موسم بہار ہے ۔ دیوان غزلیات لے کر باہر جا ۔ اور مناظر قدرت کا مطالعہ کر ۔ مدرسہ میں بیٹھنے کا وقت نہیں ۔ کشف اور کشاف سے مراد کتاب مطلق ۔
کشاف تفسیر مصنفہ جار اللہ زمخشری کا نام ہے ۔ کشف بھی کئی کتابوں کا نام ہے
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی مضمون پر کہا ہے ۔

بامداداں کہ تفاوت نکند لیل و نہار	خوش بود دامن صحرا و تماشائے بہار
صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار	وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار
کوہ و دریا و درختاں ہمہ در تسبیح اند	نہ ہمہ مستمعاں فہم کنند ایں اسرار
بلبلاں وقت گل آمد کہ بنالند از شوق	نہ کم از بلبل مستی تو بنال اے ہوشیار

بہار میں رات دن برابر ہوتے ہیں اس لئے کہا کہ تفاوت نکند لیل و نہار ۔
(۳) ترجمہ ۔ کل فقیہ مدرسہ مست تھا اور اس نے فتوے دیا کہ شراب حرام ہے مگر مال وقف سے اچھی ہے ۔
فقیہ ۔ دانشمند ۔ دانائے علم شرح ۔ از فقہ بمعنے معلوم کرنا ۔ جاننا علم مخصوص بعلم معرفت احکام شریعت ۔
اوقاف ۔ جمع وقف ۔ وہ مال جو کسی کی ملکیت نہ ہو ۔ اور فی سبیل اللہ اغراض مذہبی و رفاہ عامہ کے لئے چھوڑا گیا ہو ۔ اکثر مسجدوں اور مدرسوں کے اخراج

کے لئے جائداد وقف کی جاتی ہے۔ "الوقف لایملک"

مطلب یہ ہے کہ فقیہ مدرسہ نے مستی کی حالت میں یہ فتوا دیا کہ اگرچہ شراب پینا حرام ہے۔ مگر اس سے بھی بدتر فعل ان لوگوں کا ہے۔ جو مال وقف سے ناجائز طور پر فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنے استعمال میں لاتے ہیں

اوقاف کی حالت اب بھی ناگفتہ بہ ہے۔ منتظم اور متولی مال وقف سے اب بھی بہت سا حصہ اپنے مصرف میں لاتے ہیں۔ یہی حالت خواجہ صاحب کے وقت بھی ہوگی اس لئے خواجہ حافظ کہتے ہیں کہ شراب پینا بھی بے شک منع ہے۔ مگر مال وقف پر ناجائز تصرف اس سے بھی بڑا ہے۔ صرف مقابلہ منظور ہے۔

تو فخر بایں کنی کہ من مے نخورم		صد کار کنی کہ مے غلام است آں را	

زیادہ تفصیل کے لئے دیکھو شعر (الف ۴/۴) اور شعر (ت ۴/۴)

فقیہ مدرسہ نے یہ صاف گوئی بھی صرف حالت مستی میں کی ورنہ ہوشیاری میں وہ کب یہ فتوے دیتا۔

(۴) **ترجمہ**۔ تجھ کو درد و صاف پر کچھ اختیار نہیں۔ خاموش رہو۔ کیونکہ جو کچھ ہمارے ساقی نے (ہمارے جام میں) گرایا۔ عین مہربانی ہے۔

دُرد۔ شراب تیرہ۔ ہر رقیق چیز کے نیچے بیٹھی ہوئی میل۔ **صاف**۔ شراب صاف۔

مطلب یہ ہے کہ جو نیک و بدتیرے حصے میں آیا ہے۔ اس پر شاکر رہ۔ کیونکہ رب العزت کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور جو کچھ وہ کرتا ہے۔ تیرے فائدے کے لئے کرتا ہے۔ وہ تجھ پر مہربان ہے۔ اور ماسوا اس کے تیرا اختیار بھی کچھ نہیں سوائے شکر کے چارہ کہاں۔ دیکھو شعر (ت ۱/۹)

(۵) **ترجمہ**۔ خلقت سے قطع تعلق کر اور عنقا کی مثال سے سبق حاصل کر۔ کہ گوشہ نشینوں کا شہرہ قاف سے قاف تک ہے

قاف تا قاف یعنے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔ کوہ قاف

کی نسبت مشہور تھا کہ تمام عالم کے گرد پھیلا ہوا ہے۔
عنقا ۔ بفتح ایک مشہور پرندہ ہے ۔جس کا نام تو مشہور ہے ۔ مگر کسی نے اب تک دیکھا نہیں ۔گویا معروف الاسم اور مجہول الجسم ہے ۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں ۔ کہ عنقا چونکہ گوشہ نشین ہے ۔ اور اس نے خلقت سے قطع تعلق کیا ہے ۔اس لئے وہ اسقدر مشہور ہو گیا ہے ۔ تو بھی دنیا کو چھوڑ ۔ زاویہ گزین ہو اور دیکھ کہ تیری شہرت بھی عالم گیر ہو جائیگی ۔
اور کئی فرضی چیزوں کی طرح عنقا کا آشیاں بھی کوہ قاف میں بتاتے ہیں۔ لہذا ۔عنقا اور قاف کی رعایت ظاہر ۔
(۶) **ترجمہ** ۔ مدعیوں کی بات اور ہمکاروں کا خیال ۔ وہی زردوز اور بوریا باف کا مقابلہ ہے ۔
ہمکار ۔ بمعنے حریف ۔ دوست ۔ اور دشمن ہر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ یہاں بمعنے دوست
مطلب یہ ہے ۔ کہ حاسدوں کو یاروں سے وہی نسبت ہے ۔ جو بوریا باف کو زردوز سے ہے ۔ یہ شعر بھی فخریہ ہے ۔ خواجہ صاحب کے حاسد گویا نظم میں بوریا بافی کرتے ہیں ۔ اور خواجہ صاحب اپنی غزلوں میں زردوزی ۔
نیز دیکھو شعر (ف ۲۵/۹)
(۷) **ترجمہ** ۔ اے حافظ خاموش رہ اور یہ خالص سونے کی طرح نکتے محفوظ رکھ ۔ کہ شہر کا قلاب صراف ہے ۔
زرسرخ ۔ خالص سونا ۔ **نکتہ** ۔ باریک اور لطیف باتیں ۔
قلاب ۔ از قلب ۔ کھوٹی چیز بیچنے والا ۔ دغاباز ۔
مطلب یہ ہے کہ آج کل جو لوگ علمائے دین کہلاتے ہیں ۔ اور مفتی و فقیہ ہیں ۔ وہ فے الحقیقت خلاص سے خالی ہیں ۔ اور ریا کار ہیں ۔ اس لئے اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں ۔ کیونکہ وہ ان کے برعکس معنے لیں گے ۔ جس شہر میں

قلاب صراف کا کام کریں وہاں زرخالص کی قدر معلوم ۔

غزل (۳۸)

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز ست	۱	بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز ست
صراحیئے و حریفے گرت بدست افتد	۲	بعقل کوش کہ ایام فتنہ انگیز ست
در آستین مرقع پیالہ پنہان کن	۳	کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز ست
زرنگ بادہ بشوئید خرقہ ہا از اشک	۴	کہ موسم ورع و روزگار پرہیز ست
مجومی عیش خوش از دور واژگون سپہر	۵	کہ صاف این سر خم جملہ دردی آمیز ست
سپہر برشدہ پرویزنیست خوں افشاں	۶	کہ قطرہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز ست

(۷) عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ
بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز ست (۷)

جب محمد بن مظفر مبارز الدین شیراز اور فارس کا حکمران ہوا ۔ تو اس نے تخت نشین ہوتے کے ساتھ ہر جگہ محتسب مقرر کر دیئے اور تمام میخانے بند کرا دیئے تذکرہ تقی الدین حسینی میں لکھا ہے ۔ کہ خواجہ حافظ نے اسی واقعہ پر یہ غزل لکھی ہے ۔ (شعر العجم) خواجہ صاحب کے کلام میں اور کئی جگہ بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے ۔ دیکھو شعر (ب ۱/۱۲) اور غزل (۱۹) ردیف دال ۔

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع بھی شاعر تھا ۔ اس نے بھی اس موقع پر ایک رباعی لکھی ۔

در مجلس دہر ساز مستی پست است		نہ چنگ بہ قانون و نہ دف بر دست است

رنداں ہمہ ترک مے پرستی کردند		جز محتسب شہر کہ بے مے مست است

(۱) ترجمہ۔ اگرچہ شراب فرحت بخشنے والی اور ہوا معطر ہے۔ آواز چنگ کے ساتھ شراب نہ پی کہ محتسب تیز ہے۔

گل بیز۔ (بیز امر از بیختن) ۔ پھول گرانے والا۔ گل افشانی کرنے والا خوشبو پھیلانے والا۔

مطلب یہ ہے۔ کہ شراب خلوت میں اور چپ چاپ پی لے کہ محتسب کو خبر نہ ہو۔

(۲) ترجمہ۔ اگر تجھے صراحی مے اور معشوق مل جائیں۔ تو ہوش میں رہنے کی کوشش کر کہ زمانہ فتنہ انگیز ہے۔

مے و معشوق کی بزم میں ہوش کا تو کام نہ تھا۔ مگر محتسب کا خوف ہے۔ ورنہ بقول امیر مینائی

یار ادھر بدمست میں بیخود تکلف برطرف		ایسی صحبت میں جو آتا ہوش کیا دیوانہ تھا

(۳) ترجمہ۔ خرقہ کی آستین میں پیالہ کو پوشیدہ رکھ۔ کیونکہ چشم صراحی کی طرح زمانہ خونریز ہے۔

مرقع۔ کتاب تصاویر۔ خرقہ و دلق درویشاں۔ درویشوں کے کپڑے چونکہ پارہ پارہ (رقعہ) ہوتے ہیں۔ اس لئے خرقہ کو مرقع کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ زاہدوں کی طرح درویشی لباس میں جام مے کو پوشیدہ رکھ۔ کہ زمانہ نازک ہے۔ ضمناً زاہد ان ریاکار پر بھی حملہ ہے۔ جو لباس درویشی میں کار دیگر کرتے ہیں۔ گویا خرقہ کی آستین میں جام مے پوشیدہ رکھتے ہیں۔

کہاں میخانے کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ		پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

ذوق نے بھی اسی مضمون پر یہ رباعی لکھی ہے۔

	اے ذوق بس نہ آپ کو صوفی جتایئے نکلے ہو میکدہ سے ابھی منہ چھپا کے تم		معلوم ہے حقیقت ہو حق جناب کی دابے ہوئے بغل میں صراحی شراب کی	

چشم صراحی کو خوں ریز کہا کیونکہ صراحی کے مونہہ سے شراب سرخ نکلتی ہے

(۴) ترجمہ۔ اپنے خرقوں سے شراب کا رنگ آنسوؤں سے دھو ڈالو۔ کیونکہ زہد کا زمانہ اور پرہیزگاری کا وقت ہے۔

(۵) ترجمہ۔ آسمان کے اوندھے دور سے خوش قسمتی نہ ڈھونڈھ۔ کہ اس خُم کی صاف شراب بھی تمام دُرد آمیز ہے۔

عیش - زندگانی گذارنا۔ وقت بسر کرنا۔ عیش خوش۔ خوشی سے وقت بسر کرنا۔ مجازاً صرف لفظ عیش خوشی سے وقت بسر کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دور آسمان میں خوشی محال ہے۔ بظاہر جو خوشی ہے۔ وہ بھی فی الحقیقت رنج کا موجب ہے۔ اس لئے آسمان کے نیچے خوشی کی امید نہ رکھ۔

(۶) ترجمہ۔ بلند آسمان ایک خون افشاں چھلنی ہے۔ کہ اس کا ہر قطرہ سر کسرے اور تاج پرویز ہے۔

پرویزن - غربال۔ چھلنی۔ **کسریٰ** - شاہان ایران کا لقب۔ اور خاص نوشیرواں کا۔ **پرویز** - فتح مند۔ مچھلی۔ (۱) نوشیرواں کے بیٹے کا نام۔ چونکہ وہ بہت مچھلیاں کھاتا تھا۔ (۲) لفظ پرویزن کا مخفف بھی ہے۔ (۳) پرویں کو بھی کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آسمان نے ہزارہا کسرے و پرویز کا خون کیا ہے۔ شعر ناصحانہ ہے۔

پرویزنیست اور پرویزست کی رعایت ظاہر۔ لفظ پرویز کے مختلف معانی پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ خواجہ حافظ صاحب نے الفاظ کے انتخاب میں کتنا کمال ظاہر کیا ہے

(۷) ترجمہ۔ اے حافظ تو نے عراق اور فارس پر اپنی شاعری کا سکہ بٹھا لیا ہے۔ آکہ اب بغداد اور تبریز کی باری ہے۔

بغداد کا فرماں روا سلطان احمد بن اویس تمام کمالات کا مجموعہ تھا اور سخن سنج اور شاعر بھی تھا۔ خواجہ صاحب کو اس نے بار بار بلا بھیجا۔ خواجہ صاحب بھی

للچائے۔ لیکن شیراز کو نہ چھوڑ سکے۔ (شعر العجم)

غزل (۳۹)

یارب آں شمع شب افروز ز کاشانۂ کیست	۱	جان ما سوخت بپرسید کہ جانانۂ کیست
حالیا خانہ برانداز دل و دین من ست	۲	تا ہم آغوش کہ می باشد و ہمخانۂ کیست
بادۂ لعل لبش کز لب ما دور مباد	۳	راح روح کہ و پیمان دہ پیمانۂ کیست
دولت صحبت آں شمع سعادت پرتو	۴	باز پرسید خدارا کہ بپروانۂ کیست
مید مد ہر کسش افسونی و معلوم نشد	۵	کہ دل نازک او مائل افسانۂ کیست
یارب آں ماہ وش مہر رخ و زہرہ جبیں	۶	درِ یکتای کہ و گوہر یک دانۂ کیست
آں می لعل کہ ناخوردہ مرا کرد خراب	۷	ہمنشین کہ و ہم کاسہ و پیمانۂ کیست

(۸) گفتم آہ از دل دیوانۂ حافظ بی تو (۸)
زیر لب خندہ زناں گفت کہ دیوانۂ کیست

یہ تمام غزل عاشقانہ اضطراب کا ایک نقشہ ہے۔ مضمون مسلسل ہے۔ عاشق پریشان حال ہے اور بیقرار ہے۔ معشوق کے متعلق بیصبری سے ہر کسی سے پوچھتا ہے۔ کہ کہاں ہے۔ کس کے پاس ہے۔ کیا ہے۔ اور کس پر مائل ہے۔

(۱) ترجمہ۔ یارب وہ شمع شب افروز کس کے کاشانہ کا ہے۔ جان تو ہماری جلادی پوچھو کہ جاناں کس کا ہے

شب افروز۔ رات کی تاریکی کو دور کرنے والا یا روشن کرنے والا

کاشانہ۔ جھونپڑا۔ مکان۔

(۲) ترجمہ ۔ اب تو میرے دین و دل کا خانہ برانداز ہے ۔ دیکھیں کہ کس کا ہم آغوش ہوتا ہے اور کس کا ہمخانہ ہے ۔

خانہ برانداز ۔ گھر کو ویران کرنے والا ۔ مطلق ۔ غارت گر ۔ تباہ کن

(۳) ترجمہ ۔ اسکے لب لعل کی شراب جو خدا کرے ہماری لبوں سے دور نہ ہو ۔ کس کے روح کی راحت ۔ ہے ۔ اور کس کے پیمانہ سے اس کا عہد ہے ۔

راح ۔ (۱) خوش ہونا ۔ خوشی ۔ راحت ۔ (۲) شراب ۔ (۳) کھہائے دست راح اور بادہ کا تعلق ظاہر ۔ راح روح ۔ بارید کے تیس آوازوں سے ایک آواز کا نام بھی ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے لبوں کا بوسہ جو خدا کرے ۔ صرف ہم کو ہی نصیب ہو ۔ معلوم نہیں کہ اب کس کے روح کی راحت بنا ہے ۔ چونکہ لبوں کی سرخی کو شراب کہا ہے ۔ اس لئے پوچھا ہے کہ اب وہ کس کے پیالہ میں ہے ۔

راح و روح ۔ پیمانہ و پیمان ۔ لب و لعل اور بادہ کی رعائیتیں قابل تحسین ۔

(۴) ترجمہ ۔ اس یمن کو نور والے شمع کی صحبت کی دولت ۔ خدارا پوچھو کہ کس کے پروانے کے نصیب ہے ۔

معشوق کو شمع سعادت پر تو کہا ۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کی صحبت کے فیض اور سعادت سے کون بہرہ مند ہے ۔

(۵) ترجمہ ۔ ہر شخص اس پر منتر پھونکتا ہے اور معلوم نہیں ۔ کہ اس کا نازک دل کس کی باتوں پر مائل ہے

مطلب یہ ہے ۔ کہ ہر ایک شخص اس کا طالب ہے ۔ مگر معلوم نہیں کہ وہ کس کو چاہتا ہے ۔ عاشقانہ اور صوفیانہ دونو معنے ظاہر ۔

ہر کس بخیال خویش خبطی دارد	معلوم نہ شد کہ یار مشغول بہ کیست

(۶) ترجمہ ۔ اے خدادہ چاند کی صورت آفتاب کے رخسار اور زہرہ کی پیشانی

دالا۔ کس کا دریکتا اور گوہر یک دانہ ہے۔

دریکتا اور **گوہر یک دانہ** ۔ ہم معنے ہیں۔ دُر یتیم بھی کہتے ہیں۔ وہ موتی جو صدف میں صرف تنہا۔ ایک ہی دانہ پیدا ہو۔ زیادہ خوشنما شکل اور زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ بہت آبدار اور جسامت میں بڑا ہوتا ہے۔

(۷) ترجمہ ۔ وہ سرخ شراب جس نے پیئے بغیر مجھے خراب کردیا۔ کس کا ہمنشین اور کس کا ہم کاسہ وہم پیالہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق جس نے مجھے بے بادہ ہی مست کردیا۔ اب معلوم نہیں کہ کس کا ہم پیالہ ہے۔

(۸) ترجمہ ۔ میں نے کہا کہ تیرے سوا حافظ دیوانہ کے دل پر افسوس۔ زیرلب ہنس کر کہا کہ کس کا دیوانہ ہے۔

یعنی کہا کہ تیرے فراق میں حافظ دیوانہ کی حالت افسوسناک ہوتی ہے۔ تو ہنس کر پوچھا کس کا دیوانہ ہے۔ گویا اُسے یہ بھی معلوم نہیں۔ یہ صرف ایک چھیڑ اور معشوقانہ انداز ہے۔ جسے تجاہل معشوقانہ کہنا چاہیے۔

میری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیر باقی		انہیں مرنے کا ہی اب تک نہیں اعتبار ہوتا

خندہ زیرلب یعنی تبسم۔

غزل (۴۰)

بنال بلبل اگر با منت سر یاریست	۱	کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاریست
درآں چمن کہ نسیمے وزد ز طرۂ دوست	۲	چہ جای دم زدن نافہای تاتاریست
بیار بادہ کہ رنگین کنیم جامۂ دلق	۳	کہ مست جام غروریم و نام ہشیاریست

نه بسته اند در توبه حالیا برخیز	۴	که توبه وقت گل از عاشقی زبیکاریست
سحر کرشمهٔ چشمش بخواب میدیدم	۵	زهی مراتب خوابی که به ز بیداریست
خیال زلف تو پختن نه کار خامان ست	۶	که زیر سلسله رفتن طریق عیاریست
لطیفه الیست نهانی که عشق ازو خیزد	۷	که نام آن نه لب لعل و خط زنگاریست
جمال شخص نه چشم ست زلف و عارض و خال	۸	هزار نکته درین کار و بار دلداریست
بآستان تو مشکل توان رسید آری	۹	عروج بر فلک سروری بدشواریست
روندگان طریقت به نیم جو نخرند	۱۰	قبای اطلس آنکس که از هنر عاریست

(۱۱) دلش بناله میازار و ختم کن حافظ
که رستگاری جاوید در کم آزاریست (۱۱)

(۱) ترجمہ ۔ اے بلبل اگر تجھے میرے ساتھ یاری کا خیال ہے تو رو۔ کہ ہم دو تو عاشق زار ہیں اور ہمارا کام زاری ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم ۔۔۔ تو عشق گلے داری من عشق گل اندامے

خواجہ صاحب بلبل کو اپنا ہم آواز بناتے ہیں اور شیخ صاحب خود بلبل کے ہم آواز بنتے ہیں۔ اسی مضمون پر ہے۔

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں ۔۔۔ تو ہائے گل پکارنا میں ہائے ہائے دل

(۲) ترجمہ ۔ جس باغ میں زلف معشوق کی سمت سے نسیم چلتی ہو۔ نافہ ہائے تاتاری کو وہاں دم مارنے کی کیا طاقت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ زلف عنبرین کی موجودگی میں نافہ کچھ چیز نہیں۔

سوئے نافہ ای رسیدہ بو مپسند زحمت جستجو ۔۔۔ بخیال حلقہ زلف او گرہی خور و نفتن در آ

(۳) ترجمہ ۔ شراب لا کہ جامہ پارسائی کو رنگین کریں۔ کیونکہ ہم جام غرور کے مست ہیں اور نام ہوشیاری ہے۔

دلق ۔ بفتح پشمینہ جو درویش پہنتے ہیں ۔ بفتحتین ۔ جنگلی بلی جس کے پوست سے پوستین بناتے ہیں ۔

مطلب یہ کہ زاہدان ریاکار جو اپنے زہد و ورع پر مغرور ہیں ۔ وہ گویا بغیر شراب کے ہی مست ہیں ۔ اور اس غرور کا نام ہوشیاری یا مستوری رکھا ہے ۔ آ کہ اس مستوری سے مستی ہی اچھی ہے ۔

دوسروں کی برائی ظاہر کرتے وقت بجائے اُن کے اپنی ذات کو پیش کرنا اور صیغہ متکلم استعمال کرنا عام طرز گفتگو میں شامل ہے ۔

(۴) ترجمہ ۔ ابھی تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا اٹھ ۔ کیونکہ موسم بہار میں عاشقی سے توبہ کرنا فضول ہے

کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا ہے ۔ جب تک کہ طلوع آفتاب مغرب سے نہ ہو ۔

مطلب یہ ہے کہ آج کل موسم بہار ہے ۔ اور ابھی تک توبہ کا دروازہ بھی وا ہے ۔ آجکل توبہ کرنے کا کیا فائدہ خزاں میں دیکھا جائے گا ۔

(۵) ترجمہ ۔ آج سحر کو اسکے وصل کا کرشمہ میں خواب میں دیکھتا تھا ۔ زہی ایسی نیند کا مرتبہ جو بیداری سے اچھا ہے ۔

زہے ۔ کلمہ تحسین و تعظیم ۔

مشہور ہے کہ سحر کی خواب سچی ہوتی ہے ۔ خواجہ حافظ کہتے ہیں کہ گرچہ نیند سے شب بیداری اچھی ہے ۔ اور خاص کر سحرگاہ کی بیداری ۔ مگر سحر کی ایسی نیند جس میں ایسی اچھی خواب آئے ۔ بیداری سے بدرجہا اچھی ہے ۔

(۶) ترجمہ ۔ تیری زلف کا خیال باندھنا خام آدمیونکا کام نہیں ہے ۔ زنجیر کے نیچے چلنا عیارونکا کام ہے ۔

عیار ۔ بفتح اول و تشدید ثانی ۔ بہت آمد و رفت کرنے والا آدمی ۔ بہت حرکت کرنے والا آدمی ۔ ماخوذ از عیر بمعنے بہر سو رفتن اسپ بوقت جولان ۔ دلیر آدمی جو رات بھر

پھرتا رہے ۔ اور نہ ڈرے ۔ چالاک ۔

زلف معشوق کو زنجیر کہتے ہیں مطلب یہ ہے ۔ کہ معشوق کی زلف کا سودا آسان کام نہیں کیونکہ پا بزنجیر ہو کر چلنا چالاک آدمی کا کام ہے ۔ مولوی محمد صادق علی صاحب لکھتے ہیں کہ سلسلہ یعنی زنجیر و لیمان کہ در کشتنگاہ دزداں آویزند یعنی زلف سلسلہ ایست آویختہ و خونِ صد ہزاران در زیرا دریختہ ۔ پختن اور خام کا مقابلہ ظاہر

(۷) ترجمہ ۔ ایک پوشیدہ لطیفہ ہے ۔ جس سے عشق پیدا ہوتا ہے ۔ کہ اسکا نام لب لعل یا خط زنگاری نہیں ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق کی وہ ادا جو عاشق کے دل کو اسیر کرلیتی ہے ۔ ایک پوشیدہ نکتہ ہے ۔ جسکا بیان کرنا مشکل ہے ۔ یہ نہیں کہ سکتے کہ معشوق کے لب لعل نے یا خط مشکیں نے یا چشم مست نے یا عارض گلگوں نے یا اور کسی خاص چیز نے یا ادا نے عاشق کو اپنی طرف مائل کرلیا ہے ۔ بلکہ بحیثیت مجموعی تناسب اعضا اور ناز و ادا کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے ۔ جو عاشق کو فریفتہ کرلیتی ہے ۔ اور جس کا اظہار یا تعین لفظوں میں ناممکن ہے ۔

زدلبری نتواں لاف زد بآسانی ۔۔۔ ہزار نکتہ دریں کار ہست تاو آنی

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اس لطیفہ کو سرِ خدائی کہا ہے ۔

آں نہ خال است و زنخداں و سر زلف پریشاں ۔۔۔ کہ دل اہل نظر بردہ کہ سریست خدائی

(۸) ترجمہ ۔ جسم کی خوبصورتی ۔ آنکھ ۔ زلف ۔ عارض اور خال ہی نہیں معشوقی کے کاروبار میں ہزارہا نکات ہیں ۔

یہ شعر پہلے شعر سے قطعہ بند ہے ۔ اور مطلب وہی ہے ۔ جو گذشتہ شعر میں بیان ہوا ۔ یہ کہنا ناممکن ہے ۔ کہ فلاں عاشق اپنے معشوق کی چشم مست پرست ہوا ۔ یا اس کی شمع عارض کا پروانہ ہے ۔ یا اس کی زلف کا دیوانہ ہے ۔ کیونکہ یہ تمام اوصاف مشترکاً یا منفرداً ایک دوسرے حسین شخص میں بوجہ احسن موجود ہو سکتے ہیں اور عاشق کو اس خاص شخص پر فریفتہ ہونے کی پھر کوئی وجہ باقی نہیں رہتی فی الحقیقت کاروبار معشوقی میں ہزارہا نکتے ایسے ہیں جو ناقابل بیان ہیں ۔ اور جو حالتیں یا کیفیتیں کسی خاص وقت پر

کسی خاص انسان پر اثر کر جاتی ہیں۔ وہ بیان سے باہر ہیں۔ خواجہ صاحب نے ان دو شعروں میں ایک نہایت لطیف سائیکولاجیکل کیفیت کو ظاہر کیا ہے۔
فغانی شیرازی نے بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست		بسیار شیوہاست بتان را کہ نام نیست	

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ حسن میمندی سے لوگوں نے پوچھا کہ سلطان محمود کے اسقدر صاحب جمال غلام تھے۔ کہ ہر ایک لاثانی تھا۔ کسی سے اس کو اتنی میل و محبت نہ تھی۔ جتنی ایاز سے جو اتنا صاحب جمال نہ تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ "ہرچہ در دل فرود آید۔ در دیدہ نکو نماید"۔

(۹) ترجمہ تیری آستان تک مشکل سے رسائی ہوسکتی ہے۔ کیوں نہ ہو کہ سرداری کے آسمان پر چڑہنا دشوار ہے۔
معشوق کے آستانہ کو فلک سروری کہا۔
ایک صاحب نے دوسرے مصرع کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ "عروج فلک پر سرواری دشوار ہے"۔

(۱۰) ترجمہ۔ سالکان طریقت آدھے جو پر بھی نہیں خریدتے اس شخص کی اطلسی قبا جو ہنر سے عاری ہو۔
یعنی بے ہنر شخص کی اطلسی پوشاک نہات حقیر اور بے قدر چیز ہے۔ نیم جو کی قیمت کی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایسے شخص کو اطلسی قبا زیبا نہیں۔ اور زاہداں ریا کار کو جامہ مرقع غیر موزوں۔

اہل نگردد بلعمامہ سفیہ		خر نشود از جل دیبا فقیہ	(خسرو)

(۱۱) ترجمہ۔ اس کا دل نالہ سے آزردہ نہ کر اے حافظ بس کر۔ کہ ہمیشہ کی نجات کم آزاری میں ہے۔
خواجہ صاحب کا فلسفہ اخلاق دیکھئے کہ معشوق کو اپنے نالہ و فریاد سے بھی آزردہ کرنا نہیں چاہتے اور انکے نزدیک نجات اسی میں ہے۔ کہ انسان کم آزار ہو۔

تمام صوفیائے کرام اور اہل اللہ بزرگوں کا مشرب یہی رہا ہے۔ کہ دل آزاری سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور صرف کم آزاری ہی وسیلہ نجات ہو سکتی ہے۔ خدا غفور الرحیم ہے۔ ہم اپنے فرائض سے جو اسکے متعلق ہیں اگر کوتاہی کریں تو وہ بخش سکتا ہے۔ مگر ایک انسان کا دل اگر رنجیدہ کیا جائے۔ تو جب تک وہ معاف نہ کرے معافی مشکل ہے۔ حدیث ہے۔ المسلم من سلم المسلمین من لسانه ویده۔

	کعبہ بنگاہ خلیل آزر است		دل گذر گاہ جلیل اکبر است	

خواجہ صاحب نے اپنے اس مذہب کی جا بجا تلقین کی ہے۔ دیکھو شعر (ت ۳ و ت ۱۲۴)

غزل (۱۴۱)

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بی ادبیست	۱	زبان خموش ولیکن دہان پر از عربیست
پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز	۲	بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبیست
سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرور شد	۳	کہ کام بخشی او را بہانہ بی سببیست
ازین چمن گل بیخار کس نچید آری	۴	چراغ مصطفوی با شرار بولہبیست
حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از شام	۵	ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبیست
جمال دختر رز نور چشم ماست مگر	۶	کہ در نقاب زجاجی و پردہ عنبیست
دوای درد خود اکنون ازان مفرح جوی	۷	کہ در صراحی چینی و شیشہ حلبیست
بہ نیم جو نخرم طاق خانقاہ و رباط	۸	مرا کہ مصطبہ ایوان و پای خم طنبیست
ہزار عقل و ادب داشتم من ای خواجہ	۹	کنون کہ مست و خرابم صلای بی ادبیست

(۱۰) بیار می کہ چو حافظ مدام استغفار
بگریہ سحری و نیاز نیم شبیست (۱۰)

(۱) ترجمہ ۔ اگرچہ ہنر کا اظہار دوست کے سامنے بے ادبی ہے ۔ اور زبان خاموش ہے ۔ لیکن منہ عربی سے پر ہے ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ ہماری زبان اس لئے خاموش نہیں کہ ہم کچھ نہیں سکتے صرف یار کا ادب ملحوظ ہے ۔

	رات میخانہ میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا		دل میں سب کچھ ہے مگر تہمت گفتا نہیں	

(۲) ترجمہ ۔ پری نے منہ چھپایا ہوا ہے اور دیو کرشمہ و ناز میں مشغول ہے ۔ عقل حیرت سے جل گئی کہ یہ کیا عجیب بات ہے ۔

بوالعجب ۔ پدر تعجب ۔ صاحب تعجب ۔ شعبدہ باز ۔ بازیگر ۔ بوالعجبی ۔ تعجب ۔ عجیب باتیں ۔

دنیا میں خلاف توقع ہزار ہا ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے مستحق محروم رہ جاتے ہیں ۔ اور نا اہل بہرہ مند ۔ عالم بے قدری کے شکار ہیں ۔ اور جاہل برسرکار ۔ نیک آدمی بدنام ہوتے ہیں ۔ اور برے لوگ نیک نام ۔ حاصل کلام انسانی عقل کے خلاف ہر روز کئی ایسی باتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں ۔ جو آدمی کو حیران کر دیتی ہیں ۔ تیسرا چوتھا ۔ اور پانچواں شعر بھی اسی مضمون پر ہے خواجہ صاحب کے کلام میں اکثر خلافِ معمولِ غزل تسلسل پایا جاتا ہے ۔

(۳) ترجمہ ۔ سبب نہ پوچھ کہ آسمان کیوں سفلہ پرور ہوا ۔ کیونکہ اس کی مراد بخشی کا بہانہ بے سببی ہے ۔

وہی مضمون ہے ۔ جو پچھلے شعر میں ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا اسباب کا مقام ہے اور علت و معلول کا سلسلہ قائم ہے ۔ مگر چونکہ مسبب الاسباب کے ہر ایک فعل کو انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی ۔ اسلئے دنیا میں اکثر ایسے واقعات بھی پیش آجاتے ہیں ۔ جنکا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا ۔ اور اس لئے کہا جاتا ہے ۔ کہ بغیر اسباب کے بھی واقعات کا ظہور ہو جاتا ہے ۔ خواجہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ نہ پوچھو کہ آسمان سفلہ لوگوں کو کیوں بامراد اور خوش نصیب بنا دیتا

سبب ہے۔ کیونکہ اس کا بہانہ موجود ہے کہ بغیر سبب کے بھی کام ہوسکتا ہے اور اسی طرح وہ سفلوں کو بھی بغیر سبب کے بامراد کر دیتا ہے۔ زمانہ میں یہ شکایت عام موجود ہے۔ کہ اہل فضل و کمال حرمان نصیب اور جاہل جو بظاہر مستحق معلوم نہیں ہوتے۔ کامیاب ہوجاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

	اگر روزی بدانش برفزودے		زناداں تنگ تر روزی نبودے	
	بناداں آنچناں روزی رساند		کہ دانا اندراں حیراں بماند	

اسی مضمون پر کسی استاد نے کہا ہے۔

	جاہل درون مجلس و عالم بروں در		جوئیدہزار حیلہ بدرباں نمیرسد	
	جہال در تنعم و ارباب فضل را		جزنیک ہزار حیلہ یکے ناں نمیرسد	

(۴) ترجمہ۔ اس باغ سے کسی نے گل بیخار نہیں توڑا۔ ہاں چراغ مصطفےٰ کے ساتھ بھی شرار بولہب موجود ہے۔

بولہب ۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کا نام ہے اصل میں اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ رسول کریم ؐ سے عداوت اور دشمنی کے باعث بوجہ نفرین بولھب مشہور ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس کا چہرہ شعلہ کی طرح روشن اور تاباں تھا۔ اس لئے بولہب کنیت ہوئی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ باغ دنیا میں ہر پھول کے ساتھ کانٹا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے الوالعزم پیغمبر کے ساتھ بھی ان کے چچا کی دشمنی کا خار تھا۔ چراغ کے ساتھ شرار کی نسبت اور بولہب کے لغوی معنوں کی رعایت ظاہر۔ اسی بولہب کی نسبت قرآن کریم میں آیا ہے۔ تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنی عنہ مالہ وما کسب ہ سیصلی نارا ذات لھب ؕ وامراتہ حمالۃ الحطب۔ فی جیدھا حبل من مسد ہ ۔ (ہلاک ہو دست ابولہب اور ابولہب۔ اس کو مال نے اور اس کی پیدا کردہ چیزوں نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ شعلہ زن آگ میں آئیگا۔ اور اس کی عورت بھی جو ہیزم بردار ہے۔ آگ میں آئے گی۔ اس کی گردن میں لیف خرما کی رسی ہے

(۵) ترجمہ ۔ حسن بصرہ سے ۔ بلال حبش سے اور صہیب شام سے ۔ اور خاک مکہ سے ابوجہل ۔ کیا عجیب بات ہے ۔

حسن بصری ۔ ایک ولی کامل کا نام ہے ۔ جس نے آنحضرت صلعم کا جھوٹا پانی پیا ۔ اور ان کی دعا سے کمالات علیہ پر پہنچا ۔ حضرت علیؓ سے بہت ارادت تھی ۱۱۰ھ ہجری میں وفات پائی ۔

بلالؓ ۔ جناب رسول خدام کے موذن کا نام ہے ۔ جو حبش کے رہنے والے تھے ابتدا میں صدیق اکبرؓ کے غلام تھے ۔ انہوں نے آزاد کر دیا تھا ۔ وہ پہلے آدمی ہیں ۔ جنہوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا ۔ آخر عمر میں شام میں سکونت اختیار کی ساٹھ برس سے زیادہ عمر پا کر ۲۰ھ ہجری میں حلب میں وفات پائی ۔

صہیب ۔ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کا نام ہے ۔ جو ملک روم کے رہنے والے اور نہایت فصیح و بلیغ تھے ۔ روم سے آکر مسلمان ہوئے ۔

ابوجہل ۔ مشہور دشمن رسول کریمؐ جسکے متعلق قرآن شریف میں بھی کئی آئتیں ہیں چنانچہ دیکھو سورہ یٰس ۔ " انا جعلنا فی اعناقھم اغلالاً الخ " سورہ حم (شان نزول) سورہ حم " سنریھم آیتنا فی الآفاق " الخ ۔ سورہ دخان ۔ ذق انک انت العزیز الکریم الخ ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

مشہور شعر ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ ان ممالک سے جہاں کفر کی سلطنت تھی ۔ دور دور کی منزلیں طے کر کے آئے اور برکات اسلام سے فیضیاب ہوئے تعجب کی بات ہے ۔ کہ سرزمین مکہ میں جہاں اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی نورانی شعاعوں سے کفر کی قدیمی تاریکی کو دور کر کے ملک عرب کو روشن کر رہا تھا ۔ وہاں ابوجہل پیدا ہوا ۔ اور تمام عمر وہاں ہی مقیم رہا ۔ مگر اسکے دل کی سیاہی دور نہ ہوئی ۔

(۶) ترجمہ ۔ دختر رز کا جمال ہماری آنکھ کا نور ہے ۔ کہ شیشہ کے نقاب اور انگور کے پردہ میں ہے ۔

دختر رز ۔ انگوری شراب ۔ رز بمعنے انگور ۔ زجاج ۔ شیشہ ۔ صراحی

عنب ۔ بکسر ۔ انگور ۔

شراب انگور میں ہوتی ہے۔ اور وہاں سے نکل صراحی میں رہتی ہے۔ لہذا پردہ عنب اور نقاب زجاج کہا۔ آنکھوں کی بینائی بھی پردوں میں ہوتی ہے۔ پردہ زجاج اور پردہ عنبی آنکھوں کے پردوں کے نام بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آنکھوں میں دانہ انگور اور شیشہ کی مثیل موجود ہے۔ عنبیہ آنکھ کے تیسرے پردہ کا نام ہے۔ کل سات پردے ہیں۔ اور زجاجیہ ایک رطوبت کا نام ہے۔ جو چوتھے پردے کے بعد ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دختر رز ہماری آنکھوں کا نور ہے اور ہمارے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ شراب (بینائی کی طرح) پردہ زجاج اور نقاب عنب کے اندر ہے۔

(۷) **ترجمہ** ـ اپنے درد کی دوا اب اس مفرح سے ڈھونڈھ۔ جو چین کی صراحی اور حلب کے شیشہ میں ہے۔

مفرح ۔ وہ دوا جو دل کو فرحت بخشے۔ اور درد دل کو تسکین دے۔

چین کی صراحی مے اور حلب کا آبگینہ شراب مشہور۔ مطلب یہ ہے کہ شراب درد دل کی دوا ہے۔ دیکھو شعر (الف ۱/۱ الف ۱۴/۱ ت ۲۴/۲)

(۸) ترجمہ ـ میں خانقاہ اور رباط کے محراب کو نصف جو پر بھی نہیں خریدتا میرے لئے شراب خانہ ایوان ہے۔ اور خم مے کے پائے طنب ہیں۔

طاق ـ محراب۔ محراب دار عمارت۔ **خانقاہ** ـ خانگاہ۔ حلقہ درویشاں درویشوں کا مقام۔ **رباط** ـ بجبر مسافر خانہ۔ فقیروں کی جگہ۔ **مصطبہ** ـ مے خانہ شراب خانہ۔ مضطبہ بھی کہتے ہیں۔ **ایوان** ـ نشستگاہ بلند۔ جس پر چھت ہو۔ دیواریں نہیں ہوتیں۔ ستونوں پر چھت ہوتا ہے۔ **طنب** ـ (۱) بفتحتین۔ طناب خیمہ۔ خیمہ کی رسی (۲) بفتحتین۔ مشبک جالی دار۔ جالی دار کمرہ۔ جس کی دیواریں سوراخ سوراخ ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ میرے دل میں محراب خانقاہ کی کچھ وقعت نہیں۔ شراب خانہ میرا ایوان ہے اور خم کے پائے خیمہ کی طنابیں ہیں۔ یا اس ایوان کے ستون ہیں

یا بذات خود جالی دار مکان ہیں ۔ خواجہ صاحب کا مدعا صرف اتنا ہے ۔ کہ زہد خشک کی بمقابلہ عشق الٰہی ایک جبہ برابر قدر و منزلت نہیں ۔

(۹) ترجمہ ۔ اے خواجہ میں ہزار عقل وادب رکھتا تھا ۔ اب کہ مست اور خراب ہوں ۔ میے بے ادبی کا آوازہ ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک میں ہوش میں تھا ادب ملحوظ تھا ۔ اور میں مشہور عاقل و آداب دان تھا اب مے محبت سے مست ہوں اس لئے بے ادب ہوں عشق کی انتہائی منازل میں عاشق و معشوق کے درمیاں لحاظ ادب مفقود ہو جاتا ہے ۔ قواعد شریعت میں ادب ضروری ۔ مگر طریق محبت میں ادب کا کچھ کام نہیں ۔ مولانا رومی نے اس تمیز کو بیان کیا ہے ۔

موسیا آداب داناں دیگراند		سوختہ جاں و رواناں دیگراند

(۱۰) ترجمہ ۔ شراب لا کہ حافظ کی طرح دائمی توبہ ۔ گریہ سحری اور نیاز نصف شب ہے ۔

یعنی حافظ کی توبہ یہی ہے ۔ کہ وہ سحر کو درگاہ یاری میں نالہ و فریاد کرتا ہے اور آدھی رات کے وقت عجز و نیاز میں مشغول ہوتا ہے ۔ تفصیل کے لئے دیکھو شعر (ت ۱۸۲)

غزل (۴۲)

عیب رنداں مکن ای زاہد پاکیزہ سرشت	۱	کہ گناہ دگرے بر تو نخواہند نوشت
من اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش	۲	ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت
ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار و چہ مست	۳	ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

سر تسلیم من و خاکِ در میکدہ ہا	۴	مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت
ناامیدم مکن از سابقۂ روزِ ازل	۵	تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوبست و کہ زشت
نہ من از خانۂ تقوی بدر افتادم و بس	۶	پدرم نیز بہشت ابد از دست بہشت
بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روز ازل	۷	تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت
گر نہادت ہمہ این ست زہے پاک نہاد	۸	ور سرشتت ہمہ این ست زہے پاک سرشت
باغِ فردوس لطیف ست ولیکن زنہار	۹	تو غنیمت شمر این سایۂ بید و لبِ کشت

(۱۰) حافظا روز اجل گر بکف آری جامے
یکسر از کوئے خرابات برندت بہ بہشت (۱۰)

اس غزل میں بھی تسلسل مضمون موجود ہے۔ اس طرز کے بانی شیخ سعدی علیہ الرحمۃ تھے۔ خواجہ صاحب نے بھی اکثر غزلوں میں ایک خاص مضمون کا سلسلہ رکھا ہے۔ جو دوسرے شاعروں کی غزلوں میں نہیں پایا جاتا۔

(۱) ترجمہ۔ اے زاہد پاکیزہ سرشت رندوں کی عیب جوئی نہ کر۔ کیونکہ دوسرے آدمی کا گناہ تیرے حساب میں نہیں لکھیں گے۔

نخواہند نوشت کا فاعل کرامًا کاتبین۔ موکل جو انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ سورہ زخرف میں ہے۔ ورسلنا لدیھم یکتبون ۔ (اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں)

مطلب یہ ہے کہ اے زاہد تو رندوں پر نکتہ چینی اور ان کی عیب گوئی نہ کر۔ تجھے پرائی کیا پڑی ہے۔ ان کے گناہ تیرے نامہ اعمال میں نہیں لکھے جائیں گے۔ پاکیزہ سرشت میں طنز کی بو ہے۔

مکن عیب خلق اے خردمند فاش	بعیب خود از خلق مشغول باش

ولنا اعمالنا ولکم اعمالکم ۔ (بقرہ)

(۲) ترجمہ۔ میں اگر نیک ہوں یا بد۔ تو جا اور اپنا فکر کر۔ ہر شخص انجام کار

وہی کاٹے گا جو اس نے بویا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اچھا ہوں یا برا تجھے کیا غرض۔ تم اپنے اعمال کے جواب دہ ہو اور میں اپنے افعال کا ذمہ دار "لکم دینکم ولی دین"۔ وہی مضمون ہے جو پچھلے شعر کا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ تمام لوگ محبوب کے طالب ہیں کیا ہوشیار کیا مست۔ تمام مقام عشق کا گھر ہیں کیا مسجد کیا دیر۔

کنشت۔ آتش کدہ۔ یہودیوں کا معبد۔ سوروں کے باندھنے کی جگہ۔ کنش مخفف ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر ایک شخص اسی محبوب کا طالب ہے۔ اور ہر ایک عبادت گاہ اسی کی عبادت کے لئے مخصوص ہے۔ ع۔

سجدہ کا یزد را بود گو سجدہ در میخانہ باش

ملا محمد سعید اشرف نے کہا ہے۔

	بسیر کعبہ و دیر م گاہ اینجا و گاہ آنجا		کہ مطلب جستجوی اوست خواہ اینجا و خواہ آنجا	

ابوالفضل نے ایک معبد خانہ عام ڈل (کشمیر) کے نزدیک بنوایا تھا۔ جس پر یہ رباعی کندہ کرائی۔

	اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ گاہ معتکف معبد و گہ ساکن دیرم		خلقے بتو مشغول و تو غایب ز میانہ یعنی کہ ترا مے طلبم خانہ بخانہ	

عارف جامی کا شعر ہے۔

	بر یاد اوست عیش جوانان میکدہ		در شوق اوست نعرہ پیران خانقاہ	

حقیقت یہ ہے۔ کہ عارف کے لئے ہر جگہ خانہ خدا ہے۔ اور ظاہر پرست کسی جگہ ہو۔ بت پرست ہے۔ عرفی کہتا ہے۔

	فقیہاں دفترے را مے پرستند برافگن پردہ تا معلوم گردد		حرم جویاں درے را مے پرستند کہ یاراں دیگرے را مے پرستند	

عرفی نے ایک اور مقام پر اسی مضمون کو ایک لطیف تر تشبیہ سے بیان کیا ہے

عارف ہم از اسلام خراب است وہم از کفر		پروانہ چراغ حرم و دیر نداند	

خواجو کا شعر ہے۔

منزل اریار قرین است چہ دوزخ چہ بہشت		سجدہ گر بنیاز است چہ مسجد چہ کنشت	

(۴) ترجمہ۔ میرا سر تسلیم اور شرابخانوں کے دروازہ کی خاک۔ مدعی اگر یہ بات نہ سمجھے۔ تو کہو کہ اس کا سر اور اینٹ۔

میں نے اپنا سر تسلیم درمیکدہ پر رکھا ہوا ہے۔ یعنی عشق میں سر تسلیم خم ہے اور رضائے ساقی پر راضی ہوں اگر غیر اس بات کو نہ سمجھ سکے تو اس کو چاہیے کہ اپنے سر پر پتھر مارے۔ یا اس کی سمجھ پر پتھر پڑیں۔ سر تسلیم اور خاک در ایک طرف اور سر مدعی اور خشت دوسری طرف۔ اچھی تقسیم ہے۔

(۵) ترجمہ۔ روز ازل کے سابقہ سے مجھے ناامید نہ کر۔ تو کیا جانتا ہے کہ پس پردہ کون خوبصورت ہے۔ اور کون بدصورت۔

سابقہ۔ وہ امر جو کسی کام کے سرانجام کے لئے پہلے ہی سے وسیلہ مقرر ہو۔ زمانہ سابق کی آشنائی۔ پہلے کا حق۔

مطلب یہ ہے کہ روز ازل کو ہر ایک انسان کے لئے خدا نے وسیلہ عاقبت مقرر کر دیا ہے۔ اور ہر ایک کی سرنوشت علیحدہ ہے۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ تجھے غیب کا علم نہیں ہے۔ تو مجھے ناامید کیوں کرتا ہے یا اس طرح سمجھو کہ روز الست کی پرانی آشنائی کا حق جو محبوب اور مخلوق کے درمیان ہے۔ تو مجھ کو اس سے ناامید نہ کر اور وعدہ لاتقنطوا کو یاد کر۔ مجھے تو اپنے محبوب کی مہربانی پر امید ہے۔ اور تو قبل از وقت کہہ بھی کس طرح سکتا ہے۔ کہ انجام کار کون کس حالت میں ہوگا۔

(۶) ترجمہ۔ صرف میں ہی خانہ زہد سے باہر نہیں نکلا۔ بلکہ میرے پدر (آدم علیہ السلام) نے بھی بہشت جاودان کو ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔

مطلب یہ ہے۔ کہ انسان فطرتاً گمروز اور قصور وار ہے۔ ناقص ہے اور گناہگار ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ہی غلطی اور نافرمانی کی بنیاد ڈالی۔ خواجہ صاحب نے اور کئی جگہ بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً

	پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت		ناخلفم باشم اگر من بجوی نفروشم	م ۱/۶
	ما بایں خرمن پندار ز راہ چوں نرویم		چوں رہ آدم خاکی بیکے دانہ زدند	(د ۵۴/۶)

اسی مضمون کے لئے دیکھو اشعار ایک بہشتم

(۷) ترجمہ۔ اے خواجہ عمل پر تکیہ نہ کر کہ روز ازل میں۔ تو کیا جانتا ہے کہ صنعت کی قلم نے تیرے نام کیا لکھا۔

مطلب یہ ہے کہ اے عابد اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو۔

	کس را بخیر و طاعت خویش اعتماد نیست		آں بی البصر بود کہ کند تکیہ بر عصا	(سعدیؒ)

تجھے کیا معلوم ہے۔ کہ صانع حقیقی نے تیری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ وہی مضمون ہے۔ جو شعر نمبر (۵) میں گزر چکا ہے۔

	لبا امام ریائی و پیشوائی زرگ		کہ روز حشر و جزا شرمسار خواہد بود	(سعدی)

(۸) ترجمہ۔ اگر تیری طبیعت بس یہی ہے۔ تو بہت پاک طبیعت ہے۔ اور تیری طینت بس یہی ہے۔ تو عجیب پاک طینت ہے۔

زہے۔ کلمہ تحسین۔ وعظمت و عزت۔

زاہد کو مخاطب کر کے طنزاً کہا گیا ہے۔ کہ تیری خلقت اگر یہی ہے جو تو ظاہر کرتا ہے۔ تو عجیب مقدس خلقت ہے۔

(۹) ترجمہ۔ بہشت کا باغ لطیف ہے۔ گر خبردار۔ تو اس بید کے سایہ اور لب کشت کو غنیمت جان۔

مطلب یہ ہے۔ کہ عیش نقد کو غنیمت جان۔ نسیہ کی امید پر ہی نہ رہ۔ نقد و نسیہ کے لئے دیکھو شعر (الف ۵/۶) و شعر (ت ۹/۲) یعنی کشت زار کا کنارہ یا کنارِ باغ

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (الف ۶/۲)

(۱۰) ترجمہ ۔ اے حافظ دم واپسین اگر ایک پیالہ بھی تیرے ہاتھ لگ جائے تو کوچہ خرابات سے براہ راست تجھے بہشت میں لیجائینگے

آپ خود فیصلہ کرلیں کہ خواجہ صاحب سے انگور کے طالب ہیں یا شراب طہور کے ۔

غزل (۴۳)

جز آستانِ توام در جہان پناہے نیست	۱	سرِ مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست
عدو چو تیغ کشد من سپر بیندازم	۲	کہ تیر ما بجز از نالۂ و آہے نیست
چرا ز کوے خرابات روی بر تابم	۳	کزیں بہم بجہاں ہیچ رسم و راہے نیست
زمانہ گر بزند آتشم بجز من عمر	۴	بگو بسوز کہ بر من ببرگِ کاہے نیست
غلام نرگس جماش آن سہی سروم	۵	کہ از شراب غرورش بکس نگاہے نیست
مباش در پی آزار و ہر چہ خواہی کن	۶	کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست
عنان کشیدہ رو اے بادشاہ کشور حسن	۷	کہ نیست بر سر راہی کہ دادخواہے نیست
عقاب جور کشادہ است بال در ہمہ شہر	۸	کمان گوشہ نشینے و تیر آہے نیست
چنین کہ از ہمہ سو دامِ راہ می بینم	۹	بہ از حمایت زلف توام پناہے نیست

(۱۰)	خزینہ دل حافظ بزلف و خال مدہ کہ کارہای چنین حد ہر سیاہے نیست	(۱۰)

(۱) ترجمہ ۔ تیری دہلیز کے سوا جہاں میں میری کوئی پناہ نہیں اور میرے سر کے لئے اس دروازہ کے سوا کوئی حوالہ گاہ نہیں ہے ۔

حوالہ گاہ ۔ یعنی ملجا و ماوا ۔ جائے پناہ ۔

	جز در تو قبلہ نخواہیم ساخت		گر ننوازی تو کہ خواہد نواخت	(نظامی)

شعرا کے تذکروں میں لکھا ہے کہ انوری نے سلطان سنجر کے دربار میں ایک روز جاکر قصیدہ پڑھا۔ سلطان بہت خوش ہوا اور کہا کہ نوکری چاہتے ہو یا صلہ۔ انوری نے اداب بجا لاکر عرض کی کہ

	جز آستانِ توام در جہاں پناہی نیست		سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہی نیست	

ظاہر ہے۔ کہ اگر انوری نے یہ شعر سلطان سنجر کے دربار میں پڑھا ہے۔ تو یہ شعر ہرگز خواجہ صاحب کا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر شعر خواجہ **حافظ** کا ہے۔ تو انوری نے اس کو نہیں پڑھا ہوگا۔ کیونکہ انوری چھٹی صدی ہجری کے **نصف اول** میں ہوا ہے اور خواجہ صاحب آٹھویں صدی کے نصف ثانی میں۔

(۲) ترجمہ۔ دشمن جب تلوار نکالتا ہے۔ تو میں ڈھال پھینک دیتا ہوں کیونکہ نالہ وآہ کے بغیر ہمارا اور کوئی تیر نہیں۔

سپر انداختن۔ یعنی مقابلہ نہ کرنا۔

	نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن		کہ جاہا سپر باید انداختن	

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس دشمن کے مقابلہ کے لیئے تیر آہ کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تیر ہمیشہ نشانہ پر بیٹھتا ہے۔

	آتش سوزاں نکند با سپند		آنچہ کند دودِ دلِ مستمند	(سعدی)

خواجہ صاحب کا فلسفہ اخلاق دیکھئے۔ کہ دشمن کا مقابلہ بھی نہیں کرتے۔ لفظ نالہ کو اشباع کے ساتھ پڑھنا چاہیئے ورنہ سکتہ ہوگا۔

(۳) ترجمہ۔ میں کوچہ خرابات سے منہ کیوں پھیروں۔ کہ اس سے بہتر میرے لئے جہاں میں کوئی رسم و راہ نہیں ہے۔

بہ ہم۔ یعنے بہتر۔ (بہ ام)

(۴) ترجمہ۔ زمانہ اگر میرے خرمن عمر کو آگ لگاتا ہے۔ تو کہو کہ لگا سے

کیونکہ وہ میرے نزدیک برگ کاہ کے برابر نہیں۔

یعنی خرمن عمر کی قدر میری نظروں میں گھاس کی ایک پتی کے برابر بھی نہیں۔ اگر زمانہ اسے جلاتا ہے۔ تو بلا سے۔ خرمن اور برگ کاہ کا اچھا مقابلہ ہے۔ خواجہ صاحب حوادثِ حیات اور واقعہ ممات سے لاپرواہی ظاہر کرتے ہیں۔

(۵) ترجمہ۔ میں اس سرو سہی کی نرگس مست کا غلام ہوں۔ کہ شرابِ غرور کی وجہ سے اسکی نگاہ کسی پر نہیں۔

جماش ۔ شوخ۔ دلیر۔ مست۔ مستی۔ آرائش کرنے والا۔ فریب دینے والا۔

یعنی مطلب یہ ہے۔ کہ میں اس معشوقِ سہی قد کی چشم مست کا غلام ہوں جو غرور کی وجہ سے کسی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

(۶) ترجمہ۔ کسی کو تکلیف دینے کے درپے نہ ہو اور جو کچھ چاہتا ہے کر کیونکہ ہمارے مذہب میں اسکے سوا اور کوئی گناہ نہیں۔

خواجہ صاحب نے اس اصول کا کئی بار اعادہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سب سے بڑا گناہ آدمی کی دل آزاری ہے۔ اس سے بچو اور جو کچھ چاہتے ہو کرو۔ نہایت اعلیٰ اصول ہے۔

شکستِ شیشۂ یک دل چناں است — کہ چندیں کعبہ ویراں کردہ باشی

اسی مضمون کے لیئے دیکھو شعر (ت ۴/۱۱) اور شعر (ت ۴/۳)

خواہی کہ ترا رتبت اسرار رسد　　مپسند کہ کس راز تو آزار رسد (عمر خیام)

(۷) ترجمہ۔ اے ملک حسن کے بادشاہ باگ روک کر چل۔ کہ سر راہ پر کوئی ایسا آدمی نہیں جو دادخواہ نہ ہو۔

یعنی ہر جگہ راستے پر دادخواہ کھڑے ہیں۔ ان کی عرض معروض سنتا جا اور گھوڑے کو تیز نہ ہونے دے۔

حکام وقت کے دورہ کی غالباً یہ غرض نہیں ہوتی۔

(۸) ترجمہ۔ ظلم کے عقاب نے تمام شہر میں بال و پر کھولے ہوئے ہیں کسی گوشہ نشین کی کمان اور آہ کا تیر (شاید) نہیں ہے۔

عقاب ۔ ایک سیاہ رنگ کا شکاری پرند ہے جو بہت تیز پرواز اور طاقتور ہوتا ہے۔

ظلم کو عقاب سے تشبیہ دی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ تمام شہر میں ظلم برپا ہے۔ کیا کوئی گوشہ نشین درویش نہیں جو عقاب ظلم کو تیر آہ سے مارے۔ ظالم کے ہلاک کے لئے سب سے زیادہ موثر طریقہ یہی ہے۔

زورت ار پیش مے رود با ما		با خداوند غیب داں نرود	
زورمندی مکن بر اہل جہاں		تا دعاے بر آسمان نرود	

کماں سے مراد قد خمیدۂ گوشہ نشیں۔ ممکن ہے۔ خواجہ صاحب کا کسی خاص ظالم عامل کی طرف اشارہ ہو۔

(۹) ترجمہ ۔ یہ حالت ہے کہ ہر طرف میں راہ کے جال دیکھتا ہوں۔ ایسی صورت میں تیری زلف کی حمایت سے بہتر میرے لئے کوئی پناہ نہیں۔

یعنی دنیا میں چار دانگ طرف راہ پرخطر ہے۔ جا بجا جال لگے ہیں ہر وقت لغزش پا کا خطرہ ہے اسلئے تیری زلف کی مدد کے سوا اب اور کوئی چارہ نہیں زلف خود دام ہے۔ مگر یہ دام اور تمام جالوں سے اچھا ہے۔ دام عشق انسان کو اور تمام قیود سے آزاد کر دیتا ہے اسلئے عاشق قیود دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر زنجیر عشق میں قید ہونا پسند کرتا ہے۔

یہ نسخہ ایک پرانے قلمی دیوان سے لیا گیا ہے۔ مروجہ نسخہ یہ ہے "چنین کہ در ہمہ سوادی راہ می بینم"۔

(۱۰) ترجمہ ۔ حافظ کے دل کا خزانہ زلف و خال کو نہ دے۔ کہ ایسے کام ہر سیاہ چہرہ کی حد میں نہیں ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ بس زلف و خال ہی کے حوالے میرا دل نہ کر دے۔ کیونکہ یہ ایک قیمتی اور بے بہا خزانہ ہے۔ یہ سیاہ رنگ والے اس قابل نہیں کہ اتنے خزانے کو محفوظ رکھ سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ حافظ صرف خال و خط

پر ہی دل ہار نے والا نہیں بلکہ اس کو فریفتہ اور شیدا کرنے کے لئے اور
اور اوصاف چاہئیں۔ دیکھو شعر (ت ۲۲ و ت ۲۴)

غزل (۴۴)

حال دل با تو گفتنم ہوس ست	۱	خبر دل شنفتنم ہوس ست
طمع خام بین کہ قصہ فاش	۲	از رقیبان نہفتنم ہوس ست
شب قدرے چنین عزیز و شریف	۳	با تو تا روز خفتنم ہوس ست
وہ کہ دردانہ چنین نازک	۴	در شب تار سفتنم ہوس ست
ای صبا امشبم مدد فرمای	۵	کہ سحرگہ شگفتنم ہوس ست
از برای شرف بنوک مژہ	۶	خاک راہ تو رفتنم ہوس ست

(۷) ہمچو حافظ برغم مدعیان
شعر رندانہ گفتنم ہوس ست (۷)

(۱) ترجمہ۔ میری یہ خواہش ہے۔ کہ دل کا حال تجھے کہوں۔ خبر دل کے سننے کی مجھے ہوس ہے۔
یعنی یہ ہوس ہے۔ کہ تو میرے دل کی خبر سنے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تجھ سے اپنے دل کے متعلق جو کہ تیرے پاس ہے۔ کچھ سنوں۔
(۲) ترجمہ۔ میری خام خواہش کو دیکھ کہ قصہ فاش۔ کو رقیبوں سے پوشیدہ رکھنے کی ہوس ہے۔
مطلب یہ ہے۔ کہ میرا راز عشق افشا ہو چکا ہے۔ اور دنیا کو معلوم ہے کہ

میں اپنے معشوق کو دل دے چکا ہوں اور عشق میں بدنام ہو چکا ہوں۔ اب میری یہ امید بیہودہ ہے کہ میرا راز رقیبوں سے پوشیدہ رہے گا۔ ع۔

کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن

(۳) ترجمہ۔ ایسی بیش بہا اور شریف شب قدر کو تیرے ساتھ صبح تک سو کر گزارنے کی خواہش ہے۔

شب قدر تحقیق کے لیئے دیکھو شعر (ب ۴/د)

مطلب یہ ہے کہ میں شب ہستی کو تیرے وصال ہی میں گذار دوں اور ماسوا کے خیالات سے بالکل بیگانہ رہوں۔

(۴) ترجمہ۔ واہ! ایسے نازک موتی کے دانہ کو۔ میں اندھیری رات میں پرونا چاہتا ہوں۔

یہ اور پچھلا شعر قطعہ بند ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس جہاں تیرہ و تار میں مشاہدہ کا طالب ہوں۔ احمق ہوں۔ تعلقات جسمانی اور قید مکانی و زمانی میں روح جب تک قید ہے۔ مشاہدہ ناممکن ہے۔

نہ براوج ذاتش پرد مرغ وہم	نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار	کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار
چہ شبہا نشستم دریں سیر گم	کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم
محیط است علم ملک بر بسیط	قیاس تو بروے نگردد محیط

(۵) ترجمہ۔ اے صبا آج رات تو میری مدد کر۔ کہ سحر کے وقت مجھے شگفتہ ہونے کی خواہش ہے۔

صبا کے متعلق پہلے کئی بار لکھا جا چکا ہے۔ باد بہاری جو غنچوں کو شگفتہ کرتی ہے۔ صبا کہلاتی ہے۔ عاشق صبا کو معشوق کا قاصد خیال کرتے ہیں۔ گویا وہ زلف عنبریں سے خوشبو لاتی ہے۔ اور عاشق کے غنچہ دل کو آکر شگفتہ کرتی ہے۔ خواجہ صاحب باد صبا سے درخواست کرتے ہیں کہ معشوق کی خوشبو

لاکر آج صبح میرے غنچہ دل کو شگفتہ کر۔

(۶) ترجمہ۔ حصول شرف کے لئے نوکِ مژگاں سے۔ تیرے راہ کی خاک جھاڑنے کی خواہش ہے۔

یعنے تیرے راہ پر پلکوں سے خاکروبی کرنا میرے لئے باعث فخر و موجب سعادت ہے۔

(۷) ترجمہ۔ حافظ کی طرح دشمنوں کی نکتہ چینیوں کے باوجود۔ مجھے رندانہ انداز میں شعر کہنے کی خواہش ہے۔

برغم ۔ یعنے علی الرغم یا علی الرغم انف۔ (رغم ۔ خاک آلودہ ہونا۔ خوار ہونا۔ انف ۔ بمعنی ناک) مجازاً برخلاف برعکس۔ کیونکہ کسی آدمی کے برخلاف وہ کوئی کام کرنا گویا اس کی ناک کو خاک آلود کرنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حاسدوں اور دشمنوں کو ذلیل کرنے کے لئے ان کے برخلاف رائے اور ان کی نکتہ چینیوں کی پرواہ نہ کر کے۔ حافظ رندانہ طرز میں شعر لکھتا ہے۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہے۔ کہ ان کی رندانہ روش پر لوگ اعتراض کرینگے اس لئے کہتے ہیں کہ معترضین کی رائے کے خلاف میں اسی روش پر چلونگا اور ان کی خردہ گیریوں کی مجھے بالکل پرواہ نہیں۔

خواجہ صاحب نے یہ غزل رندانہ طرز میں لکھی ہے۔ اور خصوصاً شعر نمبر (۳) اور (۴) جو قطعہ بند ہیں وہ تو ظاہری معنوں میں قواعد تہذیب کے بھی خلاف ہیں

مروجہ نسخوں میں برغم کی بجائے زعم لکھا ہے۔

غزل (۴۵)

۱ حسنت باتفاقِ ملاحت جہاں گرفت　　آرے باتفاق جہان می‌توان گرفت

۲ افشای رازِ خلوتیاں خواست کرد شمع　　شکر خدا کہ سرّ دلش بر زباں گرفت

۳ میخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوی تو　　از غیرتش صبا نفس اندر دہاں گرفت

۴ چوں لالہ کج نہادہ کلاہِ طرب ز کبر　　ہر داغ دل کہ بادہ چوں ارغواں گرفت

۵ آں روز عشقِ ساغرِ می خرمنم بسوخت　　کاتش ز عکس عارضِ ساقی دراں گرفت

۶ آسودہ بر کنار چو پرگار می شدم　　دوراں چو نقطہ عاقبتم در میاں گرفت

۷ خواہم شدن بکوی مغاں آستیں فشاں　　زیں فتنہا کہ دامنِ آخر زماں گرفت

۸ بر برگ گل ز خونِ شقایق نوشتہ اند　　کانکس کہ پختہ شد مئے چوں ارغواں گرفت

۹ مے دہ کہ ہر کہ آخرِ کارِ جہاں بدید　　از غم سبک برآمد و رطلِ گراں گرفت

۱۰ مے دہ بجام جم کہ صباحِ صبوحیاں　　چوں بادشہ بتیغِ زرافشاں جہاں گرفت

۱۱ فرصت نگر کہ فتنہ چو در عالم اوفتاد　　عارف بجام مے زد و از غم کراں گرفت

۱۲ زیں آتشِ نہفتہ کہ در سینۂ من است　　خورشید شعلہ ایست کہ بر آسماں گرفت

(۱۳)　حافظ چو آب لطف ز نظمم تو می چکد
غیرے چگونہ نکتہ تواند براں گرفت　(۱۳)

(۱) ترجمہ۔ تیرے حسن نے ملاحت سے مل کر جہاں کو فتح کیا۔ ہاں اتفاق سے جہاں فتح کیا جاسکتا ہے۔

ملاحت ۔ یعنی حسن سبز۔ نمکینی۔ خوبصورتی۔ سانولا رنگ جس میں

تناسب اعضا موجود ہو۔

مطلب یہ ہے۔ کہ تیری صباحت اور ملاحت نے مل کر دنیا کو شیفتہ کر لیا ہے اور کیوں نہ ہو اتفاق سے دنیا فتح ہو سکتی ہے۔ دلیل اچھی ہے۔ مذہب کلامی اور حسن تعلیل کو جمع کیا ہے۔

(۲) ترجمہ۔ شمع نے احباب خلوت کا راز افشا کرنا چاہا۔ خدا کا شکر ہے کہ اسکے دل کا راز زباں پر رہ گیا۔

شمع چونکہ خلوت میں موجود ہوتی ہے۔ اس لئے محرم راز ہے۔ وہ بزم شب کے راز افشا کرنا چاہتی تھی۔ مگر شکر ہے۔ کہ اس کا راز زباں تک آکر رک گیا۔ شمع جوں جوں جلتی جاتی ہے۔ سر فتیلہ پر گرہ پڑتی جاتی ہے۔ اس لئے بر زباں گرفت کہا اور شمع صبح ہونے پر یوں بھی گل کر دی جاتی ہے۔ افشائے راز کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔

(۳) ترجمہ۔ پھول چاہتا تھا کہ تیرے رنگ و بو کا دم مارے۔ غیرت کی وجہ سے صبا نے سانس اسکے منہ میں بند کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ گل تیری برابری کا دعویٰ کرنے والا تھا۔ صبا کو غیرت محسوس ہوئی اور اس نے پھول کے سانس کو بند کر دیا اور دعویٰ نہ کرنے دیا۔

ظاہر ہے۔ کہ پھول کی خوشبو صرف بذریعہ صبا منتشر ہو سکتی ہے۔ اور صبا یوں گل کو اگر نہ پھیلانا چاہے۔ تو وہ پھول ہی میں بند رہیگی۔ پھول خوشبودار ہوتے ہیں معشوق کی برابری کا دعویٰ صرف اسی طرح کر سکتا تھا کہ اپنی خوشبو کو مشام عاشقاں تک پہنچائے۔ (دم زند)

صبا نے پھول کی اس گستاخی پر اسکی خوشبو کو اس کے اندر ہی بند کر دیا (نفس اندر دہاں گرفت)

	چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا		صبا نے مار تماچہ منہ اس کا لال کیا	

(۴) ترجمہ۔ لالہ کی طرح کلاہ طرب غرور سے ٹیڑھی ہی رکھی۔ ہر زخمی دل والے

نے جس نے کہ شراب سرخ پی لی۔
داغ دل ۔ یعنی وہ شخص جسکے دل پر داغ ہو۔ عاشق۔
گل لالہ کے اندر ایک نشان ہوتا ہے جسے داغ دل سے تشبیہ دیتے ہیں
نیز گل لالہ شراب کی طرح سرخ رنگ ہوتا ہے اور ایک طرف جھکا ہوتا ہے۔
خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ لالہ کی طرح جس شخص کے دل میں داغ ہو اور وہ شراب سرخ پیئے۔ تو وہ بھی خوشی اور کبر سے لالہ کی طرح ہمیشہ کج کلاہ رہے گا۔ کج کلاہ یعنے مغرور۔ (مغرور آدمی ٹوپی قدرے ٹیڑھی رکھتے ہیں)
(۵) ترجمہ ۔ اس روز جام مے کے عشق نے میرا خرمن جلایا۔ جس دن ساقی کے چہرہ کی عکس سے اس میں آگ لگی۔
مطلب یہ ہے۔ کہ جس روز سے میں نے جام مے میں معشوق کے چہرہ کا عکس دیکھا ہے۔ جام مے کا عاشق ہو گیا ہوں۔ دیکھو شعر الف ۴ ۔ شراب آتشی رنگ کا ہوتا ہے۔ لہذا "آتش دراں گرفت" کہا۔
(۶) ترجمہ ۔ پرکار کی طرح برکنار رہ کر میں آرام میں تھا۔ زمانہ نے نقطہ کی طرح آخر کار مجھے درمیاں میں بند کیا۔
پرکار کے دو پاؤں ہوتے ہیں ایک نقطہ مرکز پر قائم رہتا ہے اور دوسرا دائرہ کے محیط پر گردش کرتا ہے۔
خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ میں پرکار کی بیرونی شاخ کی طرح پہلے تو دائرہ کائنات سے باہر باہر پھرا کرتا تھا اور برکنار ہونے کی وجہ سے آزاد اور آسودہ تھا۔ گردش روزگار نے مجھے اندرونی شاخ کی طرح دائرہ کے اندر بند کر دیا۔ یعنی پہلے تعلقات دنیا سے آزاد تھا۔ اب ان میں گرفتار ہوں۔ یا ایک روز قیود جسمانی سے آزاد تھا اور روحانی زندگی بسر کرتا تھا۔ اب قفس عنصری میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہوں۔
(۷) ترجمہ ۔ میں کوئے مغاں میں آستین جھاڑ کر جاؤں گا۔ ان فتنوں سے

جو زمانہ آخر کے دامنگیر ہیں۔

آستین فشاں ۔ آستین فشاندن ۔ رقص کرنا۔ سماع کرنا۔ عطا کرنا۔ آستین افشاندن از چیزے ۔ ترک کرنا۔ رد کرنا اس چیز کا۔

مطلب یہ ہے کہ موجود زمانہ میں فتنے اس قدر بڑھ گئے ہیں اور مذہب میں اس قدر ریا کاری اور بے اخلاصی ہوگئی ہے ۔ کہ میں موجودہ طریق کو سخت ناپسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان فتنوں کو ترک کرکے مشرب رندی اختیار کرلوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخرالزماں ہیں۔ اسلئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی طرز اور روش اس قابل نہیں رہی۔ اور نبی آخرالزمان کے پیرو اب اس حالت میں نہیں ہیں کہ ان کو سچا مسلمان کہا جائے۔ اور ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھے جائیں بس سے بہتر ہے کہ رندوں میں جاکر شامل ہوجاؤں ۔ خواجہ صاحب اسی پر مضمون پر کہتے ہیں ۔

اگر مسلمانی ہمین است کہ زاہد دارد		وائے گر در پس امروز بود فردائے	

عرفی نے مسلمانوں کی موجودہ حالت اور بت پرستی کے مقابلہ میں کہا ہے

رفتم بہ بت شکستن ونگاہم بازگشت		بار برہمن کند آنستم از ننگ ۔ دین خویش	

(۸) ترجمہ ۔ پھول کی پتی پر لالہ کے خون سے لکھا ہے کہ جو آدمی پختہ ہوا اسنے شراب ارغوان پی ۔

شقایق ۔ گل لالہ ۔ مفرد اور جمع دونو صیغوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ مطلق یعنے گل شقایق نعمان نہایت سرخ رنگ کا لالہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سوائے شراب سرخ کے پختہ کاری حاصل نہیں ہوتی چنانچہ پھول کی پتی اس امر کی گواہ ہے ۔ کیونکہ پھول پورا شگفتہ ہوتا ہے ۔ تو اس کا رنگ گل ... کی طرح نہائت سرخ ہوجاتا ہے۔ گویا شراب سرخ پی کر پختہ ہوتا ہے ۔ عاشق حق کی پختہ کاری بھی مے معرفت کے بغیر نہیں ہوسکتی ۔

(۹) ترجمہ ۔ شراب پی ۔ کیونکہ جس نے جہان کو آخر کار دیکھ لیا ۔ غم سے

بڑکا ہوا۔ اور شراب کا بڑا پیمانہ پیا۔

رطل ۔ بکسر و بالفتح ۔ نصف سیر کا پیمانہ ۔ پیالہ شراب جس میں نصف سیر شراب کی گنجائش ہو مطلق پیالہ شراب ۔ **رطل گراں** ۔ پیمانہ بزرگ (برہان قاطع)

مطلب یہ ہے۔ کہ جب دنیا کا انجام فنا ہے۔ تو اسکے افکار و آلام سے پریشان نہ ہو۔ اور اسکے حصول کے لئے مصیبتیں برداشت نہ کر۔ شراب پی اور غم سے سبکدوش ہو جا۔ دیکھو شعر (الف ۱/۱ الف ۱۲/۱) وغیرہ شعر میں سبک اور گراں کے مقابلہ نے ایک لطافت پیدا کر دی ہے۔

(۱۰) ترجمہ ۔ جام جم سے شراب دے کہ صبوح خواروں کی صبح نے۔ بادشاہ کی طرح تیغ زر افشاں سے دنیا فتح کر لی۔

جام جم ۔ تحقیق کے لئے دیکھو شعر الف ۸/۳ ۔

مطلب یہ ہے۔ کہ سورج نکل آیا۔ شراب صبوح (صبح کی شراب) دے۔ سورج کی کرنوں کو زر افشانی سے تشبیہ دی ہے ۔ صبح کو بادشاہ کہا۔ اور سورج کو تیغ زر افشاں ۔ جس طرح بادشاہ ملک گیری کی خوشی میں شراب نوشی کرتا ہے ۔ اسی طرح صبوح خوار بھی آفتاب کی عالم گیری پر شراب مانگتا ہے اور جام جم میں ۔

(۱۱) ترجمہ ۔ موقعہ کو غنیمت جان کیونکہ جب جہاں میں فتنہ برپا ہوا۔ عارف نے جام مے کا شغل کیا اور غم سے کنارہ کشی کی ۔

مطلب وہی ہے۔ جو شعر (ت ۲۲/۴) میں ہے۔ عارف یعنی حقیقت شناس ۔

(۱۲) ترجمہ ۔ وہ پوشیدہ آگ جو میرے سینے میں ہے۔ خورشید اسکا ایک شعلہ ہے ۔ جو آسمان کو جا لگا ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ میرے سینے میں اسقدر آگ ہے کہ سورج بھی اسکی سوز کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے سینہ کی آگ کا ایک شعلہ اٹھ کر آسمان کو جا لگا اور سورج کہلایا ۔

(۱۳) ترجمہ ۔ اے حافظ تیری نظم سے پانی کی طرح لطف ٹپک رہا ہے ۔ غیر

جو زمانہ آخر کے دامنگیر ہیں۔
آستین فشاں ۔ آستین فشاندن ۔ رقص کرنا سماع کرنا ۔ عطا کرنا ۔
آستین افشاندن از چیزے ۔ ترک کرنا ۔ رد کرنا اس چیز کا ۔
مطلب یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں فتنے اس قدر بڑھ گئے ہیں اور مذہب میں اس قدر ریا کاری اور بے اخلاصی ہوگئی ہے ۔ کہ میں موجودہ طریق کو سخت ناپسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان فتنوں کو ترک کر کے مشرب رندی اختیار کر لوں ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں ۔ اسلئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی طرز اور روش اس قابل نہیں رہی ۔ اور نبی آخر الزماں کے پیرو اب اس حالت میں نہیں ہیں کہ ان کو سچا مسلمان کہا جائے ۔ اور ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھے جائیں اس سے بہتر ہے کہ رندوں میں جا کر شامل ہو جاؤں ۔ خواجہ صاحب اسی پر مضمون پر کہتے ہیں ۔

	اگر مسلمانی ہمیں است کہ زاہد وارد		وائے گر درپس امروز بود فردائے	

عرفی نے مسلمانوں کی موجودہ حالت اور بت پرستی کے مقابلہ میں کہا ہے

	رفتم بہ بت شکستن وہنگام بازگشت		با برہمن کہ گذشتم از ننگ ۔ دین خود بیا	

(۸) **ترجمہ** ۔ پھول کی پتی پر لالہ کے خون سے لکھا ہے کہ جو آدمی پختہ ہو گیا شراب ارغوان پی ۔
شقایق ۔ گل لالہ ۔ مفرد اور جمع دونو صیغوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ مطلق یعنے گل شقایق نعمان نہایت سرخ رنگ کا لالہ ہے ۔
مطلب یہ ہے کہ سوائے شراب سرخ کے پختہ کاری حاصل نہیں ہوتی چنانچہ پھول کی پتی اس امر کی گواہ ہے ۔ کیونکہ پھول پورا شگفتہ ہوتا ہے ۔ تو اس کا رنگ گل لالہ کی طرح نہائت سرخ ہو جاتا ہے ۔ گویا شراب سرخ پی کر پختہ ہوتا ہے ۔
عاشق حق کی پختہ کاری بھی مے معرفت کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔
(۹) **ترجمہ** ۔ شراب پی ۔ کیونکہ جس نے جہان کو آخر کار دیکھ لیا ۔ غم سے

ہلکا ہوا۔ اور شراب کا بڑا پیمانہ پیا۔

رطل ۔ بکسر و بالفتح ۔ نصف سیر کا پیمانہ ۔ پیالہ شراب جس میں نصف سیر شراب کی گنجایش ہو مطلق پیالہ شراب ۔ **رطل گراں** ۔ پیمانہ بزرگ (برہان قاطع)

مطلب یہ ہے۔ کہ جب دنیا کا انجام فنا ہے ۔ تو اسکے افکار و آلام سے پریشاں نہ ہو۔ اور اسکے حصول کے لئے مصیبتیں برداشت نہ کر۔ شراب پی اور غم سے سبکدوش ہو جا۔ دیکھو شعر (الف ۱/۱ الف ۱۳/۱) وغیرہ شعر میں سبک اور گران کے مقابلہ نے ایک لطافت پیدا کر دی ہے۔

(۱۰) **ترجمہ** ۔ جام جم سے شراب دے کہ صبوح خواروں کی صبح نے ۔ بادشاہ کی طرح تیغ زرافشاں سے دنیا فتح کر لی۔

جام جم ۔ تحقیق کے لئے دیکھو شعر الف ۳/۲ ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ سورج نکل آیا ۔ شراب صبوح (صبح کی شراب) دے ۔ سورج کی کرنوں کو زرافشانی سے تشبیہ دی ہے ۔ صبح کو بادشاہ کہا۔ اور سورج کو تیغ زرافشاں ۔ جس طرح بادشاہ ملک گیری کی خوشی میں شراب نوشی کرتا ہے ۔ اسی طرح صبوح خوار بھی آفتاب کی عالم گیری پر شراب مانگتا ہے اور جام جم میں۔

(۱۱) **ترجمہ** ۔ موقعہ کو غنیمت جان کیونکہ جب جہاں میں فتنہ برپا ہوا ۔ عارف نے جام مے کا شغل کیا اور غم سے کنارہ کشی کی ۔

مطلب وہی ہے ۔ جو شعر (ت ۲/۲۲) میں ہے ۔ عارف یعنی حقیقت شناس ۔

(۱۲) **ترجمہ** ۔ وہ پوشیدہ آگ جو میرے سینے میں ہے ۔ خورشید اسکا ایک شعلہ ہے ۔ جو آسمان کو جا لگا ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ میرے سینے میں اسقدر آگ ہے کہ سورج بھی اسکی سوز کا مقابلہ نہیں کرسکتا میرے سینہ کی آگ کا ایک شعلہ اٹھ کر آسمان کو جا لگا اور سورج کہلایا ۔

(۱۳) **ترجمہ** ۔ اے حافظ تیری نظم سے پانی کی طرح لطف ٹپک رہا ہے ۔ غیر

کس طرح اس پر نکتہ چینی کر سکتا ہے۔
آب لطف میں اگر اضافت ہو تو معنے یہ ہونگے۔ اے حافظ جب تیری نظم سے آب لطف ٹپک رہا ہے۔ الخ۔

غزل (۴۶)

خیال روی تو در ہر طریق ہمرہِ ماست	۱	نسیم موی تو پیوند جانِ آگہِ ماست
ببین کہ سیبِ زنخدان او چہ میگوید	۲	ہزار یوسف مصری فتادہ در چہِ ماست
برغمِ مدعیانی کہ منعِ عشق کنند	۳	جمال چہرہ تو حجتِ موجّہ ماست
اگر بزلف دراز تو دستِ ما نرسد	۴	گناہ بخت پریشان و دستِ کوتہ ماست
بصورت از نظر ما اگرچہ محجوب ست	۵	ہمیشہ در نظرِ خاطرِ مرفہ ماست
بحاجبِ درِ خلوتسرائے خاص بگو	۶	فلان ز گوشہ نشینانِ خاک درگہ ماست

(۷)
اگرچہ سائلے حافظ درے زند بکشا
کہ سالہاست کہ مشتاقِ روی چوں مہ ماست
(۷)

(۱) ترجمہ۔ تیرے چہرہ کا خیال ہر طریق میں ہمارے ہمراہ ہے۔ تیری زلفوں کی خوشبو ہماری واقف کار جان کا پیوند ہے۔

یعنی جو رستہ ہم اختیار کریں۔ اور جو مشرب قبول کریں۔ خیال محبوب ہمارے ساتھ ہے اور اسکی زلفوں کی خوشبو ہمارے مشام جان کو ہر وقت معطر کرتی رہتی ہے ع

ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

(۲) ترجمہ۔ دیکھ کہ اس کا سیب زنخدان کیا کہتا ہے۔ کہ ہزار یوسف

مصری ہمارے چاہ میں گرے ہوئے ہیں۔

شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہزارہا حسین میرے معشوق پر عاشق ہیں۔ یوسف اور چاہ کنعان کا واقعہ مشہور ہے۔ سیب زنخدان اور چاہ زنخدان کے لئے دیکھو شعر الف ۶/۵

(۳) علی الرغم دشمناں جو عشق سے منع کرتے ہیں۔ ہمارے لئے تیرا بال اور چہرہ وجہ موجہ ہے۔

برغم۔ تحقیق کے لئے دیکھو شعر ق ۴۴/۳، **حجت موجہ** - وجہ معقول و مطلب یہ ہے کہ مدعی ہمیں عشق سے منع کرتے ہیں۔ مگر علی الرغم انف دشمناں تجھ پر عاشق ہونے کے لئے ہمارے پاس کافی وجہ اور معقول دلائل موجود ہیں تیرا حسن خود اس امر کی گواہی دیتا ہے۔ کہ ہم تجھ پر بلاوجہ عاشق نہیں ہوئے۔

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم		باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی	(سعدی)

(۴) ترجمہ۔ اگر تیری لمبی زلفوں تک ہمارا ہاتھ نہ پہنچے۔ تو یہ ہمارے بخت پریشان اور دست کوتاہ کا قصور ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اگر ہم تیرے مشاہدہ سے محروم ہیں تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ ہم کو تیرے وصال کا شوق نہیں۔ یہ ہماری بدنصیبی اور نارسائی کی وجہ سے ہے۔

بام تبلا یا بلند او نارسا بخشی کمند		رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ بردل ایک پیکس	

زلف دراز اور دست کوتاہ کے مقابلہ نے اور زلف پریشاں اور بخت پریشاں کی رعایت نے شعر کی لطافت کو دوبالا کر دیا ہے۔

اس شعر کے معنے شعر (ت ۱۳/۴) کے مطابق بھی ہو سکتے ہیں۔

(۵) ترجمہ۔ بظاہر صورت اگرچہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ لیکن ہمیشہ ہمارے شگفتہ دل کی آنکھوں میں موجود ہے۔

مرفہ۔ یا مرفہ الحال۔ خوشش۔ آسودہ۔ شگفتہ۔ مرفہ اس لیے کہا کہ یار کی صورت اس میں موجود ہے۔

	دوست نزدیک‌تر از من بمن ست چکنم باکہ تواں گفت کہ او		وین عجب‌تر کہ من از وی دورم درکنار من و من مہجورم	

(۶) و (۷) ۔ یہ دونو شعر یکجا پڑھنے چاہئیں۔ مروجہ نسخوں میں شعر نمبر (۵) اشعار ہذا کے درمیاں لکھا ہے مگر اس صورت میں مطلب درست نہیں رہتا چنانچہ شارحین نے مقطع میں رقیب کو مخاطب کہا ہے۔ حالانکہ مخاطب دربان ہے

ترجمہ ۔ خلوت سرائے خاص کے دربان (پردہ دار) کو کہو کہ "فلاں شخص ہمارے دربار کی خاک کے گوشہ نشینوں میں سے ہے۔ اگر **حافظ** سائل کی طرح دروازہ کھٹکھٹائے تو دروازہ کھول دے کیونکہ وہ کئی سال سے ہمارے چاند جیسے چہرہ کا مشتاق ہے"۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اے معشوق اپنے دربان کو کہدے کہ حافظ ہمارا عاشق ہے۔ اگر وہ دروازہ کھٹکھٹائے۔ تو کھول دے۔ کیونکہ وہ مدت سے ہمارے دیدار کا شائق ہے۔ ♦

غزل (۴۷)

درین زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل ست	۱	صراحی می ناب و سفینہ غزل ست
جریدہ رو کہ گذرگاہ عافیت تنگ ست	۲	پیالہ گیر کہ عمر عزیز بی بدل ست
نہ من ز بی عملی در جہان ملولم و بس	۳	ملالت علما ہم ز علم بی عمل ست
بچشم عقل ببیں در جہانِ پر آشوب	۴	جہان و کار جہان بے ثبات و بی محل ست

دلم امید فراوان ز وصل روی تو داشت	۵	ولی اجل بره عمر رہزن امل ست
ز قسمت ازلی چہرہ سیہ بختاں	۶	بشست و شوی نگردد سفید و ایں مثل ست
بگیر طرۂ مہ طلعتے و قصہ مخواں	۷	کہ سعد و نحس ز تاثیر زہرہ و زحل ست
خلل پذیر بود ہر بنا کہ مے بینی	۸	مگر بنائی محبت کہ خالی از خلل ست

(۹) بہیچ دور نخواہند یافت ہشیارش
چنیں کہ حافظ ما مست بادۂ ازل ست (۹)

(۱) ترجمہ ۔ اس زمانہ میں وہ دوست جو خلل سے خالی ہے۔ شراب خالص کی صراحی اور غزل کی کتاب ہے ۔

سفینہ ۔ (۱) شعروں کا بیاض ۔ (۲) کشتی ۔

مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ پر آشوب میں کوئی دوست قابل اعتماد نہیں رہا۔ صرف شراب اور کتاب ہی دو ایسے وفادار رفیق ہیں ۔ جن کی صحبت سے نقصان کا خدشہ نہیں ۔

سکونِ خاطرِ مضطر شراب ست		رفیقِ کنجِ تنہائی کتاب است

(۲) ترجمہ ۔ تنہا چل کہ آرام کا رستہ تنگ ہے ۔ جام مے لے کہ عمر گرامی بے بہا چیز ہے ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ اگر دنیا میں آرام سے رہنا منظور ہے تو تعلقات نہ بڑھا اور آزاد رہ کیونکہ راہ عافیت دنیا میں اتنا تنگ ہے کہ اس راستہ پر صرف تن تنہا آدمی چل سکتا ہے ۔ رفیق راہ کی گنجائش نہیں ۔ چونکہ عمر ایسی چیز ہے ۔ کہ جس کا بدل نہیں مل سکتا اور گذرا ہوا وقت پھر ہاتھ نہیں آسکتا اس لئے کوشش کر کہ زندگی خوشی سے گذرے اور تفکرات تجھے پریشان خاطر نہ کرسکیں اور لشکر غم اقلیم ہستی پر یورش کرنے لگے تو اس کا مقابلہ جام مے سے کر ۔

(۳) ترجمہ ۔ صرف میں ہی دنیا میں بے عملی سے ملول نہیں ہوں عالموں کی ملالت بھی علم بے عمل کی وجہ سے ہے ۔

ملال ۔ رنجیدہ ۔ اداس ۔ **ملالت** ۔ اداسی ۔ اداس ہونا

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی اعمال صالح کی کمی سے پریشان خاطر نہیں ہوں بلکہ عالمان دین اور مجتہدان عصر بھی علم بے عمل پر نادم ہیں ۔ شاعر کو یہاں اپنی بے عملی اور عالموں کی بے عملی میں فرق جتانا منظور ہے ۔ یعنی میں تو عالم نہیں اس لیئے اگر عمل نہ ہوئے ۔ تو خیر لیکن قابل نفرت ان لوگوں کی حالت ہے جو عالم دین ہوکر بے عمل ہیں ۔ اعوذ باللہ من علم بلا عمل ۔

(۴) ترجمہ ۔ جہاں پر آشوب میں عقل کی آنکھ سے دیکھ ۔ کہ جہاں اور جہاں کے کام بے ثبات اور بے محل ہیں ۔

مطلب یہ ہے کہ بغور دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے ۔ کہ دنیا ناپائیدار اور دنیا کے کام فضول ہیں ۔

جہاں بر آب نہادہ است عاقلاں دانند	کہ روئے آب نہ جائے قرار و بنیاد است

(۵) ترجمہ ۔ میرے دل کو تیرے چہرہ کے دیکھنے کی بہت امید تھی لیکن موت شاہراہ عمر پر امید کی راہزن ہے ۔

یعنی امید وصال ہے ۔ مگر زندگی کا بھروسہ نہیں ۔ گویا موت کاروانِ امید کی قاطع الطریق ہے ۔

تیرے وعدہ پر ستم گر ابھی اور صبر کرتے	ہمیں اپنی زندگی کا اگر اعتبار ہوتا

خاقانی کا شعر ہے ۔

کاشتم تخم امل برق اجل پاک بسوخت	کشتن تخم چہ سوداست کہ برمے زسد

(۶) ترجمہ ۔ تقدیر ازلی سے سیہ بختوں کا چہرہ ۔ دہونے سے سفید نہیں ہوتا ۔ اور یہ مثل ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ یہ مشہور بات ہے ۔ کہ جو ازل سے سیاہ بخت

ہوں۔ وہ کسی طرح خوش نصیب نہیں ہوسکتے خواہ وہ کتنی ہی کوشش کریں۔ ع

کہ نتواں شستن از زنگی سیاہی

(۷) ترجمہ۔ کسی ماہوش کی زلف کو پکڑ لے اور یہ قصے نہ پڑھ کہ سعد و نحس زہرہ اور زحل کے اثر سے ہے۔

زہرہ۔ مشہور ستارہ ہے۔ عربی میں بضم اول اور بفتح ثانی پڑھا جاتا ہے۔ تلفظ فارسی میں ہائے ساکن ہے۔ زہرہ کے دو برج ہیں ایک ثور دوسرا میزان اور اس کا مقام آسمان سوم ہے۔ رنگ سفید۔ ملک ماوراء النہر اسکے حوالے ہے سعد ہے۔ **زحل**۔ بضم اول و فتح ثانی سیارہ کا نام ہے۔ جو ساتویں آسمان پر ہے۔ اور نحس اکبر ہے۔ تمام سیاروں میں بلند ترین اور نحس ترین ستارہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ کہ زہرہ مبارک اور زحل منحوس ستارہ ہے کیونکہ فی الحقیقت اختیار معشوق مطلق کے طرہ و طلعت کے ہاتھ میں ہے۔ تو معشوق ماہرو کی زلف کو پکڑ لے اور سعد و نحس سے بے فکر ہو جا۔ زہرہ و زحل کا ماہ سے اچھا مقابلہ کیا ہے۔

طرہ (زلف سیاہ) جو سر پر ہے بمقابل زحل جو ساتویں آسمان پر ہے۔ اور طلعت (چہرہ روشن) بمقابل زہرہ جو سفید رنگ ستارہ ہے۔ بطریق تشبیہ استعمال ہوئے ہیں۔

زترتیب نظام آفرینش چون نہ آگاہ	(اعرفی)	حوادث راز تاثیر نجوم آسماں مبنی۔

(۸) ترجمہ۔ ہر ایک بنا جو تو دیکھتا ہے۔ خلل پذیر ہے۔ سوائے بنائے محبت کے جو خلل سے خالی ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ سوائے عشق حق کے باقی سب باتیں بے بنیاد ہیں۔ دنیا اور مافیہا کا انجام فنا ہے۔ البتہ۔ ع

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

(۹) ترجمہ ۔ کسی زمانہ میں بھی لوگ اسکو ہشیار نہیں پائیں گے اس لئے کہ ہمارا حافظ بادۂ ازل کا مست ہے ۔

حافظ روزِ میثاق سے بادۂ محبت کا سرشار ہے ۔ ع

یہ وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اتارہے

دیکھو شعر (ت ۴۹/۱ و ت ۱۱۶/۱۱)

غزل (۴۸)

دل و دینم شد و دلبر بملامت برخاست	۱	گفت با ما منشین کز تو سلامت برخاست
کہ شنیدی کہ درین بزم دمی خوش بنشست	۲	کہ نہ در آخر صحبت بندامت برخاست
شمع گر زان لب خندان بزبان لافی زد	۳	پیش عشاق تو شبہا بغرامت برخاست
در چمن باد بہاری ز کنار گل و سرو	۴	بہواداری آن عارض و قامت برخاست
مست بگذشتی و از خلوتیان ملکوت	۵	بتماشای تو آشوب قیامت برخاست
پیش رفتار تو پا برنگرفت از خجلت	۶	سرو سرکش کہ بناز از قد و قامت برخاست

(۷) حافظ این خرقہ بینداز مگر جان ببری
کآتش از خرمن سالوس و کرامت برخاست (۷)

(۱) ترجمہ ۔ میرا دل و دین گیا اور دلبر ملامت کرنے لگا ۔ کہا کہ ہمارے پاس نہ بیٹھ ۔ کیونکہ تجھ سے سلامتی چلی گئی ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ ہم نے دل و دین اور جان و ایمان اسکے عشق میں ہار دیئے ۔ اُسے دیکھو کہ اب ہمیں اس لئے اپنے پاس بھی نہیں بیٹھنے دیتا

کہ ہمارے پاس سلامت یعنی دل و دین نہیں ہے یہ معشوق کی ستم ظریفی ہے غارت گرِ دل ہو کر بیدلی پر شکوہ!

میری تربت پر وہ شوخ آیا تو ہنسکر یوں کہا ۔۔۔ تم وفاداروں میں ہو یا میں وفاداروں میں ہوں

یعنی بے وفائی کی۔ مرگیا۔ خوب!

(۲) ترجمہ۔ تو نے سنا ہے کہ کوئی آدمی اس بزم میں تھوڑی دیر آرام سے بیٹھا ہو۔ اور آخر کار اس صحبت سے ندامت سے نہ اٹھا ہو!

مطلب یہ ہے کہ اس بزم (بزم دنیا یا بزم یار) میں جو آدمی تھوڑی دیر کے لئے خوشی سے بیٹھا آخر کار نادم ہو کر اٹھا۔

دیروز پئے گلاب مے گردیدم ۔۔۔ پژمردہ گلے بر سر شاخے دیدم
گفتم تو چہ کردی کہ ترا مے سوزند ۔۔۔ گفتا کہ دریں باغ دمے خندیدم

(۳) ترجمہ۔ شمع نے اگر اس لب خنداں پر زبان سے لاف زنی کی تو تیرے عاشقوں کے سامنے کئی راتیں پشیمان ہو کر اٹھی۔

زبان۔ بفتح و بضم ہر دو صحیح۔ زبان شمع مشہور۔ زبانہ شعلہ آتش۔

غرامت۔ تاواں زدہ ہونا۔ پشیمان ہونا۔ عذاب۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اگر شمع نے اپنے روشن رخسار اور لب خنداں پر ناز کیا تو اسکی سزا میں محفل عشاق میں وہ ہمیشہ نادم رہی۔ اور جلتی رہی۔

لائے کہاں سے اس رخ روشن کی آب و تاب ۔۔۔ بیجا نہیں جو شرم سے ہے آب آب شمع
جل کر ابھی تو گرمیٔ عارض سے ہوگی خاک ۔۔۔ آئے تری حضور جو رکھتی ہے تاب شمع

(۴) ترجمہ۔ باغ میں بادِ بہاری گل و سرو کے آغوش سے۔ اس چہرے اور قد کے شوق سے اٹھی۔

مطلب یہ ہے کہ ہر چند پھول خوبصورت اور خوش رنگ ہے اور

(۹) ترجمہ۔ کسی زمانہ میں بھی لوگ اسکو ہشیار نہیں پائیں گے اس لئے کہ ہمارا حافظ بادۂ ازل کا مست ہے۔

حافظ روزِ میثاق سے بادۂ محبت کا سرشار ہے۔ ع

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

دیکھو شعر (ت ۱/۱۸ و ت ۱۱/۱۸)

غزل (۴۸)

دل و دینم شد و دلبر بملامت برخاست	۱	گفت با ما منشین کز تو سلامت برخاست
کہ شنیدی کہ درین بزم دمی خوش بنشست	۲	کہ نہ در آخر صحبت بندامت برخاست
شمع گر زاں لب خنداں بزباں لافی زد	۳	پیش عشاق تو شبہا بغرامت برخاست
در چمن باد بہاری ز کنار گل و سرو	۴	بہواداری آں عارض و قامت برخاست
مست بگذشتی و از خلوتیاں ملکوت	۵	بتماشای تو آشوب قیامت برخاست
پیش رفتار تو پا برنگرفت از خجلت	۶	سرو سرکش کہ بناز قد و قامت برخاست

(۷) حافظ ایں خرقہ بینداز مگر جاں ببری
کآتش از خرمن سالوس و کرامت برخاست (۷)

(۱) ترجمہ۔ میرا دل و دین گیا اور دلبر ملامت کرنے لگا۔ کہا کہ ہمارے پاس نہ بیٹھ۔ کیونکہ تجھ سے سلامتی چلی گئی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ ہم نے دل و دین اور جان و ایمان اسکے عشق میں ہار دیئے۔ اُسے دیکھو کہ اب ہمیں اس لئے اپنے پاس بھی نہیں بیٹھنے دیتا

کہ ہمارے پاس سلامت یعنی دل و دین نہیں ہے یہ معشوق کی ستم ظریفی ہی
غارت گر دل ہو کر بیدلی پر شکوہ!

میری تربت پر وہ شوخ آیا تو ہنسکر یوں کہا		تم وفاداروں میں ہو یا میں وفاداروں میں ہوں

یعنی بے وفائی کی۔ مرگیا۔ خوب!

(۲) ترجمہ ۔ تو نے سنا ہے کہ کوئی آدمی اس بزم میں تھوڑی دیر آرام سے بیٹھا ہو۔ اور آخر کار اس صحبت سے ندامت سے نہ اٹھا ہو!

مطلب یہ ہے کہ اس بزم (بزم دنیا یا بزم یار) میں جو آدمی تھوڑی دیر کے لئے خوشی سے بیٹھا آخر کار نادم ہو کر اٹھا۔

دیروز پئے گلاب مے گردیدم گفتم تو چہ کردی کہ ترا مے سوزند		پژمردہ گلے بر سر شاخے دیدم گفتا کہ دریں باغ دمے خندیدم	

(۳) ترجمہ ۔ شمع نے اگر اس لب خنداں پر زبان سے لاف زنی کی تو تیرے عاشقوں کے سامنے کئی راتیں پشیمان ہو کر اٹھی۔

زبان ۔ بفتح۔ وبضم ہر دو صحیح ۔ زباں شمع مشہور۔ زبانہ شعلہ آتش ۔

غرامت ۔ تاواں زدہ ہونا ۔ پشیمان ہونا۔ عذاب۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اگر شمع نے اپنے روشن رخسار اور لب خنداں پر ناز کیا تو اسکی سزا میں محفل عشاق میں وہ ہمیشہ نادم رہی۔ اور جلتی رہی۔

لائے کہاں ہی اس رخ روشن کی آب و تاب جل کر ابھی تو گرمیٔ عارض سی ہو گی خاک		بیجا نہیں جو شرم سی ہے آب آب شمع آئے تری حضور جو رکھتی ہی تاب شمع

(۴) ترجمہ ۔ باغ میں باد بہاری گل و سرو کے آغوش سی۔ اس چہرے اور قد کے شوق سے اٹھی۔

مطلب یہ ہے کہ ہر چند پھول خوبصورت اور خوش رنگ ہی اور ر

سرو بھی بھی قد ہونے میں ضرب المثل ہے۔ مگر وہ بھی میرے معشوق کے عارض وقامت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بادِ بہاری اس سروِ گل اندام کے قد و رخسار کے شوق اور عشق میں کنارِ سرو و گل کو چھوڑ کر اٹھ نکلی۔ قدیار اور سرو کے مقابلہ کے لئے دیکھو۔ شعر الف ۱۲

باد اور ہوا کی رعایت ظاہر۔

(۵) ترجمہ۔ تو مست ہو کر گذرا اور عالم بالا کے خلوت نشینوں سے تیرے دیکھنے کے لئے شور قیامت اٹھا۔

ملکوت ۔ بفتحتین ۔ بادشاہی ۔ پروردگاری ۔ فرشتوں کا عالم اصطلاح صوفیاء میں عالم معنے یا عالم ارواح ۔ عالم غیب ۔ فرشتوں کی عبادت کا مقام ۔ طاعت بے قصور و بے فتور ۔

مطلب یہ ہے۔ کہ تو بحالت مستی اس ناز و ادا سے گزرا کہ تجھ کو دیکھنے کے لئے عالم بالا کے خلوت نشینوں یعنی فرشتوں میں بھی ایک قیامت برپا ہو گئی۔

ممکن ہے۔ کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معراج کی طرف بھی اشارہ ہو۔

(خسرو)	گر دید ولت سوئے گردوں خرام غلغلہ در گنبد والا گرفت		نیم شبے کاں شہ گردوں غلام ولولہ در عالم بالا گرفت

(۶) ترجمہ۔ تیری رفتار کے مقابلہ میں شرم سے پاؤں نہ اٹھایا سرو سرکش نے جو قد و قامت کے ناز پر اٹھا

یعنی سرو کو اپنے قد و قامت پر بہت ناز تھا۔ مگر تیری خوشخرامی دیکھ کر خجلت سے پاؤں نہ اٹھا سکا۔

ظاہر ہے کہ سرو چل نہیں سکتا۔ مگر شاعر نے وجہ کیا اچھی بتائی ہے صنعت حسن تعلیل ہے۔

سرو کو سرکش کہتے کے دو سبب ہیں ۔ ظاہری یہ کہ سہی قد ہے ۔ معنوی یہ کہ معشوق کے ساتھ مقابلہ کے لئے اٹھا ۔		
	کیا پانی پانی تیرے قد نے ایسا کہ سرو لب آب جو آب جو ہے ۔	

(۷) ترجمہ ۔ اے حافظ خرقہ کو پھینک دے ۔ شاید کہ اس طرح جان بچا لے ۔ کیونکہ فریب اور کرامت کے خرمن کو آگ لگ گئی ۔

خرمن ۔ بالکسر ۔ تودہ غلہ نا کوفتہ ۔ مطلق تودہ

مطلب یہ ہے کہ ریا کاری اور ظاہری بزرگی ایمان کے لئے خطرناک ہے ۔ اسکو ترک کر ۔ چونکہ ظاہرداروں کا لباس خرقہ ہے ۔ اور وہ اس خرقہ کی بدولت اپنی باطنی خباثت کو ظاہر نہیں ہونے دیتے ۔ اور ان کے فریبوں پر خرقہ بمنزلہ ایک پردہ ہے ۔ اسلئے جب خرمن سالوس و کرامت کو آگ لگی ۔ تو خرقہ ضرور جلے گا ۔ اور جس کے بدن پر خرقہ ہوگا ۔ وہ بھی جل جائے گا ۔ قاعدہ ہے ۔ کہ جس کپڑے کو آگ لگ جائے اسکو فوراً جسم سے اتار کر پھینک دیتے ہیں ۔



اطلاع

کتاب ہذا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں لہذا کوئی صاحب
قصد طبع نہ فرمائیں۔ جس قدر جلدیں مطلوب ہوں
مصنف کے پتہ سے بذریعہ وی پی یا نقد قیمت پر منگوا
لیں۔ (مصنف)

باقی جلدیں زیر طبع ہیں عنقریب چھپ کر شایع ہو جائینگی

میر ولی اللہ بی۔ اے۔ وکیل ایبٹ آباد